

عبرت کدہ سندھ



نفیس اکیڈمی

کراچی

بلاس اسٹریٹ

جملہ حقوق ترتیب و تبویب محفوظ ہیں

ناشر

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی

مالک نفیس اکیڈمی و مسعود پیشنگ ہاؤس کراچی

بہ اہتمام

خالد اقبال گاہندی

۲۳۲۹۵۶

ٹیلیفون

انوری بیگم دہلوی

کتابت

۱۹۰۳ء

طبع اول

۱۹۶۷ء

طبع دوم

مطبوعہ :- جاوید پریس میکلورڈ روڈ کراچی

زوالِ سندھ کی عبرت ناک داستان

محمد اقبال سلیم گاہندری

حیدرآباد کے دربار پر انگریزوں کی پہلی تلچائی ہوئی نظر اس وقت پڑی جب میسور کا شیر سلطان فتح علی ٹیپو سرنگاپٹم کے قلعہ میں دفن ہو چکا تھا۔ بمبئی سے سنگاپور تک ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کا ڈنکا بج رہا تھا۔ مرہٹے اور راجپوت ملکہ مظفر کی سلطنت کے حاشیہ نشین اور پنجاب کا بہادر بھرت سنگھ انگریز کا حلیف تھا۔ ۱۸۱۹ء میں لارڈ ویلنگٹن کا پہلا سفیر حیدرآباد کے دربار میں حاضر ہوا وہ گورنر جنرل بہادر کی طرف سے امیر سندھ کے نام دوستی کا پیغام لایا تھا بہانہ نواز امیر نے اس بن بلائے معززہ بہانہ کی طرف بڑی گرمجوشی سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس طرح کلکتہ اور کراچی کے درمیان بظاہر بے غرض پر غلوں اور پائیدار دوستی کا معاہدہ طے پایا۔ ان معاہدات میں لارڈ ویلنگٹن نے ۱۸۱۹ء میں مزید ترمیمات کیں اور دو سال بعد ۱۸۲۱ء میں نیا معاہدہ کیا جو فوجی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا اور یہی وعدے امیرانہ سندھ اور امیران خیرپور کی تباہی و تاراجی کا باعث ثابت ہوئے۔

یہ سفرنامہ جو آج سے سو اسو سال پہلے ڈری یوز فرم نیگ ایجنٹ کے نام سے شائع ہوا تھا اس کی اشاعت کی غرض مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ جب سندھ کے امیروں کے دکلار اس ملک (لنڈن) میں دادرسی پانے کی جملہ کوششوں میں ناکام رہے تو میں نے یہ سوچا کہ خیرپور کے بد نصیب امیروں کے ساتھ ہم شہرہ ہی سے ناقابل برداشت سختی سے پیش آئے اور مجھے یہ معلوم کر کے سخت رنج ہوا کہ ہمارا قوی دوست اور مددگار میر صوبہ دار خاں اس کی ماں اور اس کے بیٹے نے کلکتہ میں قید و بند میں جان دیدی میں بقیہ قیدیوں کی جانب سے انگلستان کے عوام الناس سے اپیل کر رہا ہوں کہ ان معزول امیرانہ سندھ و خیرپور کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ " اس سفرنامہ میں انگریزوں اور سندھ کے حکمرانوں کے درمیان میانی اور حیدرآباد کے مقام پر ہونے والی خون ریز جنگوں کا تفصیل بیان کی گئی ہے اور سرچارلس میٹرنے والیان خیرپور اور امیران حیدرآباد پر جو مظالم کئے تھے اور جس طریقہ پر ایذا نین پہنچائی تھیں وہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اس کتاب کا مصنف انگریز ہونے کے باوجود انگریزی پالیسی کا ہنوا نہیں ہے اس نے کمال کر اپنے اختلافات کا اظہار کیا ہے اور بڑی فراخ دلی کے ساتھ یہ اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے امیرانہ سندھ اور والیان خیرپور کے ساتھ

شروع ہی سے ناقابل برداشت سختیاں برقی ہیں۔ اس سفرنامہ میں جا بجا انگریزوں نے جو اخلاقی الزامات امیران سندھ پر عائد کئے ہیں اس کی جگہ جگہ پر تردید کی ہے جو مصنف کی فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کی زمین کا ایک پنج بھی فاتحانہ یلغار کے ذریعہ فتح نہیں کیا تھا اور نہ عوام کی رضامندی سے ان پر قبضہ کیا تھا یہ تو سوداگر بچوں کی سازش اور تلخ برطانیہ کی حمایت سے تقریباً دو سو برس میں انگریزی حکومت کے نقشے اس زمین پر ابھارے گئے تھے انگریز کبھی شمالی سرکار کا معاہدہ کر کے نظام دکن سے کڑ پا اور کرنول جیتنے میں کبھی برار کا دوامی پٹہ لکھواتے ہیں کبھی راجپوتانہ کی ریاستوں پر قبضہ کرتے ہیں۔ کبھی سندھ کے غافل امیروں پر سختی بے انصافی اور دھوکہ دہی کے ذریعہ اپنا اقتدار جھلالتے ہیں۔

یہ کتاب "ہجرت کدہ سندھ" انگریز پولیسکل ایجنٹ مشرا بی ایٹ وک کا وہ سفرنامہ ہے جو انہوں نے ۱۸۳۵ء میں اپنے چشم دید واقعات و حالات پر مشتمل لکھا ہے انہوں نے خود سندھ کا سفر کیا ہے۔ حالات سے پوری طرح واقف ہیں اور ان تمام بددیانتیوں کے عینی شاہد ہیں جو امیران خیرپور اور امیران حیدرآباد کے ساتھ انگریز کرتے رہے ہیں اس میں سندھ کے مقامی رسم و رواج اور تہذیب و شائستگی پر بھی کافی بحث کی گئی ہے۔

اس سیاسی یادداشت کا اردو ترجمہ ۱۹۰۳ء میں ضامن کنٹوری نے کیا تھا اس وقت جبکہ سندھ کی تاریخ پر عالمانہ اور محققانہ کام ہو رہا ہے اور ہمارے اساتذہ اور طلباء ہر ضروری یادداشت کو مرتب کر رہے ہیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس وقت کے سب سے قابل اعتبار بیان اور مکمل یادداشت کو شائع کر دیں۔ یقینی طور پر ہمارے ملک کی تاریخ کا یہ ایک اہم ترین باب ہے جس سے ہم سب کو واقف ہونا ضروری ہے۔

یوں بھی سفرنامہ علمی و ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واحد مصنف ادب ہے جس کا تمام اہم ساحر ق علوم سے گہرا تعلق ہے، مورخوں، سوانح نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے اس صنف سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

ہمیں تو قہر ہے کہ اس سفرنامہ سے جہاں تاریخ کا طالب علم صحیح واقعات اخذ کرے گا وہاں ناظرین بھی تاریخ سندھ سے پوری پوری واقفیت حاصل کریں گے۔ سندھ کی یہ عبرتناک داستان سبق آموز ہے۔

فہرست مضامین

۳۱	معزول راجاؤں کی زہوں عالی	۲۱	باب
۳۱	رن کچھ عبور کرنے کی ممانعت	۲۱	آغاز سفر
۳۱	اہل لکھپت کی بد حالی	۲۱	سلسلہ بانائے دریائے سندھ کا علاقہ
۳۲	رن سندھ (رن کچھ) میں آمد	۲۱	دلیا کا علاقہ
۳۳	رن کچھ کا دشوار گزار راستہ	۲۳	کوہ آلو کا سفر
۳۴	لاوی کے سردار کی بے رخی	۲۳	بھیلوں کا گاؤں اندورہ
۳۵	ٹھٹھہ کی روانگی	۲۳	اندورہ سے روانگی
۳۶	باب	۲۴	کوہ آلو پر چڑھائی
۳۶	روٹری میں قیام	۲۵	کوہ آلو کا دل کش منظر
۳۶	سندھیوں کا کرخت لہجہ	۲۵	قدیم ہندو تیرتھ
۳۷	ریت اور چھروں کی بھرمار	۲۶	راجپوت قوم کی جائے پیدائش
۳۷	ٹھٹھہ کے مقابر	۲۶	راجپوتوں کی بستی چندروات
۳۸	ٹھٹھہ کی عمارت	۲۶	چندروات کی آب و ہوا
۳۹	شمالی سندھ کا سفر	۲۷	پٹن کو روانگی
۴۰	ٹھٹھہ میں آمد	۲۸	کاٹھیاواڑ کا قحط
۴۰	سندھ کی شکار گاہیں	۲۸	راج کوٹ میں گرانی
۴۱	بارکو سے روانگی	۲۹	راج کوٹ میں برطانوی پولیٹیکل ایجنسی
۴۱	حیدر آباد میں قیام	۳۰	گورنمنٹ بنگال کی ملازمت
۴۱	سندھی ملاحوں کا کردار	۳۰	راج کوٹ سے روانگی
۴۲	مازندہ کا سفر	۳۱	بھوج کے راؤ سے ملاقات

۵۶	سکھر کی عمارات کے اکبری کتبے	۴۳	قصبہ سینا کی مسجد
۵۷	عامگیر کا مجس	۴۳	سہوان کا سفر
۵۷	شکر گنج شاہ لور قطب الدین شاہ کے مزارات	۴۴	منچھر جمیل میں آمد
۵۸	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک	۴۵	طوفان کا مقابلہ
۵۸	رحمان بلوچ ڈاکو	۴۶	منچھر جمیل
۵۹	بلوچیوں کے عادات و خصائل	۴۶	سندھ کی گرمی
۵۹	پیارے خاں بلوچی کا واقعہ	۴۷	بھاول پور کی حالت
۶۰	ایک بزرگ بلوچی کی پیش گوئی	۴۸	سندھ کے گاؤں
۶۱	فنگی فوج کے شیطان	۴۸	فتح پور اور فیروز پور کے قصبات
۶۱	سکھر کے بلوچ	۴۸	پریکوٹ میں قیام
۶۳	باب ۳	۴۹	موضع جٹلیا
۶۳	کابل کی مہم	۴۹	سندھی ملاحوں کے دیہات
۶۳	جنگ افغانستان میں شکست کے اسباب	۵۰	موضع سہرابانیوں میں قیام
۶۵	قلات کی جنگ	۵۰	مکانا نہر کا سفر
۶۶	مردیم میکناٹن کی نااہلی	۵۰	سکھر کو روانگی
۶۷	شاہ افغانستان	۵۰	سکھر میں قیام
۶۸	برطانوی حکمت عملی	۵۱	بکر کا جزیرہ اور روٹری کے قصبات
۶۹	شاہ افغانستان اور سردار خیر پور میں مخالفت	۵۲	سکھر کی قدیم تاریخ
۷۰	پہلی برطانوی سفارت	۵۳	روٹری کی مسجد
۷۱	میر مبارک کا انتقال	۵۳	جزیرہ خواجہ خضر (روٹری)
۷۱	میر رستم کی اہانت	۵۴	سات پاک دامن بیبیوں کا جزیرہ
۷۲	امراء میں ناچاقی	۵۵	کتبہ کی تاریخ
۷۳	میر رستم کی معزوری	۵۵	جزیرہ خضر کی مسجد کا کتبہ

۸۹	ہندوستانی سپاہ کا احتجاج	۷۴	کیپٹن کینڈی کا تقدر
۹۰	مقامی سپاہ کی مشکوک وفاداری	۷۴	کرنل اوٹرم
۹۱	بدھو دھولی کا واقعہ	۷۵	امرائے سندھ کی طرز حکومت
۹۲	خیرپور کے تالپور امرار	۷۶	قانون اور انصاف
	سکھر سے تبادلہ کا حکم	۷۶	مسلم امرار کا ہندوؤں سے حسن سلوک
	باب	۷۷	سندھ کی خوش حالی
۹۴	سقوط قلات	۷۸	انگریزوں کا غیر منصفانہ رویہ
۹۴	سکھر سے تبادلہ کا حکم		باب
۹۵	شکارپور کی ایجنسی	۸۰	پہلا معرکہ
۹۶	مقامی لوگوں سے ملاقات	۸۰	بلوچیوں کا صلہ
۹۶	ابراہیم شاہ	۸۰	بلوچی دستہ
۹۷	داروغہ محمد حسین	۸۲	ریزیڈنسی کی عمارت کی تعمیر
۹۸	بلوچیوں سے پہلی جھڑپ	۸۲	ریزیڈنٹ میجر آڈرم
۹۹	لیفٹیننٹ والپول کا کارنامہ	۸۳	جاسوسوں کی گرفتاری
۹۹	بگتی ڈاکوؤں کا فرار و گرفتاری	۸۳	مقابر کا انہدام
۱۰۰	سولہ ڈاکوؤں کی گرفتاری	۸۴	شاہنواز خاں کی آمد
۱۰۱	سولہ ڈاکو کا خاتمہ	۸۵	بلوچ رجمنٹ
۱۰۲	قلات کا زوال	۸۵	الف خاں ترین
۱۰۲	ہیضہ کی وبا		باب
۱۰۳	تجربینہ و تکفین	۸۷	شکارپور
۱۰۳	شکارپور سے روانگی	۸۷	پولیسٹیکل ایجنٹ کا دورہ کراچی
۱۰۵	باز کا شکار	۸۸	خزانہ کی سپردگی و ذمہ داری
۱۰۵	سندھیل کا عمدہ کردار	۸۹	ایک صوبیدار میجر کی گرفتاری

۱۲۴	بلوچی سرداروں کی اطاعت	۱۰۶	پولیشکل ایجنٹ کی مہمان نوازی
۱۲۴	سیاسی افسر کی لاپرواہی	۱۰۷	کپٹن آر تھمہ کی رفاقت
۱۲۵	محاصرہ کاہن	۱۰۸	کنولی کے سفر کے واقعات
۱۲۵	صوبہ کچھی پر محمد شریف کا تقرر	۱۰۹	زمین العابدین شاہ سے ملاقات
۱۲۶	محمد شریف کی مطلق العنانی	۱۱۰	سردار خیر پور کمال خاں سے ملاقات
۱۲۷	بروہی سرداروں کی ناراضگی	۱۱۰	امتبار خاں
۱۲۸	پولیشکل ایجنٹوں کی نااہلی	۱۱۰	امتبار خاں کا انتقام
۱۲۸	سندھی لغت کی تیاری	۱۱۱	بی ہرگ سے معرکے
۱۳۰	مالیہ میں اضافہ	۱۱۲	بجارجاں بی ہرگ اور سرداروں کی گرفتاری
۱۳۱	باب	۱۱۳	قیدیوں کی اہانت و رہائی
۱۳۱	کاہن پر قبضہ	۱۱۳	جانی کی خون ریزی
۱۳۱	ولی اللہ کی اہمیت و توقیر	۱۱۴	جانی کا حملہ و گرفتاری
۱۳۲	پیر محمد الدین سرہندی سے ملاقات	۱۱۵	جانی کی رہائی
۱۳۲	ایک ضعیفہ کا وادیلا	۱۱۵	جانی کا خاتمہ
۱۳۴	ماتحتوں کی خرمستی	۱۱۶	بجارجاں اور بی مرگ کا رویہ
۱۳۴	شکار پور کی شدید گرمی	۱۱۷	قیدیوں کے اسلحہ و مویشیوں کی فروختگی
۱۳۵	لکھنؤ کا سیالکوٹ پر حملہ	۱۱۹	باب
۱۳۶	شاہ نواز خاں اور امارت قلات	۱۱۹	کھارک کی مہم
۱۳۷	برطانوی حکومت کی غلط پالیسی	۱۲۰	سرتاف کی لڑائی
۱۳۷	مسلمانوں کی بنیاری	۱۲۰	کھارک کا قتل
۱۳۸	عبد اللہ خیری کی مجبوری	۱۲۱	جگر بگتی اور مری قبیلوں کے حملے کا خطرہ
۱۳۹	برگید سیراس کا انتقال	۱۲۲	ایمیل کے دستے کی پریشانی
۱۳۹	فوجی دستوں کی روانگی	۱۲۳	یارو کے خلاف مقدمہ

۱۵۲	سندھی ٹوپی پہننے کا انجام	۱۴۰	تلاش کے نتیجے ہونے کی اطلاع
۱۵۲	برشوری میں عمارت کی تعمیر	۱۴۰	داد رکھوانگی کا حکم
۱۵۵	برشوری سے روانگی	۱۴۱	شکار پور سے روانگی
۱۵۶	باغ میں درختوں سے ملاقات	۱۴۱	درہ جانی
۱۵۷	اہم سرداروں سے مشورہ	۱۴۲	قلعہ خان گڑھ کی تاراجی
۱۵۸	مقامی باشندوں کی عداوت	۱۴۳	مسافر خانہ کی تعمیر
۱۵۸	باغ سے روانگی	۱۴۴	باب ۹
۱۵۹	مبارک خاں سے ملاقات	۱۴۴	مری قبیلہ کے محرکے
۱۶۰	گنڈوا کا تاراج	۱۴۴	انگریزی سپاہ کی شکست کی اطلاع
۱۶۰	باغ کی تاراجی کا خطرہ	۱۴۵	سندھی مزدوروں کی کاہلی
۱۶۱	ایک فوجی دستہ کی کمک	۱۴۶	میجر کلینبرن کی شکست
۱۶۱	بی برگ اور بجر سے ملاقات	۱۴۶	شکست خوردہ فوج کی حالت
۱۶۲	مری قبیلہ کی اعلیٰ طرفی	۱۴۷	گرینڈیر کی موت
۱۶۲	مری قبیلہ کی دلیر خواتین	۱۴۷	انگریزی سپاہ کی پیش قدمی
۱۶۳	چاچڑ میں قیام	۱۴۸	قبیلہ مری سے جنگ
۱۶۴	بروہیوں کی پیش قدمی	۱۴۹	قبیلہ مری کی دلیری
۱۶۴	مدافعت کے موثر انتظامات	۱۴۹	انگریزی فوجی دستہ کا صفایا
۱۶۵	باب ۱۰	۱۵۰	انگریزی فوج کا تعاقب
۱۶۵	معرکہ گنڈوا	۱۵۱	میجر کلینبرن کے خلاف تحقیقات
۱۶۵	باغ سے روانگی	۱۵۳	برڈی قبیلہ کا حملہ
۱۶۵	جکراتی سردار ترک علی	۱۵۳	برڈی قبیلہ کے حملے کا خطرہ
۱۶۶	عبدالخالق عالم سے ملاقات	۱۵۳	جمالی قبیلہ کے سردار سے گفتگو
۱۶۷	عبدالخالق عالم سے مذہبی بحث	۱۵۴	موضع برشوری میں قیام

۱۸۴	دلی محمد کی شادی میں شرکت	۱۶۷	برطانوی افواج کا سکھر میں اجتماع
۱۸۵	میر رستم دالی خیرپور	۱۶۸	برودی قبیلہ سے جھڑپیں
۱۸۵	میر رستم سے ملاقات	۱۶۹	چالیسویں رحمت کی پیش قدمی
۱۸۶	میر رستم کی شکایات	۱۶۹	کمال خاں کی واپسی
۱۸۷	سیبی کے قلعہ پر حملہ	۱۷۰	ایک ہندوستانی افسر کی روداد
۱۸۸	مسجد کی بے حرمتی	۱۷۰	لوڈے آفیسر کا قتل
۱۸۸	برطانوی سپاہ کی پٹائی	۱۷۱	آفیسر لوڈے کا کردار
۱۸۹	جنرل ونچوراکا ایکٹنی میں قیام	۱۷۲	میر نور محمد کا انتقال
۱۹۰	فارسی اخبار	۱۷۲	معمر کے گنڈوا
۱۹۰	لازموں کی بے ایمانی	۱۷۳	اسیران معمر کے گنڈوا
۱۹۱	رشوت ستانی	۱۷۴	مقامی لوگوں کی خوشامد
۱۹۲	بلوچی قوم کی راست بازی	۱۷۵	شیر کا شکار
۱۹۲	ایک ایرانی قیدی کی رہائی	۱۷۵	شکارپور کا گردوغبار
۱۹۳	دریائے سندھ	۱۷۷	باب
۱۹۴	چین کی نہروں کا نظام	۱۷۷	معمر کے سیبی
۱۹۴	دریائے سندھ کی پھلیاں	۱۷۷	ردی قیدیوں کی رہائی
۱۹۵	صوفیاں افغان کے تاثرات	۱۷۸	بی برگ، بھراور دوسرے سرداروں کی رہائی
۱۹۷	پولٹیکل افسر اور میر رستم کے مخالفین	۱۷۹	خیرپور کے سیاسی حالات
۱۹۸	سرداران خیرپور سے دوستانہ مراسم	۱۸۰	خیرپور کے دعوے دار
۱۹۸	بلوچیوں کا اعلیٰ کردار	۱۸۱	ایک افسر کی روانگی خیرپور
۱۹۹	روٹری سے روانگی	۱۸۱	پولٹیکل ایجنٹ کا جلوس
۲۰۰	دریائی سفر	۱۸۲	خزائنی کے فرائض کی انجام دہی
۲۰۰	غرقابی کا خطرہ	۱۸۳	میر رستم کی غیر اطمینانی

۱۵۴	سندھی ٹوپی پہننے کا انجام	۱۴۰	قلات کے فتح ہونے کی اطلاع
۱۵۴	برشوری میں عمارت کی تعمیر	۱۴۰	دادر کو روانگی کا حکم
۱۵۵	برشوری سے روانگی	۱۴۱	شکار چور سے روانگی
۱۵۶	باغ میں درون سے ملاقات	۱۴۱	درہ جانی
۱۵۷	اہم سرداروں سے مشورہ	۱۴۲	قلہ خان گڑھ کی تاراجی
۱۵۸	مقامی باشندوں کی عداوت	۱۴۳	مافرخانہ کی تعمیر
۱۵۸	باغ سے روانگی	۱۴۳	باب ۹
۱۵۹	مبارک خان سے ملاقات	۱۴۴	مری قبیلہ کے معرکے
۱۶۰	گنڈوا کا لڑا	۱۴۴	انگریزی سپاہ کی شکست کی اطلاع
۱۶۰	باغ کی تاراجی کا خطرہ	۱۴۵	سندھی مزدوروں کی کاہلی
۱۶۱	ایک فوجی دستہ کی کمک	۱۴۶	میجر کلینبرن کی شکست
۱۶۱	بی برگ اور بھر سے ملاقات	۱۴۶	شکست خوردہ فوج کی حالت
۱۶۲	مری قبیلہ کی اعلیٰ ظرفی	۱۴۷	گرینڈیر کی موت
۱۶۲	مری قبیلہ کی دلیر خواتین	۱۴۷	انگریزی سپاہ کی پیش قدمی
۱۶۳	چاچڑ میں قیام	۱۴۸	قبیلہ مری سے جنگ
۱۶۴	بروہیوں کی پیش قدمی	۱۴۹	قبیلہ مری کی دلیری
۱۶۴	مدافعت کے موثر انتظامات	۱۴۹	انگریزی فوجی دستہ کا صفایا
۱۶۵	باب ۱۰	۱۵۰	انگریزی فوج کا تعاقب
۱۶۵	معرکہ گنڈوا	۱۵۱	میجر کلینبرن کے خلاف تحقیقات
۱۶۵	باغ سے روانگی	۱۵۳	برڈی قبیلہ کا حملہ
۱۶۵	جکراتی سردار ترک علی	۱۵۳	بروہی قبیلہ کے حملے کا خطرہ
۱۶۶	عبدالحق عالم سے ملاقات	۱۵۴	جمالی قبیلہ کے سردار سے گفتگو
۱۶۷	عبدالحق عالم سے مذہبی بحث	۱۵۴	موضع برشوری میں قیام

۱۸۴	ولی محمد کی شادی میں شرکت	۱۶۷	برطانوی افواج کا سکھ میں اجتماع
۱۸۵	میر رستم والی خیرپور	۱۶۸	برودی قبیلہ سے جھڑپیں
۱۸۵	میر رستم سے ملاقات	۱۶۹	چالیسویں رجمنٹ کی پیش قدمی
۱۸۶	میر رستم کی شکایات	۱۶۹	کمال خاں کی واپسی
۱۸۷	سیبی کے قلعہ پر حملہ	۱۷۰	ایک ہندوستانی افسر کی روداد
۱۸۸	مسجد کی بے حرمتی	۱۷۰	لوڈے آفیسر کا قتل
۱۸۸	برطانوی سپاہ کی پشائی	۱۷۱	آفیسر لوڈے کا کردار
۱۸۹	جنرل ونچیرا کا ایجنسی میں قیام	۱۷۲	میر نور محمد کا انتقال
۱۹۰	فارسی اخبار	۱۷۲	معدہ گنڈوا
۱۹۰	مذہبوں کی بے ایمانی	۱۷۳	اسیران معدہ گنڈوا
۱۹۱	رقوت مستانی	۱۷۳	مقامی لوگوں کی خوشامد
۱۹۲	بلوچی قوم کی راست بازی	۱۷۵	شیر کا شکار
۱۹۲	ایک ایرانی قیدی کی رہائی	۱۷۵	شکارپور کا گردوغبار
۱۹۳	دریائے سندھ	۱۷۷	باب
۱۹۴	چین کی نہروں کا نظام	۱۷۷	معدہ سیبی
۱۹۴	دریائے سندھ کی پھلیاں	۱۷۷	روسی قیدیوں کی رہائی
۱۹۵	صوخواں افغان کے تاثرات	۱۷۸	بی برگ بحیرہ دوسرے سرداروں کی رہائی
۱۹۷	پولیش انسداد میر رستم کے مخالفین	۱۷۹	خیرپور کے سیاسی حالات
۱۹۸	سرداران خیرپور سے دوستانہ مراسم	۱۸۰	خیرپور کے دعوے دار
۱۹۸	بلوچیوں کا اعلیٰ کردار	۱۸۱	ایک افسر کی روانگی خیرپور
۱۹۹	روٹری سے روانگی	۱۸۱	پولیش ایجنٹ کا جلوس
۲۰۰	دریائی سفر	۱۸۲	خزاہنی کے فرائض کی انجام دہی
۲۰۰	غرقابی کا خطرہ	۱۸۳	میر رستم کی غیر اطمینانی

۲۱۵	امیر شاہ داد اور علی کا دراثہ پر تنازعہ	۲۱۵
۲۱۵	خالصہ حکومت کے جرائم	۲۱۵
۲۱۶	سندھ میں ہندو تجارت کی کثرت و فائدہ الہی	۲۱۶
۲۱۸	باب ۱۳	۲۱۸
۲۱۸	کراچی	۲۱۸
۲۱۸	حیدر آباد سے روانگی	۲۱۸
۲۱۹	ٹھنڈے کراچی کا سفر	۲۱۹
۲۲۰	کراچی میں قیام	۲۲۰
۲۲۱	منگھو پیر	۲۲۱
۲۲۲	منگھو پیر کے گرمچ	۲۲۲
۲۲۳	انگریزوں کی غیر معمولی سے لڑائی	۲۲۳
۲۲۳	انگریزوں کی اصلاحات کی ضرورت	۲۲۳
۲۲۵	کراچی کی بندرگاہ	۲۲۵
۲۲۵	کراچی سے روانگی	۲۲۵
۲۲۶	بیمبئی کا بحری سفر	۲۲۶
۲۲۷	گورنر جنرل لارڈ این برا	۲۲۷
۲۲۸	پولیسکل افسر اور فوجی افسر کا معاوضہ	۲۲۸
۲۲۹	لوئر م، کرنیل ٹیلر کی برطانیہ	۲۲۹
۲۳۰	برطانوی حکومت کی عجیب حکمت عملی	۲۳۰
۲۳۱	امیران خیروپ سے بہتر تعلقات	۲۳۱
۲۳۲	انگریزوں کی بد عہدی	۲۳۲
۲۳۳	امراتے سندھ کے خلاف جہلی کا فسادات	۲۳۳
۲۳۴	جہلی کا فسادات کی وجہ	۲۳۴

کشتی کی شکنگی

احمد خاں مغزی سے ملاقات

میر اور مریم سے ملاقات

باب ۱۴

حیدر آباد

شاہ داد اور حسین علی کا دراثہ پر تنازعہ

ایکبسی سے حیدر آباد کے لئے روانگی

حیدر آبادیوں کا استقبال

حیدر آباد کا دربار

شاہ داد اور حسین علی میں مصالحت

شکار پور کی حوالگی کا مطالبہ

کارروائی کی رپورٹ

حیدر آباد کی آب و ہوا

حیدر آباد کا قلعہ اور عمارات

کلبوٹرا خاندان کا خزانہ

سندھ کے حاصل

امراتے سندھ

امیر نصیر خاں

امیر شاہ داد

امیر نور محمد کی ذہانت

امراتے حیدر آباد کی انگریزوں سے نفرت

امیروں کی نااہلی

امیر نصیر خاں کا اخلاق

۲۵۱	۲۳۴	یغٹ برنس کا سفرنامہ
۲۵۱	۲۳۵	دریائے سندھ کی جہاز رانی
۲۵۲	۲۳۵	امیران سندھ اور انگریزوں کا مساوی درجہ
۲۵۲	۲۳۸	اتحادِ خلافت
۲۵۲	۲۳۸	فوجی مقامات کی حوالگی کا مطالبہ
۲۵۳	۲۳۸	قلعہ بکر پر قبضہ کی خواہش
۲۵۴	۲۳۹	سیرالیکونڈر کی بد عہدی
۲۵۵	۲۴۰	امرائے حیدرآباد سے صلح نامہ
۲۵۵	۲۴۱	امرائے خیرپور سے نا انصافی
۲۵۶		انگریزوں کا فریب
۲۵۷	۲۴۲	علی مراد کی امتیازی حیثیت
۲۵۷	۲۴۳	اچھ کا خدات کی چوری و فروختگی
۲۵۸	۲۴۴	پولیسک ایجنٹ کامیرستم سے اہانت آمیز رویہ
۲۵۸	۲۴۵	میرستم کے وزیر کی اہانت و بدظرفی
۲۵۹	۲۴۵	فتح محمد غوری کے متعلق غلط بیانی
۲۶۰	۲۴۶	امرائے خیرپور کی اشک شوقی
۲۶۰	۲۴۶	میر نصیر خاں کے خلاف شکایات
۲۶۰	۲۴۷	میرستم کی نگرانی
۲۶۰	۲۴۸	جسٹس خطوط
۲۶۲	۲۴۸	فرضی خطوط کی بنا پر کارروائی
۲۶۲	۲۴۹	فرضی خطوط کی اہلیت
۲۶۳	۲۵۰	سندھ کے بارے میں طے شدہ منصوبے
۲۶۴	۲۵۰	علی مراد کی ریشہ دوانیاں

انگریزوں کی من مانی کارروائیاں
اخبار مائے عز سے ایک سوال
سرکاری کتاب پر تنقید
باب
زوالِ سندھ
سندھیوں کے بارے میں من گھڑت قصے
انگریزوں کا سندھیوں سے ناروا سلوک
اہل انگلستان سے سوال
اہل سندھ پر مظالم

تالپور خاندان
تالپور خاندان کی ابتدا
سندھ میں امن و امان
انگریزوں سے معاہدہ اتحاد
سندھ پر قبضہ کرنے کا مشورہ
گورنر جنرل لارڈ ڈنلوپ کی حکمت عملی
معاہدات کی تجدید
امیران سندھ کا غشیات سے اجتناب
امرائے سندھ کی پابندی شرع
لٹیننٹ برنس کی سفارت
میرستم والی خیرپور کی مہاں تازی
لٹیننٹ برنس کی میرستم سے ملاقات
لٹیننٹ برنس کے لئے تحائف

۲۸۲	نیمبر کا اپنے مظالم پر اظہارِ نفوذ	۲۶۵	علی مراد کا خیر پور پر حملہ
۲۸۳	اہل سندھ کی تباہی و بربادی	۲۶۵	میر سہراب کی وصیت
۲۸۴	امرائے حیدر آباد کی سفارت کی ناکامی	۲۶۶	میر رستم کی خواہش
۲۸۵	جنرل نیمبر کی مخاصمانہ پالیسی	۲۶۶	علی مراد کی ہمت افزائی
۲۸۵	جنگ میانہ و ڈبا کی وجہ	۲۶۷	مقامی رسم و رواج سے عدم واقفیت
۲۸۶	انگریز قوم پر بدنامی داغ	۲۶۸	انگریزوں کی ایک طرفہ کارروائی
۲۸۷	ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم	۲۶۹	محکمہ مخبری کی غلط اور لچر اطلاعات
۲۸۷	ڈاکٹر بیرٹ کی میر رستم کے تعلق رپورٹ	۲۷۰	لیفٹننٹ مین کی لچر رپورٹ
۲۸۸	امرائے سندھ کی پرہیزگاری	۲۷۰	امیروں کے خلاف الزامات
۲۸۹	میر رستم کی توقیر	۲۷۱	نیمبر کی میر رستم پر مذہبی باتیاں
۲۸۹	وزیر فتح محمد غوری پر الزامات	۲۷۲	سر دار میر پور کے متعلق لا علی
۲۹۰	شرمناک غلط بیانی	۲۷۳	میر رستم کے خلاف سازش کا جال
۲۹۱	خان بھادل پور	۲۷۴	سر چارلس نیمبر کی مکاری
۲۹۱	سکھوں کی دوسری جنگ	۲۷۵	علی مراد کے خلاف تحقیقاتی کمیشن
۲۹۲	جنگ کا آغاز	۲۷۶	جعلی صلح نامہ
۲۹۳	انگریزی فوج کی کمک	۲۷۷	میر رستم کی اسیری
۲۹۳	فتح محمد غوری کی اعلیٰ فوجی صلاحیت	۲۷۷	باب ۱۵ درونماک انجام
۲۹۴	فتح محمد کی فوجی صلاحیتوں کا اعتراف	۲۷۸	ادٹرم کی درونماکیز رپورٹ
۲۹۵	فتح محمد غوری کا توپوں پر قبضہ	۲۷۹	میر رستم کا اظہارِ تاسف
۲۹۶	فتح محمد غوری کے ابتدائی حالات	۲۷۹	گورنر جنرل لارڈ ایلن برا کا ظلم
۲۹۶	فتح محمد کا عہد وزارت	۲۸۰	لارڈ ایلن برا کی حقائق سے چشم پوشی
۲۹۷	سعادت خاں پر حملہ	۲۸۰	جنرل نیمبر کے اپنے ظلم کے حق میں دلائل
۲۹۷	فتح محمد کا فساد	۲۸۱	فتح محمد غوری کی اسیری

۲۹۸	معتد گورنر جنرل کا خط بنام گارڈن بحفاظت
۲۹۸	امیران سندھ
۲۹۸	مرزا برٹ ہیل کا اطلاعی خط بنام
۳۰۰	دکلا ر امیران سندھ
۳۰۰	اسناد دکلائے امیران سندھ کی واپسی
۳۰۳	خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز
۳۰۳	کورٹ آف ڈائریکٹرز کا جواب
۳۰۳	خط بنام چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز
۳۰۶	چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز کی منظوری
۳۰۶	درخواست دکلا ر بنام ارل اورین
۳۰۶	انڈیا بورڈ کا جواب
۳۰۷	دکلا ر کی دارالعوام رہاؤس آف کاننر
۳۰۸	سے اپیل
۳۱۰	بیگمات امیران سندھ کا خط بنام ملکہ
۳۱۱	دکنوریہ
۳۱۹	دکلا ر امیران سندھ کا خط بنام ملکہ دکنوریہ
۳۲۳	میران سندھ کے دکلا ر کا حلف نامہ
۳۲۴	امیران سندھ کا مقدمہ
۳۲۶	صلح نامہ ۱۸۵۹ء
۳۲۷	تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کی منظوری
۳۲۷	انگریزی فوج کے گدرنے کی اجازت
۳۲۷	ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعاون
۳۲۷	انگریزی فوج کے اخراجات کا مطالبہ

برنس کے فتح محمد کے متعلق تاثرات
فتح محمد کی خدمات

میر رستم کے خاندان کا حشر
مفتد امرائے سندھ کا انجام
شاہ داد کے متعلق ایک انگریز کی رائے
نیپیر کا سفدہ بن

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک سیاسی غلطی
سندھ کا رقبہ اور مالیہ

سندھ کی آبادی
سندھ کی مذمتی تقسیم
سندھ کی زراعتی پیداوار

لگان اراضی
فوجی قاتلان اور غیر معمولی سزائیں

سندھ کا میزانیہ
خود غرضانہ اصول و مقاصد

باب ۱۶

امرائے سندھ کا مقدمہ
امرائے سندھ کے دکلا ر کی خط و کتابت
خط بنام ایڈیٹر مائنر
درخواست بنام گورنر جنرل ہند
معتد گورنر جنرل کا خط بنام کیپٹن گارڈن
امرائے سندھ کی درخواست بنام گورنر
جنرل ہند

۳۵۷	لارڈ این براکی برہی	۳۴۶	کابل کی مہم میں امداد
۳۵۷	گورنر جنرل ہارڈنگ	۳۴۷	صلح نامہ سندھ
۳۵۷	ہارڈنگ کانپیر کے مظالم کا اعتراف	۳۴۷	سرطوٹرس نیپیر کا استقبال
۳۵۹	جنگ میانہ کے نقشہ کی اشاعت	۳۴۷	من مانی شرائط
۳۵۹	میجر اوٹرم کی اسوار سے ناکام گھٹگو	۳۴۸	نیپیر کا خیو پور پر حملہ
۳۶۰	بلوچیوں کا اجتماع	۳۴۸	امرا کی بہروں کی حوائی
۳۶۱	کپٹن جیکب کے رسالہ کی روانگی	۳۴۹	میر ستم کو میجر اوٹرم سے ملنے کا حکم
۳۶۱	پھیلی کا مورچہ	۳۴۹	میجر اوٹرم کی سوار سے ملقات
۳۶۲	بلوچی کا کوٹ	۳۵۰	جبری صلح نامہ
۳۶۲	کپٹن جیکب ویفٹن ہیل کے دوستوں کی پیش قدمی	۳۵۰	حیات خاں کی گرفتاری
۳۶۳	ہراول فوج پر حملہ	۳۵۱	میجر اوٹرم کی حفاظت
۳۶۳	دشمن کا زبردست مورچہ	۳۵۱	چارلس نیپیر کی بہن
۳۶۴	انگریزی فوج کی مورچہ بندی	۳۵۲	اہل حیدر آباد کا عزم مدافعت
۳۶۵	میدان جنگ کا نقشہ	۳۵۳	میجر اوٹرم کے خیمہ پر حملہ
۳۶۶	انگریزی سپاہ کی بم باری	۳۵۳	دو انگریز سپاہیوں کی گرفتاری و رہائی
۳۶۶	بلوچوں کا حملہ	۳۵۳	چارلس نیپیر کا بلوچیوں پر حملہ
۳۶۸	میجر جیکس کا خاتمہ	۳۵۴	میر نصیر خاں اور نیپیر
۳۶۸	بلوچیوں کی دلیری	۳۵۴	مرزا خسرو بیگ کی امانت
۳۷۰	دائیں جانب پر حملہ	۳۵۵	چارلس نیپیر کا زمان خانہ میں زبردستی داخل
۳۷۰	بلوچیوں کی شدید مدافعت	۳۵۵	بیگمات کی امانت دے جے حرمتی
۳۷۰	بلوچیوں کی سپاہی	۳۵۶	زیورات کی بالجبر وصولی
۳۷۰	امرائے سندھ کے خیمہ پر قبضہ	۳۵۶	خواتین کی جامہ تلاشی
		۳۵۶	میر صوبہ دار خاں اور مرزا خسرو بیگ کی گرفتاری

۳۸۱	دربارے سندھ سے گزرنے کی اجازت پر اصرار	۳۸۱	جنگ کا خاتمہ
۳۸۲	دوستی کی تجدید	۳۸۲	توپ خانہ اور رسالہ کی کارگزاری
۳۸۲	کابل کی مہم	۳۸۲	انگریزی فوج کا نقصان
۳۸۳	اہل سندھ کی مشکلات کا آغاز	۳۸۳	حیدر آباد پر قبضہ
۳۸۳	انگریزی فوج کا خرچ اور اکیس لاکھ روپے کا سٹاک	۳۸۳	میر نصیر خاں کا شجرہ نسب
۳۸۴	ایک صلح نامہ کے بعد دوسرا صلح نامہ	۳۸۴	کلہوڑا میں قیام
۳۸۵	رئیس خیرپور پر ظلم و استبداد	۳۸۴	میر شاہ داد خاں اکبر کی اولاد
۳۸۵	میر رستم کی معزولی	۳۸۴	قلعہ حیدر آباد کی تعمیر
۳۸۵	نئے صلح نامہ کی تصدیق	۳۸۴	فرزند محمد خاں کی جانشینی
۳۸۶	اکیس لاکھ روپے کی ادائیگی	۳۸۶	میر بجر خاں کی حج سے واپسی
۳۸۶	حیات خاں کی گرفتاری	۳۸۶	عبدالبنی کی تخت نشینی
۳۸۷	حیدر آباد پر فوج کشی	۳۸۷	میر بجر خاں کا قتل
۳۸۷	میر نصیر الدین کی خود سپردگی	۳۸۷	کلہوڑا خاندان کا خاتمہ
۳۸۸	امرائے سندھ کی گرفتاری	۳۸۸	میر فتح علی خاں کی امارت
۳۸۹	قلعہ حیدر آباد پر قبضہ	۳۸۹	مراد علی خاں کی تخت نشینی
۳۹۰	امرائے سندھ کے معائب و آلام	۳۸۹	معادہ مابین مراد علی خاں اور لارڈ ویلنگٹن

ضمیمہ ۸ — ۳۹۰

ضمیمہ ۹ — ۳۹۵

ضمیمہ ۱۰ — ۳۹۶

ضمیمہ ۱۱ — ۳۹۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ مترجم

زوالِ دولتِ سندھ کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا اور وہاں کی شاہی شان و شوکت کے بچشمِ خود دیکھنے والے اب تک زندہ موجود ہیں جن میں ایک ہمارے معزز اور محترم بزرگ قوم عالی جناب سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب ہیں جن کا تاریخی مذاق اور علمی دلچسپی ہمیشہ اُن کو اس پر آمادہ رکھتی تھی کہ سندھ کے عروج و زوال کے جو متضاد حالتیں بچشمِ خود دیکھی تھیں اُن کو تاریخی پیرایہ میں قلم بند کریں۔ لیکن اس خیال نے ابھی عملی صورت اختیار نہیں کی تھی کہ کتاب ”ڈیورز فرم یگ ایجٹ“ جو ایک ایسے انگریز پولیٹیکل افسر کی تصنیف ہے جو خود اُن معرکوں میں شریک تھا دستیاب ہو گئی اور جناب ممدوح نے بچے اُس کے ترجمہ پر مامور فرما کر اس کی اشاعت و طباعت کے اخراجات کا بار کمال عالی ہمتی سے اپنے ذمہ لیا۔

چونکہ سید اسد اللہ صاحب کو ریاستِ سندھ سے بھی ایسا ہی قوی تعلق تھا جیسا اب سرکارِ عالی سے ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اُن کے مختصر حالات بھی اس موقع پر مدح کر دیئے جائیں۔

سید اسد اللہ صاحب ابن سید محمد حسین شاہ عرف میر نواب ۵ ماہ رجب روز
بچہ شنبہ ۱۲۵۵ھ کو شہر حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً آپ کے جد امجد میر
عبد الہادی صاحب منصب بن سے سندھ تشریف لائے تھے۔ امیر وقت نے اُن کی قدر
افزائی فرما کر کراچی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اُن کے بعد آپ کے والد ماجد سید محمد حسین شاہ
صاحب بھی اُسی خدمت پر سرفراز ہوئے۔ دراپنی مفوضہ خدمات کو اس حسن لیاقت
کے ساتھ انجام دیا کہ بمبئی میں وکیل ریاست کی ممتاز اور معزز خدمت پر مامور کئے گئے۔
زوالِ دولت تک اسی عہدہ جلیلہ پر سرفراز رہے۔

زوالِ دولت سندھ کے بعد سید اسد اللہ صاحب میر نواب کو اُن کی والدہ ماجدہ
کے ساتھ بمبئی روانہ کر دیا۔ اس وقت میر نواب صاحب کی عمر سات سال کی تھی۔ چودہ
برسر کی عمر تک یہ بمبئی میں اپنے خالو ملا علی محمد خان کے زیر تعلیم رہے۔ ۱۲۶۹ھ میں مرزا
علی محمد خان جو نواب سراج الدولہ مرحوم وزیرِ دکن کے چچا زاد بھائی تھے، حیدرآباد دکن
میں آئے اور اپنے ہمراہ میر نواب کو بھی لیتے آئے۔ یہ زمانہ نواب سالار جنگ اول کے
عہدِ وزارت کا تھا۔ مرزا صاحب نے میر نواب کو نذر کے لئے پیش کیا۔ نواب صاحب
مرحوم کمال عنایت سے پیش آئے اور بہ نظرِ بدورشش سو روپیہ کا منصب اُن کے نام پر
جاری فرما دیا اور جب مجلس مال گزاری قائم ہوئی تو اُن کو آغا محمد صاحب میر مجلس کے
سپرد کر کے کار آموزی کا حکم فرمایا۔ چند روز کے بعد آغا محمد صاحب صدر تعلق دار مقرر
ہوئے اور میر نواب کو تحصیل داری پر بھیج دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حسن کارگزاری
کے صلہ میں ان کی ترقی نلگندہ کی سوم تعقد داری پر ہوئی۔ ۱۲۷۵ھ میں نواب سر
سار جنگ نے ان کو وہاں سے بلوا کر نواب بہت یار جنگ کی صاحبزادی کے ساتھ شادی
کر دی اور اطرافِ بلدہ کا منصرم اول تعقد دار مقرر فرمایا۔ تین چار سال کے بعد میدک کے
دوم تعلق دار ہو گئے۔ ۱۲۷۸ھ میں ہتیر کے اول تعلق دار مستقل مقرر ہوئے اور اُس وقت

سے برابر سترہ ایک اسی خدمت جلیلہ کو نہایت نیک نامی اور بہاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

آپ کی تصنیفات میں سے تاریخ بیدر مطلوبہ موجودہ ہے۔ یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے اور اُس میں محمد آباد کے آثار قدیمہ کے حالات نہایت تحقیق اور قابلیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اب آپ خانہ نشین اور سرکار عالی کے پنشن خوار ہیں۔ حج بیت اللہ اور زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہیں اور مغربی ہندوستان سے جالب مکہ معظمہ ہجرت کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔

بالآخر میں اپنے ناظرین سے اس بات کی معافی مانگتا ہوں کہ چونکہ جناب ممدوح کو اس کتاب کی اشاعت میں نہایت عجلت تھی اس وجہ سے اس کے ترجمہ کی نظر ثانی کی نوبت نہیں آئی اس لئے جہاں کہیں کوئی سقم یا غلطی نظر آئے اُس سے چشم پوشی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

(رض رک)

دیباچہ مصنف

اس یادداشت کی اول سطرے معلوم ہوگا کہ اس کی ابتدا تین سال قبل اُس وقت کی گئی تھی جب سندھ کے امیروں کے دھلا اس ملک میں وادرسی پانے کی جملہ کوششوں میں ناکام رہے۔ میں نے اس امر کے ثابت کرنے کی امید سے کہنا شروع کیا تھا کہ خیر پور کے بد نصیب امیروں کے ساتھ اوائل ہی سے ہم لوگ ناقابل برداشت سختی سے پیش آئے اور اس لئے چونکہ ہم لوگوں کی جانب سے پہلے زیادتی شروع ہوئی ہم کو اس قدر انہیں ایذا دینی مناسب نہ تھی جیسی کہ ہم نے دی اگر ان کی عداوت پہلے سے نمایاں بھی ہوئی ہوتی اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ثابت کی جاتی جیسی کہ سرکاری کتاب میں ہوئی ہے۔ میں نے اس خیال سے قلم ہاتھ سے رکھ دیا کہ اس امر کو اچھی طرح میں نہ انجام دے سکوں گا مگر اب کہ یہ خبر معلوم ہو چکی ہے کہ وہ شخص جو ہمارا کسی زمانے میں قوی دوست اور مددگار تھا یعنی میر صوبہ دار خاں احمد اُس کی ماں اور اُس کے بڑے بیٹے نے کسی قدر دلی صدمہ سے اور کچھ ہنگامہ کی ناموافقیت اب دہوا سے قضا کی تو اب یہ مناسب موقع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار اور بقیہ قید چل کی جانب سے انگلستان کے عوام الناس سے استدعا کی جائے۔ اس لئے میں نے اپنی ضیف شمع اُس وسیع روشنی میں شامل کرنے کی ہمت کی ہے جو پہلے سے اس معاملہ پر نور گرم مہم سلون پیے لوگوں نے پھیلا رکھی ہے۔ اگر میں اس بات میں کامیاب ہوں کہ جو لوگ امیران معزول کے پہلے حامی تھے وہ ان کے معاملہ کی جانب پھر رجوع ہوں تو میرا مطلب حاصل ہو جائے گا۔

باب

آغاز سفر

سلسلہ بانا سے دریائے سندھ کا علاقہ | یہ زمانہ مسند کا تھا جب کہ میں نے وہ سفر شروع کیا جس کے ذریعہ سے مجھے سندھ کے کثیف گمراہی صیاد کا نظارہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اس سفر میں میری طبیعت اس قدر منخض تھی کہ میں ہر وقت کسی ہم سفر کے لئے کا آرزو مند ہوتا تھا۔ اس نے میں اپنی کتاب کے پڑھنے والوں ہی سے اس کی خواہش کرتا ہوں کہ وہ تھوڑی دیر میرے ساتھ چلیں اور تھوڑی دیر کے لئے نقشہ پر نظر دوڑائیں۔ ویسا سے سلسلہ بآہ تک رگستان ہی رگستان نظر آئے گا مگر کہیں کہیں کچھ بھلوں کے جھنڈ اور ازند کی جھاڑیاں اور سبزہ بھی دکھائی دے گا، گمراہی ہی کم۔ سلسلہ بانا سے دریائے سندھ تک کوئی ندی یا جھیل نہیں ہے البتہ جا بجا گندے پانی کے کنویں مسافروں کی پیاس بجھانے کے لئے مل جاتے ہیں اور آسٹریلیا کے بعض مقامات کی جانب یاد دلا دیتے ہیں۔ یہ زمین خراب ہے اور یہاں کے باشندے اُس سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ملکی لڑائیاں اور محلے جو اکثر اقوام کی حالت میں تغیر و تبدل پیدا کر دینے والی چیزیں ہیں وہ یہاں بہت کم واقع ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سے یہاں پھر کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔

ویسا کا علاقہ | مجھے سخت حیرت تھی۔ گو نمٹ نے ویسا جیسے ویران مقام کو کیوں ہمدی پیدل چھٹوں کا

کیمپ مقرر کیا ہے۔ اگر باگر پر کار کے ڈاکوؤں کا استیصال مدنظر ہے تو اُس کے لئے رسالوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ پیدل سپاہی اس ریگستان میں کہاں تک ان کے پیچھے دوڑے دوڑے پھریں گے۔ تاہم یہاں دو پیدل جنیش متعین ہیں۔ ایک گوروں کی گری سے تباہ حال اور ڈاکوؤں کے تعاقب میں سرگرمیاں جن سے ہر شب یہ کھٹکار ہوتا تھا کہ آج ضرور ڈاکہ ماریں گے۔ اور دوسری دیسیوں کی۔ دیتا ایک نہایت گرم و خشک اور کم آباد مقام ہے جو عرض ۵۵ اور ۳۳ دقیقہ پر دائرہ اس الجھدی سے باہر واقع ہے۔ ہمارا شفیق دوست سال تیزی کے ساتھ اس دیرانے میں آ رہا ہے اُس کو اس کی ضرورت ہوئی ہے کہ سر کو دھوپ کی تیزی سے محفوظ رکھنے کے لئے ٹوپی پر ٹمبل کی پٹری کو تہ درتہ پٹے۔ اور صرف سر ہی کی یہ حالت نہیں ہے پاؤں کی بھی بُری کیفیت ہے جو جلتی ہوئی ریت میں چھ چھاپنچ دھسنے جاتے ہیں جس کی حالت سے خون تیزی نہیں بلکہ گھبراہٹ کے ساتھ رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

افسوس ہے اُن آنکھوں کی حالت ہر جوا انگلستان کے سبز دراصل کے لطف اٹھانے کی عادی ہیں مگر اس پر بھی شکار کے شائقوں کے لئے یہ جگہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مہینہ نیزے اور توڑے دار بندوقیں یہاں کسی وقت بے کار نہیں رہتیں۔ شکار کے لئے زیادہ جستجو کی حاجت نہیں بلکہ انا ماشا اللہ اگر تم شکار نہ کھیلو تو خود شکار ہو جاؤ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے شیر نر کے پاؤں کے نشان ہسپتال کے در دیکھے ہیں کیمپ سے چند ہی میل کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جہاں وہ ہندوستانی شکاری رہتا ہے جس نے جوش جرأت کو ظاہر کرنے کے شوق میں رگوں کا دل اندر سے نرچا ہوتا ہو اپنا سر و خوار شیر نر کے منہ میں دے دیا تھا اور قریب تھا کہ وہ چکی ٹولی کی طرح اسے چبا ڈالے مگر اتنے میں دوسرے شکاری کی گولی شیر کا منہ بند ہونے سے پہلے ہی اس کے حلق کے اندر جا گئی، اُس کو ملک الموت کے ہنچے سے چھڑا دیا۔ میں ایسے واقعات کی نسبت اپنے ذاتی تجربے سے کچھ نہیں بیان کر سکتا کیونکہ مجھے چند ہی روز دیتا میں آ کر گزرے تھے کہ بقول میرے دوست صوبیدار غلام علی کے مجھے سیاہ پوشی کا اعزاز بخشا گیا۔ اور میں مذہ سے کالے دنگے دلا کر دیا گیا جس خدمت کے اُس زمانے میں لوگ آندہ مند رہتے تھے اور پولیٹیکل انسروں کی جام بربادی کی بھی اُس وقت تحریک نہیں ہوئی تھی۔

کوہ آلو کا سفر | اپنے مستقر پر جانے سے پہلے میں نے کوہ آلو کے سفر کا ارادہ کیا کیونکہ میری طبیعت نے کسی طرح اس امر کو قبول نہ کیا کہ جن محاثات کا دیکھنا فی الحال آسانی سے ممکن ہے۔ بغیر ان کو ایک نظر دیکھے ہوئے چلا جاؤں۔ اس کے علاوہ مجھے روانگی کی بھی جلدی تھی معلوم نہیں کہ کونسی بات ہے جو سفر کو باوجود راہ کی سختیوں اور تکلیفوں کے خوش گوار بناتی ہے میں خیال کرتا ہوں کہ سفر کی حالت میں ہر شخص خستگی اور ماندگی سے بے چین اور بے آرام رہتا ہے لیکن ختم سفر پر اس کا خیال پھر اسی راستہ پر پلٹتا ہے تمام دلچسپیاں نظر آنے لگتی ہیں اور تمام کسل ماہ اور سفر کی زحمتیں مطلق بھول جاتی ہیں۔ یہی حال میرا تھا کہ باوجود آلو کے سفر میں بہت زیادہ مصیبت اٹھانی پڑی تھی مگر پھر میرا شوق اسی طرف کھینچ رہا تھا۔

آلو کوہ کی ایک شاخ ہے جو اس سے جدا ہو گئی ہے اور جوڑا ہوتا نہ کے اردن مرتفع کو، نبل وادو کے میدان سے الگ کرتا ہے اور دیکھا کہ جنوب مشرقی جانب چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کوہ آلو قرب و جوار کی چٹانوں سے اس طرح بلند ہے جیسے کوئی بے قد کا افسر اپنی صف کے آگے ہو۔ مجھے یہاں تک پہنچنے میں زیادہ مدت نہیں صرف ہوئی۔ کیونکہ ہندوستان میں میل کا راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے۔ اگر تمھارے پاس ذاتی گھوڑے نہیں ہیں تو اپنے دوستوں سے مستورے سکتے ہو۔ اور اس میں کچھ مضائقہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی وقت تمھاری بھی باری آئے گی۔ اور یہ داد و ستد اس قدر کم ہے کہ بعض چالاک لوگ محض اس ضرورت کے لئے نہایت خراب زین دے اور بے کی اور بہت سی خراب ٹو پال رکھتے ہیں۔ کیا تمھارا صاحب اس گدھے پر سوار ہوتا ہے؟ میں نے ایک ساتیس سے پوچھا جب کہ وہ مجھے ایک ایسے چھوٹے سے ٹو پو سوار کو کرے چلا جو کچھ پوٹن ٹیک کر فریادی کئے اور عورت ساتیس کے پیچھے پیچھا چلتا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں صاحب: میرا صاحب اس پر نہیں سوار ہوتا بلکہ اُس نے اس کو مسافروں کو مستور دینے کے لئے پال رکھا ہے۔ دیکھا کہ کیمپ سے تین میل کے قریب میں بناس ندی سے پار اُترا جو بوجہ وسط ماریت ہونے کے تقریباً خشک ہو گئی تھی۔

بھیلوں کا گاؤں اندورہ | اُس کے کناروں کا جنگل درندوں سے بھر ہوا ہے اور زیادہ حیرت کی

ڈانسنے والی یہ بات ہے کہ شیر اور ببر ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ صحرا کے بادشاہ ایک مقام پر کم ہوتے ہیں اور گویا اُن کا عمل اس قدیم قول پر ہے کہ سلطنت کو باہم تقسیم کر لو، دامن کوہ کا بقیہ راستے ایک ریتیلے میدان سے ہو کر گزرا ہے جس میں کہیں کہیں سندھ اور بھیل کی جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کوہ آلو کے نیچے چار میل کے فاصلہ پر بھیلوں کا ایک گاؤں ہے جس کو اندورہ کہتے ہیں۔ یہاں مسافر قیام کرتے ہیں اور اُن کو دودھ دینے والا دیتا ہے۔ اگر وہ اُس سے اعراض کریں تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ کیونکہ آلو کی چوٹی تک پہنچنا جس کو دلیا کی چوٹی کہتے ہیں آسان کام نہیں اور میرے خیال میں جو اس چوٹی تک پہنچ جائے وہ بے شک دیہات سے یہ چار ہزار فٹ کی بلندی پر ہے اگر اس قدر میدانی فاصلہ ہو تو اُس کی اور اس کی ممانعت میں حیرت انگیز فرق ہوگا۔

میں اپنی سادہ لوحی سے اندورہ سے پیدل روانہ ہوا اور جہاں تک میرے پاؤں نے یاوری کی سوار ہوئے کا خیال بھی نہ کیا۔ ایک رہبر جس کو میں دلیا سے لایا تھا اور ایک گاؤں کا بھیل میرے ساتھ تھا اُس نے اپنے دوست کا دل بھیلنے کے لئے ایک راہ کی کہانی شروع کی جس نے ایک غریب پنڈری ہاشدے کی خوبصورت لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ راستہ بلند فٹوں کے نیچے نیچے ہو کر گزرا ہے۔ جہاں بہت سے گجراتی بیلوں کے گٹے چر رہے تھے اور یہ وحشت میں کسی طرح سائبر سے کم نہیں تھے جن کے ڈکانے کی آوازیں تھوڑی دور پر ہم کو سنائی دے رہی تھیں۔ جب ہم قریب پہنچے تو وہ ہماری آہستہ آہستہ سب کے سب ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس طوف پر گویا اُن کا ارادہ ختم کرنے کا تھا۔ اور اس کا تعجب بھی نہیں کیونکہ یہ جگہ شیروں کا مسکن ہے۔

آخر کار ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اور اگرچہ میں اب تک بہت سے دشوار گزار کوہ آلو پر چڑھ چالی تھا۔ مقامات پر چڑھ چکا تھا۔ لیکن ایسا کوئی مقام میرے خیال میں نہیں ہے۔ اس مقام پر کوئی چکر یا رنی ڈھال نہیں ہے جس سے تم اپنے دل کو اس خیال سے بھلا سکو کہ اب کے پھیر میں راستہ طے ہو جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پاؤں کو مسلسل ہنڈولنے کی طرح گردش رہا ہے اور ہر قدم پر اتنا پیرا تھا تا پڑتا ہے کہ گھٹنہ تھوڑی سے لٹنے کے قریب رہ جاتا ہے۔ میں اب پورے طور

سے تھک گیا اور ایک پٹان کے نیچے پڑ کر بہت جلد بے خبر ہو گیا۔ اس عرصہ میں جیسا کہ میرا گمان ہے گاؤں والے بھیلوں نے یہ خیال کر لیا کہ اُن کی خدمت کی ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ جب چونا تو میں نے اپنے گرد دیکھا کہ اُن کی ایک ٹکڑی بانس کی ایک ڈولی سے ہونے موجود ہے تاکہ مجھے اُس میں بٹھا کر اپنے کاغذوں پر لکھ کر اوپر لے جائیں۔ تاہم جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں پیدل چوٹی کے قریب تک گیا مگر بالکل تھک جانے کے بعد ان خوش خلق دیہاتوں کی درخواست قبول کرنے اور ڈولی میں سوار ہونے پر مجبور ہوا۔ اگر کوئی شخص جی بھر کے ہنسنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ تنگ پتلون پہن کر نہار منہ آگے پر چڑھنے کی کوشش کرے۔

کوہ آلو کا دل کش منظر | الغرض جب میں چوٹی پر پہنچ گیا تو یہ معلوم ہوا کہ ساری محنت کا صلہ مل گیا۔ چنانچہ اب بھی وہ خوبصورت منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ دور تک پھیل میدان اطراف و جوانب میں مختلف قسم کے درختوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے نیلے، عجیب و غریب وضع کی دیولین اور اُن کی تصویریں اور عورتیں اول کو فرحت بخشنے والا تالاب جس میں ہندوؤں کے افسانوں کے مطابق اوتاروں کی روپیں منڈلاری ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو محض دیکھی جاسکتی ہیں مگر بیان نہیں ہو سکتیں۔ میں یہاں دیر تک دھوپ میں جو محنت نہ تھی بیٹھا ہوا سوچتا رہا اور اُن بہادر اور شہزادوں کو یاد کر کے دوسرے کو جی چاہتا تھا جو یہاں اپنے نام چھوڑ کر اس خیال کو اپنے ہمارے گئے تھے کہ اُن کی بہادریوں کے افسانے ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ مگر اُن کا پڑھنے والا بھی سوائے ایک اجنبی مسافر کے کوئی نہیں ہے۔ یہ لوگ اُس وقت کے قدیم مشہور خاندان کے راجپوت تھے۔ جب مسلمانوں کا نام بھی نہیں معلوم تھا۔

قدیم ہندو تیرتھ | فیر ایک نام ایسا بھی ہے جو راجپوت اور مسلمان دونوں سے بہتر ہے اور ایسا ہی اس قوم کا نام بھی کسی وقت میں ہو جائے گا۔ اس کی ہم کو نہایت عاجزی سے نصیب رکھنا چاہئے اور اس پر یقین کرنا چاہئے۔ آج قدیم سے ہندوؤں کی زیارت گاہ رہا ہے اُس کے قدیم مناظر اور ان کی خوش نمائی قدیم الایام سے اس کی ساعی رہتی ہیں کہ ایک ایسا مذہب جو پہاڑوں اور ندیوں پر

قربانی چڑھانے پر خوش ہوتا ہے۔ اور فطرت کے عجائبات سے اُس خدا کے وجود کا ثبوت دھونڈتا ہے جس کی ہستی کی شہادت اس دنیا میں کسی فیسی آواز سے نہیں مل سکتی۔ اُس کو اپنی زیارت گاہ بنائے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے اوتار رشیوں اور مہیوں نے اس کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی سب سے اونچی چوٹی گرو سکر یعنی دی کی چوٹی کہلاتی ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے اور یہیں اندر دھماکا ہوا اور شعلے چھڑکے
راچپوت قوم کی جائے پیدائش کی جنگجو قوم کو دوبارہ پیدا کیا۔ جن کو ہرش رام نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا تھا۔ جو دیولیس فی الحال آبو کی رونق کا باعث بنیں وہ سب نئی ہیئت گذشتہ چند صدیوں کے عرصہ میں زیادہ تر قوم جین کے ہاتھ سے تعمیر ہوئی ہیں۔ اکثر اُن سے سفید رنگ مرمر کی ہیں جن پر کثرت کے ساتھ تصویریں اور چتر کاری کی ہوئی ہے۔ ان کا کام اس قدر خوش نما اور باریک ہے جس سے احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید ہی ہندوستان میں کوئی دوسری دیول ان کے مقابلہ کی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اب یہ ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سوائے وحشی بھیلوں اور غارتہ بدوئیں جوگیوں کے کسی کا گذر نہیں اور وہ بھی بدقت وہاں تک پہنچتے ہیں۔

راچپوتوں کی بستی چندراوتی | چودھویں صدی میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ جس کو چندراوتی کہتے تھے۔ یہ کوہ ابو سے مشرق کی جانب چھوٹے میل کے فاصلہ پر پادہ راچپوتوں کی بستی تھی جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اُن زمانے میں اس مقدس پہاڑ تک پہنچنا ایسا دشوار نہ ہوگا اور لوگ وہاں آتے جاتے ہوں گے۔ وہ تالاب جو نکھی تالاب کہلاتا ہے کیونکہ کسی جوگی نے اُس کو ناخن سے کھودا تھا اس سطح سمندر سے تقریباً ۳۸۰۰ فٹ بلند ہے۔ یہ تالاب ایک میل لمبا اور پانچ میل چوڑا اور کہیں کہیں کئی سدم گہرا ہے۔ قریب قریب اس سطح پر یہاں سے نصف میل کے فاصلہ پر جینیوں کی دیولیں مغرب کی جانب ہیں۔ اور سمت شمال میں گرو سکر کی عموڑی چوٹی چھ ہزار فٹ تک بلند ہوتی چلی گئی ہے۔

چندراوتی کی آب و ہوا | جو خلاصہ فیض نبر میں دیا گیا ہے اُس سے اُس وقت کی آب و ہوا کا اندازہ معلوم

ہوگا جب کہ اطراف دیسا کے میدان کی حالت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس خوبصورت مقام کو پیش نظر پا کر مجھے تعجب ہوا کہ ہماری یورپین پلیٹیں گرمیوں کے ایام میں ڈیسا میں تکلیف اٹھائیں تو تھوڑے خرچ سے ان کے لئے آرام کی جگہ اس پہاڑی بہشت میں مہیا ہو سکتی ہے۔ اگر قدیم رومیوں کی فوج یہاں ہوتی تو اس نے کس قدر جلد ان پہاڑیوں کو آمدورفت کے قابل بنادیا ہوتا۔ اگر تھوڑی سی وہ قابلیت اور مستعدی جو فرانس والے الجزائر کے راستوں میں ظاہر کرتے ہیں یہاں ظاہر کی جائے تو ہمارے آدمی بہت جلد اس آبِ دہرائیں رہ سکتے ہیں جو ان کے وطن سے کچھ ہی کم ہے۔ سردی میں بعد وہیں بچے رہتے اور قواعد کرتے اور مارچ میں ایک چھٹی سڑک سے جو خود بنائی ہو پہاڑ پر چلے جاتے اور اس سڑک کو بطور ایک قیمتی ورثہ کے اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

پٹن کو روانگی | اس تھوڑے سے وقت میں جو مجھے اس میر کے لئے مل سکا مجھ سے جس قدر مقامات دیکھے جاسکے دیکھے اور اس کے بعد پھر چلتے ہوئے میدان کی جانب اترنا شروع

کیا۔ ڈیسا میں پہنچ کر ایک دن اگلے سفر کی تیاری میں صرف ہوا اور مارچ کو پھر میں وہاں سے چل دیا اور اس شب کو مقام پٹن میں ہوا تھا کہ میل کا پڑاؤ ہے جا کر ٹھہرا۔ میری راہ ایسے علاقے سے ہو کر جاتی تھی جس میں وہ قابل نفرت چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں۔ جنہیں مسافر بنگلہ کہتے ہیں۔ یہ بالعموم ایسے مقامات پر بنائے جاتے ہیں جہاں قرب و حوا کی تمام خاک اور کھیاں جمع ہوتی ہیں اور ان کی عریض سفید دیواریں اور ظاہری دیرین صورت سے ایک سخت ہنسا اثر بمقابلہ ان خوش نما اور نقش و نگار سے مزین مندر۔ کہ ہوتا ہے جو اپنے کو اپنے بد صورت یورپین ہمسایہ سے گھنے پتوں کی آڑ میں چھپائے رہتے ہیں۔ میں پٹن میں ایک مکان میں ٹھہرا جو بڑے بڑے برگد کے درختوں کے نیچے تھا جس میں ہزاروں بند تھے اور جن کے تماشوں سے مجھے برابر لطف حاصل ہوتا رہا۔ اپنا موقع دیکھ کر جس وقت پاس کے کھیتوں کی حفاظت کرنے والے لوگ نہ تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے ان کے اندر کھائی کھود کر داخل ہوئے اور ایک بند کو پہرہ دینے کے لئے باہر چھوڑ دیا۔ وہاں جا کر سب نے جلدی جلدی تمام اناج کی پوٹلی باندھی کہ اتنے میں لوگوں کی آمد کی خبر انھیں دی گئی مگر قبل اس کے کہ وہ کھیت تک پہنچیں بند میرے سر پر تھے اور اپنی ٹوٹ کو تقسیم کر رہے تھے۔

مقام ہیں سے میں دودان کو جو کاٹھیاواڑ میں ہے گیا۔ اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔
کاٹھیاواڑ کا قحط | کوئی امر دلچسپ یا قابل بیان دیکھا۔ یہ ایک سو پچاس میل کا فاصلہ تھا۔ ہیں سے
 دوسری منزل پر مجھے بہت سے جاتری لے جو دامادی کا لگوواڑ کے ایک تعمیر کردہ مندر میں اکٹھے تھے جس میں کوئی
 مورت نہ تھی۔ مگر وہ دیوی جی کا مندر ہے اور یہ جماعت اس لئے آئی تھی کہ اپنی دعا سے چمپک کے زور کو دفع
 کرے۔ ہر جنوں نے مجھے مندر کے قریب ایک چشمہ سبز پانی کا دکھایا اور کہا کہ سال میں دوبارہ دیوی کی آمد
 ہر وہ سرخ ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معدنی چشمہ ہے اور پانی کسی قدر گرم ہے جیسا جیسا میں کاٹھیاواڑ
 کے قریب پہنچتا گیا زمین اور بھی زیادہ بخر نظر آتی گئی اور ہر موقع کے آس پاس میں نے بڑیاں ہر افراط پائیں اہل
 یہ ہے کہ خشک سالی اس قدر سخت ہوئی تھی کہ دلوں کے جملہ مویشی یا تو مر گئے تھے یا انہیں ہانک کر سردی کے
 پارہ کر دیا تھا قحط نہایت زوروں پر تھا۔ والدین اپنے بچوں کو بیچ رہے تھے اور ہزاروں ایسے مر گئے جن کو نہ کسی نے
 جانا نہ خبر دی تھی

میں مگر نہ خفت و کس نہ انت کہ کیت

میں جاں بلب آمد کہ ہر کس نہ گریست

ایسے مصیبت کے موسم کاٹھیاواڑ اور پاس کے ملکات کچھ میں اکثر ہوا کرتے ہیں لیکن اگر گورنمنٹ اس
 طرف متوجہ ہو تو ان مصیبتوں کو روک سکتی ہے کیونکہ اس صوبہ سے چھ لاکھ اسی ہزار ایک سو پانچ سو پچ
 لاکھ لگان حاصل ہوتا ہے اور اس کا کوئی جزو بھی تعمیرات میں صرف نہیں کیا جاتا۔ اب بڑی ضرورت
 اس بات کی ہے کہ بڑی بڑی ندیوں کے بند باندھ دیئے جائیں تاکہ جب بارش خیف ہو تو پہلے وہ بہہ کر
 گھٹ نہ جائیں۔ مانا کہ اس قسم کے کاموں میں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں لیکن چند ہی سال میں اصل مع سود
 کے وصول بھی ہو جاتا ہے۔ ایک موقع پر ایسے بندوں کا مرتبہ فائدہ مجھے صاف صاف نظر آیا۔

جب میں مقام راج کوٹ میں ٹھہرا ہوا تھا اور خشک سالی نہایت زوروں پر
راج کوٹ میں گرائی | تھی یہاں تک کہ باقی صرف سوکھی کے اندر گڑے کھودنے سے نکلتا تھا کہ طوفانی
 میخ اور بجلی کے ساتھ آج جس نے چند ہی گھنٹوں کے اندر ندی کو جس میں اس روز لڑکے کھیل رہے تھے
 اس قدر بھر دیا اور پانی اس قدر زور و شور سے بہنے لگا کہ پار جانا مشکل ہو گیا۔ اگر اس پانی کے روک لینے

کی کوئی صورت ہوتی تو اس کا فائدہ حد سے زیادہ ہوتا مگر وہاں یہ بات نہ تھی یہاں جس قدر جلد بڑھا تھا گھٹ گیا اور لوگ اُسی پہلی مصیبت میں گرفتار رہے۔ اس مصیبت میں جو خشک سالی میں پڑا ہے اس قدر ادا فرمائش ہوتی ہے کہ اناج کے بیوپاری ارزانی کے ایام میں اناج خرید کر زمین کے اندر کھیتوں میں جمع کر رکھتے ہیں اور صہر کے ساتھ اپنا ذخیرہ لئے منتظر ملک و ما مانگتے رہتے ہیں کھرا بھوسم آئے جب وہ دن آتا ہے تو یہ لوگ اناج کی قیمت اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ غریب لوگ خرید نہیں سکتے اور لالچی بنیا اپنے اہل خانہ جس کی بربادی سے موتا ہوتا ہے۔ ایک ایسے کج منت سے ایک غریب خاندان کو تھوڑا غلہ اس قدر گراں دیا تھا کہ وہ لوگ اُس کے سخت مقروض ہو گئے اور اس کی قیمت کم کر دینے کی گفتگو اس خاندان کی ایک عورت کو بے عزت کرنے کی شرط پر کی۔ مگر باوجود وہ دینے اور تازک وقت کے اُن لوگوں نے اپنی بے آمدنی نہ چاہی اور میرے بچنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب مصالحت میں دعویٰ کیا تو وہ کسی بے ضابطگی کے دعوے خارج ہو گیا۔ اور اُس کی شکایت نہ چلی۔

راج کوٹ میں برطانوی پولیٹیکل ایجنسی | ۱۹۰۷ء مارچ کو میں راج کوٹ میں داخل ہوا۔ یہاں ایک چھوٹا سا کیمپ اور پولیٹیکل ایجنسی ہے جو چھوٹا سا لاکھ بندگان خدا کا انصاف کرتی ہے یہی فی الحقیقت سوشلزم بدل ہے۔ لیکن جو انصاف اُس سے نکلتا ہے وہ اس وسیع صوبہ کے سردوں تک پہنچنے پہنچنے کسی قدر آمیزش حاصل کر لیتا ہے۔ یہ تو یہ ہے کہ کاٹھیاواڑ میں جو محکمہ سول کا ہے وہ بہ لحاظ اعداد کے اپنے فرائض کے ادا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تین ہزار پانچ ہزار انتہا درجہ کی سرگرمی اور محنت ظاہر کریں۔ لیکن ایسے خیف پٹ سے کل ذخیرہ کا غیر درست نہیں ہو سکتا۔ نہ راج کوٹ شش کریں مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ لوگ کل صوبہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھائیں۔ کاٹھیاواڑ دو سو سے زیادہ ریاستوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک کا ایک وکیل پولیٹیکل ایجنٹ کے دربار میں رہتا ہے جو اسی قدر باتونی ادا بھی نگاہ میں دیا ہی معزز ہے جیسا کہ کسی اول درجہ کے یورپین سلطنت کا دلیا ہی عہدہ دار اور اسی قدر شرمیر بھی مان میں سے ہر ایک شخص اپنا فرض تصور کرتا ہے کہ ہر سال چند شکایتوں کو پیش کرے ورنہ اس کا عہدہ قائم نہ رہے گا اور بد قسمتی سے کاٹھیاواڑ میں ہمسایہ کی نسبت شکایت کرنے کی چند

وہیں مثلاً جرائم۔ اور بے ضابطگیاں افراط سے ہوتی بھی ہیں جس سے اس کا بازار سرد ہونے کا خوف نہیں ہو سکتا۔

گورنمنٹ بنگال کی ملازمت | چونکہ میں قحط کے زمانے میں پہنچا تھا۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ کام بند ہو۔ بلکہ جس قدر کم وجہ نزاع کی تھی۔ اُسی قدر زیادہ نزا میں بڑھ گئیں میں نے اپنے قیام کے دو مہینے کے اندر تین سو مقدمات کی تحقیقات کی اور میں اوسط درجہ دس گھنٹہ روزانہ کام کرتا رہا۔ جس شخص کو اسٹاف کے عہدوں کا شوق ہو وہ یہ نہ خیال کرے کہ مجھے محنت کے موافق تنخواہ ملتی تھی بلکہ اس کے عوض میں میرے اضافے گھٹا کر پلٹن کے علمبردار سے بھی کم کر دی گئی۔ کیونکہ میرا کمپنی کا الاؤنس جاتا رہا اور بجائے اس کے سول ملازمت کی بابت پندرہ سو روپیہ ماہوار ہتھ ملنے لگے۔ اس میں اس خرچ کو جوڑ لیجئے جو مجھے ایک دو روز کے سفر کا اپنی گھر سے دینا پڑا۔ پس میرے خیال میں اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ میرا کالا دگلا دو یا زیادہ صرف کا باعث ہوا۔

یہی وجہ تھی کہ جب میں نے ایک دن مارچ کے آخر میں بے پردائی سے جرنیسی احکام کو کھول کر پڑھا اور یہ دیکھا کہ میری خدمات گورنمنٹ بنگال کو تفویض ہوئی ہیں تو کوئی افسوس نہ ہوا گو کہ تعجب بہت ہوا۔

راج کوٹ سے روانگی | چلے اب ایفونی اور دختر کش راجپوتوں کے ملک کو ایں جانب کی بندگی عرض ہے اور محنت کے لیے گھنٹوں اور تھوڑی تنخواہ کو بھی سلام ہے۔ دیکھیں اب پردہ غیب سے بقول فارسیوں کے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

ہر جوں کو میں نے راج کوٹ چھوڑا اور جوڑیا پہنچا یہ ایک چھوٹا سا ہندو گاہ وانگر کے جام کلبے جو ایک راجپوت رئیس نے خواری اور بے باکانہ شہسواروں کے لئے مشہور تھا۔ اُس نے اکثر نیزہ بازی میں ہمارے بعض نہایت ہی مشہور مور کے شکاریوں سے بازیاں بہی تھیں۔ شب کی ابتدا طوفان کی آمد سے شروع ہوئی۔ آسمان کو جو موسمی ہوا کے بادلوں سے چھارہا تھا فاقہ کش رعایا نے اس سے زیادہ صبر کے ساتھ مبارک باد دی مینی کہ انگلتاؤں میں دھوپ نکلنے پر دی جاتی ہے تعلقہ کی دیواروں پر میں نے چند پڑائی جہازی تو ہیں انگریزی ساخت کی دیکھیں۔

بھوج کے راؤ سے ملاقات | دو دن کے اندر میں بھوج میں داخل ہوا جو انبار کے راستہ پر کچھ کا صدر مقام ہے۔ اس کی ظاہری حیثیت بہت پیاری تھی۔ لیکن مثل بہت سے ہندوستانی قصبوں کے یہاں بھی بہتر قسم کی عیلمدہ علیحدہ اور صاف بدلہ میں آتی تھیں بھوج میں مجھ سے اور راؤ سے ملاقات ہوتی جو اپنے ملک کے انتظام سے گورنمنٹ کو فوش رکھنے اور تمام پولیٹیکل افسروں کو جو ان کے دربار میں تعینات ہوتے ہیں سامنے رکھنے میں بڑی فیاضی ظاہر کرتے ہیں وہ انگریزی بخوبی بولتے ہیں اور میں نے اثنائے گفتگو میں معلوم کیا کہ انہیں ٹھیک حال اپنے ملک کے معمولات کا اور نیز کا ٹھیکہ مار کا بخوبی معلوم ہے۔ انہوں نے مجھے اپنا محل دکھایا جہاں ان کے چچا راؤ بھاٹ مل ہی جو اب ایک پہاڑی قلعہ میں قید ہیں کسی زمانے میں ظالمانہ افعال کیا کرتے تھے اور جو دنیا کو اب تک نہیں بھولے حالانکہ دنیا نے ان کو فراموش کر ڈالا۔

معزول راجاؤں کی زبوں حالی | انگریزوں کو نہایت تعجب ہو گا اگر ایک فہرست تمام معزول راجاؤں شہزادوں اور امیروں کی ترتیب دی جائے جو اس وقت ہمدی ہندوستانی سلطنت کے پہاڑی قلعہ میں مصیبت کی روٹی کھاتے ہیں۔ گو کہ بعض حالتوں میں وہ اس کے قابل بھی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ روٹی کڑی ہے۔ میرے نزدیک ایسے رجسٹر کار کھنا بہتر ہو گا اور یقین ہے کہ اس میں بعض نام ایسے نظر آئیں گے جن کی نسبت جس دہم کی خوفناک عبارت نہیں لکھی جاسکتی۔ ہیں یقین کرنا چاہیے کہ گو بعضوں کی تنخواہ زیادہ ہو اور ان کی حالت متی الوسع اچھی ہو۔ تاہم سب بالاتفاق اس سندھی امیر کے اس قول کو دہرائیں گے جس نے ان نوائے کے ذکر پر کہنے والے کو جواب دیا کہ "افسوس صاحب! اپنے ملک کے درخت کا سایہ بھی جلا وطنی کے محل سے بہتر ہے"۔

رن کچھ عبور کرنے کی ممانعت | بھوج میں مجھے ایک خط ہنری بائجنر کا ملا جو اس وقت کرنیل تھے جس میں انہوں نے مجھے رن عبور کر کے سندھ جانے سے منع کیا کیونکہ سمندر کا راستہ کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا تھا۔ ہو اکنارے ہی پر چل رہی تھی۔

اہل لکھپت کی بد حالی | چنانچہ ۱۹ کو میں بھوج سے روانہ ہوا اور ۲۲ کو لکھپت بندر میں پہنچا۔

اس سے دس کوس چل کر راستہ ویران نظر آتا ہے جس کے دونوں جانب کھلے ہوئے چٹانوں کے سوا
 نہ مبرہ ہے نہ پانی۔ خود لکھت ہے: "نصف ویران اور بقیہ ہوئی جگہ ہے۔ قلعہ بڑا ہے جسے وزیر محمد سابق وزیر
 کچھ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس حوالہ منداد لائق شخص کے مرنے پر حکم جلد خراب ہوتی گئی اور جس قدر
 آبادی اُس کی زندگی میں تھی اب اس کی تہائی بھی نہیں ہے۔ میرے قیام کے زمانہ میں بیسٹھ بڑے
 نوروں پر تھا اور گندے پانی کا جوا یک ہی چشمہ تھا اُس پر سات دن اس قدر لوگ جمع ہوتے تھے کہ
 پھر ہٹا دیا گیا تھا تاکہ آئے دے باری داری سے پانی لیں۔ وہ نہایت میل مدتوں میں ہو گئے تھے اُس
 سے کچھ دہاں کی تباہی کی کیفیت معلوم ہوئی۔ ایک نے پوچھا: کیوں بھگیا کیا خبر ہے؟ اس نے
 جواب دیا: وہی حال ہے جو پہلے تھا مصیبت اور پانی کی تکلیف۔ وہی دھوئی وہی ساری ہو گئی
 تھی سو اب بھی ہے؟

دن کے وقت ٹپش بہت زیادہ تھی مگر شب کو نہایت تندہ مستی ہوئی ہوا چلتی تھی جو غیر
 کے قریب شور کرتی ہوئی گویا اس نے لڑنے کو آتی تھی کہ اب تک کوئی ذی روح ایسا باقی ہے! جو اس
 غم ناک خط کی ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی انسان وہاں کیونکر
 رہ سکتا ہے جب کہ دنیا اُس کے سامنے پٹی ہے کہ جہاں چاہے چلا جائے۔ بقول شاعر: "ملک خدا
 تنگ نیست ہائے مولا گزیت۔"

۴۴۱ھ کی صبح کو میں سوار ہوا اور چوبیسے شام کو رن سندھ
 رن سندھ (رن کچھ) میں آمد

میں اترا۔ یہ مقام ایک شاعر کے اس قول کا مصداق ہے کہ
 ایک دلیل ہے جہاں تو سمندر ہے اور نہ خشک زمین۔ کیونکہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی کوئی شے
 بجز ایک بے حد وسیع میدان کے نظر نہ آتی تھی جو اس قدر سطح سمندر کے برابر تھا کہ مجھے فوراً یہ معلوم
 ہو گیا جیسا کہ میں سنا کرتا تھا کہ دن کچھ کے دنوں میں وہ پانی سے معمور ہو جاتا ہے۔ بہت صبح ہے کہ

۴۴۲ھ کے انتخاب سے جو میں نے سرزہری بانجھ کے خط سے کیا ہے جو انھوں نے لکھا کہ اس بارہ میں درجن
 ۴۴۳ھ کو کھانا تھا ظاہر ہو گا کہ دن کو اس موسم میں جو کر کے میں جو مصائب پیش آتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۳)

بقول ایک شاعر کے اس قسم کا دلدل تھا جہاں نوح کی نوح غائب ہو گئی۔ چنانچہ میں اس امر سے واقف تھا کہ چند روز قبل سات شخص جنہوں نے رن کے چور کرنے کی کوشش کی تھی ہلاک ہو گئے تھے۔ میں اپنی کشتی کو کنارے سے حسرت کے ساتھ بڑھتا ہوا دیکھنے لگا۔ میرے ساتھ چار سولہ اونٹ اور معمولی تعداد ملازمین کی تھی۔ پہلے دو میل میں در وقت پیش آئی کیونکہ کچھ اس قدر تھی کہ اونٹوں کو اُس کے اندر سے لے جانے میں بڑی وقت ہوئی۔ اتنے میں آفتاب غروب ہو گیا اور آخر کار ہم لوگ سخت ریت پر پہنچے۔ چاندنی اس وقت چمک رہی تھی اور اُس کی روشنی سے ہم لوگوں کو سمندر اپنے بائیں جانب عرشِ زن نظر آیا اور سامنے وہی ایک دریاں اور لمبا کف دست میدان تھا جسے چند ہی گھنٹے کی بارش لہریں اور ہم لوگوں کو جلد تو آب کر سکتی تھی۔

یہاں پہلے پہل مجھے قدرت نے اپنی نظر بندی دکھائی یعنی سراب دیکھا۔ ہر جہہ کہ میں اس دھوکے کی حقیقت سے واقف تھا مگر جب خود دیکھا تو دھوکے میں آ گیا۔ رات ہی میں لے تصور کیا کہ وہ مائے موضع لادہ ہے کیونکہ دور سے کچھ مکانات اور ایک چھوٹا سا جنگل ان کے گرد نظر آیا۔ لیکن جب قریب پہنچے تو گاؤں کے عوض میں لائنوں کی بوسیدہ بڑیاں نظر آئیں۔

رن کچھ کا دشوار گزار راستہ | جب آخر کار ہم لوگ لادہ میں پہنچے تو کئی انسان کا ممکن وہاں

(بقیہ ماہِ سنہ ۱۳۷۷) ان میں میں نے مبالغہ نہیں کیا ہے۔ میری طرے میں کھبت بندر کے اس جانب جانے کا سفر طے موسم میں خطرناک عزم ہو گا۔ میں نے سنا ہے کہ رن میں سیلاب آ جاتا ہے اور یاکی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور نہریں لہا لب بھر جاتی ہیں۔ پس مجھے شک ہے کہ بوٹ چل سکیں گے یا نہیں۔ دورانے ہیں۔ ایک سو دو جہے سے ہم لوگ گذشتہ تمبر میں گئے تھے اور وراثتہ کی جانب سے ہے تو وہاں ڈھنگاں ہیں۔ لیکن میں دوسرے کو پہنچ کر تا ہوا میں سے لوگوں کی آمد رفت بہت رنجا ہے اسکا کہ گھٹاں پر کشتیاں ہیں گی۔ مگر کچھ راستہ پر نہ میرا آئے گی۔ پہلی منزل بشمول لادہ کے پچاس میل کی ہے اور ایک کی بارے ہوتی چاہیے۔ ہمارے لئے دو شخص امیر کے اور تین یا چار سوار بھیج دیئے جائیں گے۔ سبھی بغیر اس قسم کے لوگوں کے سفر کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہاں لوگ رسد و رسد کشتیاں وغیرہ مہیا کرتے ہیں۔

نہ تھا بلکہ چند منڈ منڈ درخت اور کچھ ٹیلے کینٹلہ درختوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ اٹھارہ میل پر کوئٹہ سے تھا جہاں ہم لوگ اترے تھے اور جب ہم لوگ سیرگندہ میں پہنچے جو ایک ذلیل سندھی موضع پیاری ندی پر واقع ہے تو قبل ہی سے آفتاب بلند ہو چکا تھا۔ اور طیش زیادہ ہو رہی تھی۔۔۔ کوئٹہ اور گندہ کے درمیان پونتیس میل کا فاصلہ ہے، پانی دستیاب نہیں ہوتا سوائے تھوڑے سے کھامے پانی کے جو لہہ میں ملتا ہے اور گندہ میں بھی سواروں کے لئے پانی مہیا کرنا اگر نامکن نہ ہوگا تو وقت طلب ضرور ہوگا۔ اس لئے سندھ فوج کے جن میں کچھ کے راستے سے دشوار گزار تصور ہو سکتا ہے اور تھوڑی سی جماعت کے لئے بھی یہ راستہ خطرناک اور وقت آمیز ہے۔ میرے گھوڑے کے دوسرے دن سیلاب سندھ غیر معمولی زیادتی پر تھا اس پر نہ سخت بارش بھی اسی وقت ہوئی اس کے کل حصہ جس سے میں گدرا تھا لالہ تک تراب ہو گیا تھا۔ میں مقام سیرگندہ میں شام تک ٹھہرا۔ اس وقت میرے ساتھ کے سارباؤں نے جو سب سندھی تھے آگے چلنے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں اپنا سارا اسباب لے کر انہیں کو چھوڑ کر دو سواروں کو ساتھ لے کر ٹھہر دیا۔

لاوی کے سردار کی بے رحمی | غروب آفتاب کے قریب ہم لوگ اپنے پنہاؤ کو عبور کیا اور ایک چھوٹا سا کھانا لے کر اور جب سندھوں سے پوچھا کہ دوسرا موضع کتنی دور ہے تو انہوں نے چلکوس بھی آٹھ میل بتایا اگر چہ پوچھے تو وہ کالے کوس تھے اور جس قدر ہم لوگ جاتے تھے اتنی ہی فاصلہ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ کیونکہ رات بھر چل کر جب پھر صبح کو پوچھا کہ کتنی دور ہے تو جواب ملا کہ چھ کوس ہے۔ گرمی اس وقت سخت ہو رہی تھی اور ہم لوگوں نے کچھ کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ نہ کوئی مکان نظر آتا تھا اور جن سندھوں سے ملاقات بھی ہوئی انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ شب کے قریب ہم لوگ خوب تھک کر لاوی میں پہنچے جو اس راستے سے جس سے ہم آئے تھے سیرگندہ سے پچاس میل تھا۔ چونکہ اس خط میں پختہ بھی کوئی یودھین نظر نہ آیا تھا اس لئے کل گاؤں والے فریگیوں کے دیکھنے کو نکل آئے۔ جسے حضرت پختہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان پختہ گھنٹوں کا بھوکا پیاسا ہو اور اس کے گرد گھومنے والے لوگ اگر جمع ہو جائیں اور چھوٹے چھوٹے بچے ایک دوسرے

کو آواز دیں کہ آؤ کافر کو دیکھو۔ کچھ دیر کے بعد گاؤں کا سردار آیا اور چونکہ وہ فارسی بولتا تھا میں نے اُس کو راضی کرنا چاہا تاکہ کھانے کا سامان ہو۔ مگر اُس نے روکھا جواب دیا کہ کچھ نہیں مل سکتا جب میں نے دیکھا کہ مہری لسانی کا کچھ اثر نہ ہوا تو میں نے کہا کہ ہم لوگ اس امر کی شکایت امیروں سے کہیں گے۔ جس کے جواب میں اُس نے کہا کہ میں سپاہیوں گاؤں میرا ہے۔ میں اپنا مانگ آپ ہوں۔ امیر نہیں ہیں اور تم لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور ہم لوگوں کو کچھ میسر نہ آیا۔ بجز تھوٹے سے چاندیوں کے جو سوار اپنے ساتھ لائے تھے اور یہ تین آدمیوں کے لئے بہت کم غذا تھی۔

ٹھٹھہ کو روانگی | دوسرے دن ہم لوگ روانہ ہوئے اور بہادر پور سے گذرے جو تقریباً بارہ میل لادی سے ہے اور وہاں سے چورہ میل اسد پور گئے۔ یہاں ہم لوگ دریا کے قریب پہنچے اور کھارے کنارے چھ میل چل کر اس گھاٹ پر پہنچے جو ٹھٹھہ کے مقابل ہے۔ اس عرصہ میں میں تھکوت آفتاب بھوک سے بالکل کمزور ہو گیا۔ اور سندھ کو بھی دیکھ کر ایک قدیم دریا ہے اور جس کی بات میرے دل میں عجیب و غریب خیالات تھے اور وہ بھر بھی مجھ میں خوش پیدا نہ ہوا۔ بلکہ برعکس اس کے کہ مجھے اس کی جانب کچھ دلچسپی ہو میں خوف زدہ ہو کر بچتا رہا کہ قریب دو میل کے زور و شور کا چکر کھاتا ہوا پانی ساٹھے ہے اور عقب میں ایک کف دست جتا ہوا ریگستان کہیں کوئی کشتی یا جاندار متھے نظر نہ آتی تھی اور چونکہ ہم لوگ اس ملک سے ناواقف تھے اور گھوڑوں سمیت تھک رہے تھے ہماری حالت نہایت ہی نازک تھی۔ شاہو یہ امداد الہی ہوتی کہ اُن حکام نے جو دوسرے میں تھے ایک قاصد اس وقت دریا کے پار حیدر آباد کو روانہ کیا جس کی بدولت ایک کشتی لہوں پر اچھلتی ہوئی ہم تک آئی اور چند ہی منٹ کے اندر ہم پھر دہلی میں ٹھٹھہ ہونے ٹھٹھہ شہر کی جانب روانہ ہوئے۔

باب ۲

روٹری میں قیام

جب کوئی شخص کسی نئے ملک میں نیا وارد ہوتا ہے تو اُس کے کچھ خیالات بھی ہوا کرتے ہیں۔ اگر چارلس ڈکنز یہاں ہوتے تو ان کے کبا خیالات ہوتے تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کے لوگوں کے ہاتھوں میں چارلس ڈکنز کی ایک مہیہ تصنیف ہوتی جس میں اُن کے خیالات سندھ کے باشندوں میں نظر آتے انھوں نے قبل اس کے کہ کول کوڑھ منفریک باب بھی اس ملک کے جمادات یا معدوم پھلیوں کے بارے میں کلمہ سیکھ سکتے تین جلدیں ایسے مختلف امور کی دھر گھسیٹی ہوئیں جن میں پیش پا افتادہ نمایاں باتیں اور عجیب و غریب خیالات اس طور پر مخلوط ہوتے جیسے شیشے کے ٹکڑے کسی نکارخانے میں ہوں۔

میرا پہلا خیال یہ تھا کہ سندھیوں کی آواز میں چار شخصوں کی حماقت سندھیوں کا کرخت لہجہ ہے وہ ایسے کرخت لہجہ میں بولتے تھے کہ پہلے میں نے خیال کیا کہ انھیں کچھ رنج پہنچا مگر مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم ہو گیا کہ یہ ان کا خلقی لہجہ ہے اور ٹھٹھ سے گذر کر میری ملاقات چندہ پور کے ایک امیر سے ہوئی جس کی آواز کے مقابلہ میں اس کے ہم وطنوں کی آواز محض سرگوشی کا دہرہ رکھتی تھی۔ جہاں سب چٹانے والے تھے وہ سب کامروار تھا۔ میں نے اُس شخص سے وعدہ کرنے کی غرض سے سفر میں بہت کچھ پھیر کھا یا اور ایک مرتبہ جب میں بخار میں مبتلا تھا اُس نے بے جی سے مجھے آگھیرا اور میری مزاج پر سی اس در سے کی کہ بہت دیر کے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس آپ کہہ سکتے

ہیں کہ میرا پہلا خیال مسرت خیز نہ تھا اور نہ دوسرا ہی ہوا۔ جس طرح میرے کالوں کو کریمہ آوازوں سے صدمہ پہنچا تھا۔ اُسی طرح میری آنکھوں کو لگاتار بار یک ریت کے جھونکوں سے تکلیف ہوتی تھی جو ہماری کشتی کے ساتھ ساتھ دوسرے کنارے تک برابر اڑتی جاتی تھی اور جو بنی زمین پر قدم رکھتے تھے۔ اس جانب بھی ہماری منتظر رہتی تھی۔

یہ مصیبت آٹھ بجے صبح ہی سے شروع ہوتی اور شام تک رہتی تھی۔ **ریت اور پھروں کی بھرمار** | اس وقت ریت کا ٹوفن تھم جاتا ہے اور انسان کی ایذا رسانی کا کام پھروں اور ریت کی مکھیوں کے سپرد کرتا ہے جس کے ڈنک اس وقت تک بیکار رہتے ہیں جب تک وہ رہتا ہے۔

سندھ میں کے یہاں ایک عجیب روایت اس کے بارے میں مشہور ہے۔ ان کا قول ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام جن دلبرہ دیوانہ پر فرماں روا تھے تو پھروں نے اُن سے ہوا کی شکایت کی کہ وہ عداوت سے ان کے ساتھ پیش آتی ہے اور اُن کو اپنے جائز کام کے کرنے سے روکتی ہے۔ حضرت سلیمان نے ان کی شکایت پر غور سنی اور ان کا انصاف کو ناچا مگر اُن سے یہ کہا کہ ”تم لوگ جانتے ہو کہ انصاف اس کا متقاضی ہے کہ جانہیں کے بیانات نے جا میں ہیں مگر انہیں طلب ہوں۔ کہتے ہیں ہوا اندر داخل ہوتی اور بے چارے متنفیث ایک ہی لمحہ میں غائب ہو گئے۔“

ٹکٹھ کے مقابر | دریا کے کنارے سے ٹکٹھ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہاں سے وہ تین میل دور ہے کسی زمانے میں دیارے سندھ کا ہی قدیم شہر ہے۔ ماہوا تھا اور وہاں دہشت اور تجارت کو نفع پہنچاتا تھا مگر معلوم انگریزی گورنمنٹ کی طرح اُسے زیادہ محصول کا لیا جانا ناگوار لگتا یا محض بڑے تلوں اُس نے شہر کو افلاس غلامت اور غوارض کے پنجہ میں چھوڑ دیا ہے۔ میں نے اُسے اسی حالت میں پایا۔ ہر چہ کہ وہاں چمکتے ہوئے گنبدوں اور میناروں کی لمبی قطاریں اور ہماری پلٹوں کی بلند بارکیں ہیں جن سے دور سے آبادی اور آسائش کی شکل نظر آتی ہے۔ مجھے تھوڑے ہی عرصے میں احسب کر گیا یہ تمام عمارات مقبرے ہیں۔ ایک تودہ جو پورے اور اہل قبور سے آباد ہیں دوسرے نئے اور نوڑا معر فہ ہیں۔

لانے کے لئے تیار کئے ہیں۔

ٹھٹھہ کی عمارات | جب میں ہولائی کے شروع میں وہاں پہنچا تو سولہ سو جوانوں میں سے جن کی طبیعتیں انگلوں پر تھیں، تو مہر کے وسط تک پچاس بھی کام کے قابل نہ رہے۔ ٹھٹھہ کے سندھی باشندے پانچ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ ان میں کوئی شخص صاحبِ رتبہ یا ذی علم نہیں ہے ایک سندھی جس کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ فارسی بولتا ہے میرے روبرو پیش کیا گیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی لیاقت بجز لفظ بیا کے جسے وہ مختلف لہجے سے کہتا تھا۔ اور زیادہ نہیں ہے۔ مقبرے کی تہ قابلِ دید ہیں جو اینٹوں کے خوب بنے ہوئے ہیں اور سامنے رنگین سفالی نہایت ہی عمدہ قسم کے لگے ہیں۔ واقعی امر یہ ہے کہ یہاں زندہ لوگوں کے مکانات مردہ سے بدتر ہیں۔ مکانات مٹی کے ہیں اور چھت سطح ہے۔ یہاں ہر شخص چھت پر سوتا ہے جس کے باعث بعض اوقات عجیب تماشے فطر آتے ہیں۔ ایک دفعہ صبح کے وقت جب میں اپنی آنکھیں مل رہا تھا اور انہی کے دفتر کو دیکھ رہا تھا کہ ایک گوری عورت میری نگاہ کے سامنے ایک نیچے کی چھت پر آہستہ آہستہ گندی ہوئی۔ اس قسم کی عورتیں دیکھنے کا مادی نہ تھا۔ اس نے میں نے اپنے کو منطقی قاعدے سے اس امر کا یقین دلایا کہ وہ ایک سندھی عورت ہے جو اور کوئی پوشش بجز اپنی جلد کے نہیں رکھتی اور وہ جلد اگرچہ ایک سندھی عورت کی تھی مگر نہایت گوری تھی۔ جو نبی میں نے یہ نتیجہ نکالنا بکھ کھانسی آئی جس کا تاوازاں سندھی عورت کے کاؤں تک پہنچی اور وہ آواز فانا میری نگاہ سے پوشیدہ ہو گئی۔

وہاں کے مشاہیر میں سے ایک مجرم کو ایک آٹھ پلہ میں پھنسا دیکھا وہ سر تا پا لٹکا ہوا تھا اور چونکہ برسوں اس شکل سے مثل جنگلی جانوروں کے قید رہ چکا تھا۔ اس کا چراغ عقل عرصہ سے گل ہو گیا تھا اس کی خوفناک حالت تھی انسان بغیر عقل کے بہائم سے بدتر ہے۔ اس کی سرگزشت یوں ہے۔ یہ شخص قوم کا سید تھا۔ اس کا سبب کے لئے بھائی کو مار ڈالا اور امیروں نے اسے مجرم پا کر تاحیات قید کیا کیونکہ ان کا قول تھا کہ ہم آل رسول کو قتل نہیں کر سکتے تھے میں ٹھٹھہ میں چند ہی روز رہا اور جس قدر وہاں کے بے شمار مصائب سے آگاہ مل سکا حاصل کیا۔ اس کے سوائے رن لہجہ میں دھوپ میں چلنے کے

باعث ہے جو ایک سخت بخار آیا تھا اس سے بھی بفضلہ نجات پائی۔

شمالی سندھ کا سفر | ۱۱ جولائی کو جندہ پھر اس نامہراں مقام سے ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر ایک موٹا چھپرہ بوس کا تھا۔ اس کے اندر مجھے چھ ہفتہ تک رہنا پڑا کیونکہ شمالی سندھ تک پہنچنے میں اتنے ہی دن تک سفر دریائی رہا ایک دوسری اور بڑی کشتی میں میں نے اپنے گھوڑوں اور بہت سے نوکروں کو جو ٹھکانہ میں میرے آنے کے کچھ دن بعد پہنچے، سوا کیا۔ یہ وہ کشتی تھی جس پر میرا آتے برس اپنی پہلی عزیمت میں دریائے سندھ کے چڑھاؤ پر گئے تھے۔ مجھے بعد کو سخت افسوس ہوا کہ میں نے اسے اپنے لئے نہیں جوڑ لیا کیونکہ وہ میری کشتی سے ابھی چلتی تھی جس کا مجھے تھوڑے ہی عرصہ میں ثبوت ملا۔ جس وقت ہم لوگ روانہ ہوئے، ہوا تند چلتی تھی اور لہروں نے جس طرح بقول آریں کے سکندر کی کشتیوں کو اچھالا تھا اسی طرح میرے ساتھ بھی فدا رعایت نہ کی۔

چونکہ میری کشتی شمالی سندھ کی تھی پس وہ بہ لحاظ ان لہروں کے جو یہاں اٹھ رہی تھیں نہایت نیچی اور پانی کے برابر تھی۔ چنانچہ اس میں پانی بھرے لگا جس سے تندیل اور اس کے آدمی جو نہابی تھے سخت گھبراتے کیونکہ ان کو کسی اور شکل سے ٹد بنے کا خیال بھی نہ تھا۔ پتوار کے ملاح نے کشتی کو بہاؤ سے الگ پھیرا جس سے وہ فوراً ایک چرپر نہایت زور سے چڑھ گئی۔ اسی ساعت میں ہوا پال اور رسیاں اڑاے گئی اور چھپرہ بھی جا بجا سے ٹوٹ گیا۔ مستقل شکست ہو گیا اور ظن غالب تھا کہ کشتی ٹالت جاے۔ تندیل چرپر کو دھٹا جہاں جلد فٹ بھی پانی نہ تھا۔ اس ایک دوسرے آدمی کی مدد سے ایک بچہ لگاؤنے کی کوشش کی جس میں رستہ جدھا ہوا تھا۔ تاکہ کشتی کو لنگر کرے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتا تو اس سے ہم لوگوں کو کیا نفع پہنچ سکتا تھا کیونکہ ہم لوگ اس وقت دریائے منجہرہ میں تھے یعنی کنارے سے نصف میل پر۔ لیکن وہ ناکام رہا کیونکہ رستہ ٹوٹ گیا۔ اور ہم لوگ دوسری جانب کو بہہ گئے۔ ہمارے تندیل صاحب اور ان کا ہمراہی دونوں کمر تک پانی میں کھڑے منہ نکلتے تھے اور تفرقہ دتھے کہ اس زور کے بہاؤ میں کیونکر ٹھہر سکیں۔

میرے خیال میں وہ ایسا نہ کر سکتے اگر وہ میخ ہے انھوں نے نہ میں میں گاڑ دیا تھا
ٹھٹھ میں آئیں نہ ہوئی۔ میں وقت یہ سانے پیش آرہے تھے۔ میری دوسری کشتی لگا ہ سے غائب
 ہو گئی تھی اور اس کشتی کے لوگوں نے پانچوہاری تکلیف دیکھی ہی نہ تھی یا دیکھ کر کچھ خیال نہ کیا۔ چنانچہ
 ہم لوگوں کو اس مصیبت میں ملات کاٹنی پڑی۔ اور اس وقت کے خیال کے مطابق دو آدمی بھی غائب
 ہو گئے۔ مگر جب صبح ہم لوگ ٹھٹھ میں پہنچے تو وہ دونوں آکر شریک ہوئے۔ انھیں ایک دوسری کشتی نے
 گلاب بلا سے نکالت دوائی تھی۔

ہم لوگوں نے کشتی کی مرمت کی اور پھر روانہ ہوئے۔ ہماری بہت کچھ امداد مسٹر اسکاٹ نے کی
 جو انڈیا میں یوپی کے ٹکڑے کے تھے۔ اس عہدہ دار کو امریکہ میں دریاؤں کے سفر کرنے اور گردابوں سے بچنے کا
 تجربہ ہو چکا تھا اور انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ دریا کے سندھ بوقت سیلاب امریکہ کے دریاؤں
 سے بہتر ہے۔ ایسی بہت دلائے دئے فقرے کو سن کر اور بہ نسبت سابق کے کسی قدر زیادہ معتدل ہوا کے
 ساتھ ہم لوگ پھر روانہ ہوئے اور اپنی گزشتہ مصیبت کے مقام سے گزر کر ایسے ملک میں پہنچے جو گئے
 جنگلوں سے معمور ہے۔ یہاں سے جہد آباد کے امیروں کی شکار گاہ شروع ہوتی ہے جس سے دو فائدہ
 حاصل ہوتے ہیں ایک تو شکار محفوظ رہتا ہے دوسرے کل ملک کے لئے عمدہ لکڑی مہیا ہوتی ہے جو
 کشتیوں اور مکانات کے بنانے میں اور دوسرے مفید کاموں میں بھی آتی ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ جنگل دریا کے سفر کے لئے سدا بہہ ہے کہ کشتیاں بہاؤ پر خاص کر گن کے ذریعہ
 سے کھینچی جاتی ہیں اور ملاح جہاں باد مخالف ہوتی ہے وہ کتا سے چلنے کے قابل ہوتا ہے نیچے اتر کر
 گن کھینچتے ہیں۔ تعجب ہے کہ امیر اس حضرت کو نہیں دیکھتے۔ مگر کوئی تعجب نہیں۔ اگر انھوں نے دیکھا ہوا کہ
 اس کی منفعت یہ بھی ہو کہ اس کے باعث سے لالچی فرنگی جی کو کبھی سیر ہی نہیں ہوتی ہے ان کے
 ملک سے دور رہیں۔

ان شکار گاہوں کی نسبت ہماری کارروائی مضحکہ فیز ہے۔ ہم لوگ
سندھ کی شکار گاہیں اپنی لکھنیاں اور چھاؤنیاں ان کی لکڑی لے کر بناتے ہیں اور ایک جہ

نہیں دیتے بلکہ بہت سے اچھے درخت اپنے پاری دوستوں کو نذر کر دیتے اور ایک ٹکنا نہ دینے دیا۔ اس کے بعد کل جٹیل پر تھرا اس حیلہ سے کر لیا کہ وہ تھارت کو سخت مغرت رساں ہے اور مذاقاً کہہ دیا کہ وہ لوگ قابل حکومت نہیں ہیں جو اپنی تفریح طبع کا بہ نسبت اپنے دشمنوں کے آرام کے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اکو نیلا کا بیان ہے کہ۔ امیروں کے گاؤں کے گاؤں شکار گاہ کے پاس کے اس لئے دیران کرا دیئے کہ کوئل کی آواز سے شکار بھڑکتا تھا: مگر دوست اکو نیلا! آپ تو کبھی سندھ میں گئے سبک نہیں پھر آپ کیا جانیں کہ دریائے سندھ کے کنارے کے گاؤں تو صرف چند جھونپڑیاں پتوں کے چھپر کی ہوتی ہیں اور اگر میر کرم علی نے اپنے علاقے ایسی جھونپڑیاں ایک جانب سے دوسری جانب ہوا کا تو اس نے اس قدر سختی نہیں کی جو ایک آئرش یا انگریز زمیندار اپنی رہنمائی کے ساتھ کرتا ہے جس سے فاتحہ زدہ کاشتکار کھیت سے بے دخل ہو کر بھیک مانگنے لگتے ہیں مگر قبل از مرگ وادیا کرنا نہ چاہیے۔

۱۳ جولائی ۱۹۲۹ء کو شکار گاہ امیروں کی قبضہ میں تھی اسی کی سبب شاخوں کے بار کھ سے روانگی | قریب سے گذرتے وقت میری آنکھوں کو طراوت پہنچی۔ ہوا اس قدر تازہ تھی کہ ہم لوگ فوراً دھابے سے گئے اور جہاں ممکن ہوا اصل بہاد سے بیچ کر نکلے۔ آج ہم بار کھ میں پہنچے جو میرے نزدیک سندھ بھر میں فوج کی چھاؤنی کے لئے عمدہ جگہ ہے کیونکہ وہ ٹھہرا میدہ آباد کے ناف میں دہنی جگہ پر ہے جس کے پاس دریا ہے اور گرد و نواح میں سبزہ۔

۱۴ کو میں میدہ آباد میں پہنچ کر سات دن تک ٹھہرا۔ ۱۵ تک بارش ہوتی رہی جو سندھ میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس بارش سے کئی مکانات اور قلعہ کا ایک حصہ گر پڑا اور چونکہ یہ واقعہ اسی وقت ظہور پذیر ہوا جب کہ امیروں نے اپنے دستخط صلح نامہ کی تیرہ شرط پر کئے تھے ان لوگوں نے اسے شگون بہ تصور کیا۔ تھرا میٹر سر درجہ سے ۶، ۷ و ۸ پائے آ یا۔ مگر پھر اپنی جگہ پر چڑھ گیا اندر پیچ میں جو خنکی ہوئی تھی اس کے عوض میں اندازاً دو سخت گرمی ہوئی۔

سندھی ملاحوں کا کردار | میں نے میدہ آباد میں دو کمپنیاں سپاہیوں کی اور کچھ بے قاعدہ سوار ایجنسی کے حافظ کے عہد پر دیکھے۔ بخار کے باعث سے میں ایک ہفتہ

تک بستر سے فائٹھ سکا اور اس سے مجھے آئندہ کی چاشنی حاصل ہو گئی۔ ۳۲ روگوں میں پھر سوار ہوا اور
بمکھا کہ اب مجھے سندھی ملاحوں کے طرز روشن کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ بڑے
خراثت رومی کے بھی کان کاٹ سکتے ہیں۔ اور سخت گیری میں یہودیوں کو مات کر سکتے ہیں۔ جارا تہذیب
موسیٰ ناتھا ایک بھیدہ پیہ دہت شخص تھا جس کی مختصر گفتگو وہاں کی غفلت حکمت یا رحمت کے بارے میں
ہوا کرتی تھی۔ یا بخشش کے طلب کرنے میں زبان کھلتی تھی جس کی وہ کوئی وجہ بیان کرنا مناسب
نہ سمجھتا تھا۔

آج کے دن ہم لوگ بہت ہی تھوڑی دور گئے۔ یعنی دس میل مقام پیر کا کوٹ تک اور شب کو
تین ملاح بھاگ گئے۔ جس مصیبت کو موسیٰ نے اپنے مشہور ہم نام کے صبر و قناعت کے ساتھ برداشت
کیا مگر کچھ روپیہ پیشگی دوسرے لوگوں کے لانے کے لئے مانگا میں نے اسے پانچ روپیہ یہ کہہ کر دیے کہ بعد سفر
کے وضع کرنے جائیں گے جس کا جواب اُس نے کچھ نہ دیا۔

مازندہ کا سفر | ۳۲ روگوں لوگ مازندہ میں پہنچے جو قریب چالیس میل کے ہے۔ بعد کو مجھے معلوم
ہوا کہ دوسرے نمبر کی لٹن کے میجر کی کشتیوں کے بیڑے نے یکایک دن میں بیڑہ
کیا تھا۔ ہم لوگوں نے اصل دھارے کو چھوڑ دیا جس کا مقابلہ کرنا مشکل تھا اور کئی شاخوں سے ہو کر
چلے گئے۔ بعض مقامات پر کن۔ سے جنگل سے ڈھکے ہوئے تھے اور بعض مقامات میں بجز چھوٹی چھوٹی
جھاڑیوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا جس کے اندر سے ترغیب دہندہ آواز سیاہ تیر کی آتی تھی۔ کبھی
کبھی ہم لوگوں کو ماہی گیروں کے گاؤں ملتے تھے جس کے قریب بہت سے لوگ اپنے بڑے بڑے گھروں
پر دریا میں تیر کر ایک قسم کی مچھلی جے پلا کتے ہیں پرتے نظر آتے تھے یہ لوگ ہلکی میں ایک لمبا ستون
نصب کر دیتے ہیں جس سے ایک ماہی جال لٹکا رہتا ہے۔ اس میں مچھلیاں تیر کر جاتی ہیں اور ستون
بلایا جاتا ہے اس وقت مچھلی پھنس جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک بڑی مچھلی اُس کے اندر چلی گئی اور ماہی
گیر کو پانی میں کیچنے لے چلی۔ جب اُس نے بہت کچھ شور و غل مچایا تو دوسروں نے اگر اسے نجات دے
تیلیگوز بان میں ہے وارڈ ماہی گیر کو کہتے ہیں۔ آیا یہ نفظ پلا سے متعلق ہے یا نہیں۔

قصبہ سینا کی مسجد | ۱۳ روہم لوگ سینا میں جو ایک مختصر ماقصہ ہے داخل ہوئے۔ اس کی سفید چمکتی ہوئی مسجد دور سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں ہم لوگوں کو ایک سخت دھارے نے آگھیرا۔ سن کی رسی ٹوٹ گئی اور ہم لوگوں کو بہت دیر لگ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ملاوٹ کو ایک قسم کا شک ومان گیر ہے کیونکہ وہ کونے کو کشتی پر بیٹھنے نہ دیتے تھے اور مجھ سے کہا کہ یہ نال بد ہے اس مقام سے سینا کے پہاڑوں کی نظر آتے ہیں۔ چونکہ میدان او کی جو تک چلا گیا ہے اس سے ان کی بلندی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے جو بہت اونچا پہاڑ ہے وہ بارہ سو فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔

سہوان کا سفر | ہماری کشتی گاپتی آمد گئی چھوٹے چھوٹے موضعوں سے گزری اور سہوان سے میں میل پر ٹھہری۔ وہاں ہم حملہ پہنچ جاتے مگر ہوا کے ایک جھونکے سے روک رکھا جس سے ہم لوگ گرد و غبار میں آلودہ ہو گئے۔ اس کے بعد بڑی بڑی پونوں کا چیر کاڑھو جس کے ساتھ بجلی کی چمک اور بارش کی گرج بھی تھی۔ ہم لوگوں نے گہرے پانی میں ہوا کے رخ سے ہٹ کر سنسکر کرنا۔ دوسری جانب اونچے اونچے دیے ان ٹیلے تھے جو ہالہ پہاڑ کے سلسلے میں ہیں۔ یہاں دریا ساٹھ قدم عمیق اند تیرہ و تارک یک ہے۔ آنکھوں کو اس مقام پر منت دھوکا ہوتا ہے، خواہ یہ دوسرے کنارے کی اونچائی کے باعث ہو کہ وہ اس قدر قریب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خیال ہو سکتا ہے کہ ایک دست میں اس پار ہا سکتے ہیں۔ حالانکہ فاصلہ دو سو گز کے قریب ہے۔

یہاں کئی دریائی سوراخ نظر آئے جنہیں ہندوستانی یون کہتے ہیں۔ یہ جانور موٹے تازے چار فٹ لمبائی میں ہوتے ہیں اور جڑے بہت بڑے، سفید تیز دانوں سے پر رہتے ہیں۔ اس جانور کی شکل سے مجھے ایک قسم کی مچھلی کا خیال آیا جس کے یہ بجز تھو تھنی کے بالکل ہم شبیہ ہے اور وہ لمبی اور تنگ ہے۔ انھیں گھڑیاں کھاتے ہیں جس طرح یہ دریائے سندھ کی پلا مچھلی کو زہر مار کھاتے ہیں۔ پلا افراط سے ہوتی ہے لیکن اور مچھلیاں عمدہ ذائقہ کی بکثرت نہیں ہوتیں۔ دریا میں کچھوے اور گوہ بکثرت ہیں۔ ایک مرتبہ میں اپنے خدمت کار محمد جعفر سے تیراکی کا سبق لے رہا تھا جو کسی قدر

شیشی خورا بھی تھا اور اپنا ہنر پانی میں غریب دکھلا رہا تھا کہ یکایک اُس نے چمچ ماری اور اُس کا سر پانی پر ٹھہرا ہوا نظر آنے لگا گویا اُس نے یکایک لنگر ڈال دیا۔ مجھے خیال آیا کہ اُسے گھڑیال نے پکڑ لیا مگر معلوم ہوا کہ کسی شریر کچھوے نے اُس کی حرکات سے شاید ناخوش ہو کر اس کے انگوٹھے کو بالکل اڑا لیا۔ ہر چند کہ میں دریائے سندھ میں بہتوں سفر کرتا رہا ہوں اور برسوں کئی دن تک کشتی کھیٹا رہا ہوں مگر میں نے کوئی گھڑیال اس میں نہیں دیکھا اور نہ کبھی سنا کہ کسی کو گھڑیال نگل گیا اور اس بات کا وہاں اس قدر خطرہ کم ہے کہ دریا کے بہاؤ کے جانب الٹے لوگ بذریعہ تری کے قاصد کے خطر واذ کرتے ہیں۔ یہ قاصد خط کو اپنی بڑی پکڑی کی تہہ میں رکھ لیتا ہے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پھولی ہوئی مشک کے ساتھ پانی میں اتر جاتا ہے۔ اس مشک کے دو حلقے رالوں میں پھنس جاتے ہیں اور مشک کو سینے سے لگا کر وہ منزل مقصود پر رواد ہوتا ہے۔ اُسے دیکھ کر منہی آتی ہے کہ ایک بڑی سی کھوپڑی بہتی چلی آتی ہے اور ہوا کی ہر ایک حرکت سے ٹھوکر بن کھاتی ہے۔

منچھر جھیل میں آمد ۲۶ کو ہم لوگ سہوان سے ایک میل پر رہ گئے جہاں ملاحوں نے نمبر بنے اور وہاں کے ولی لال شاہباز پرورد پڑھنے کے لئے اصرار کیا۔ میں کشتی سے ہوجہ شدت گرمی کے نہ اُترا اس وجہ سے میں وہ پرانا کنڈر جو سکند کے بنائے ہوئے قلعہ کا مشہور ہے نہ دیکھ سکا۔ یہ تو یہ ہے کہ آجین نے جو کچھ حالات سندھ کے لکھے ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمان غالب ہے کہ مقدونیہ کے مجنوں کے زمانے سے صدیا کا راستہ بالکل بدل گیا ہے۔ سہوان میں ہم لوگ ایک شاخ دریا میں داخل ہوئے جو آرل کہلاتا ہے۔ اس سے ہم لوگ چند گھنٹہ کے اندر منچھر جھیل تک پہنچ گئے اسی جھیل میں نارہ یعنی سانپ دریائی (جیسا کہ وہ بوجہ اپنی بہت سی پیمپیدگیوں کے مشہور ہے) جو دریائے سندھ کی ایک شاخ ہے گزنا ہے اور اس راہ سے آنے میں ہم لوگ اصل دریا کے زور و شور سے محفوظ رہے جو اس موسم میں بہت ہی دشوار گزار ہے۔

طوفان کا مقابلہ | ۲۰ کو ہم لوگ خوب چلے۔ یعنی پتھر جمیل کے پار قریب بیس میل کے گئے۔
 دی کو گری ایسی تھی جس کا بیان نہیں ہو سکتا شام کے قریب ہوا بند
 ہو گئی۔ میں نے چند ماہی گیروں کو ڈونگیوں میں دیکھ کر کشتی کو پہنچنے کے لئے کہا۔ یہ انھوں
 نے تھوڑی سی رقم میں کیا مگر میں کو گویا خزاں مل گیا۔ کیونکہ ایسے بدترنفا قزوقہ ایم انسان میں سے
 کبھی نہیں دیکھے۔ سب ننگے تھے صرف ایک مختصر سا کپڑا کرے لپٹا ہوا تھا اور شکل اس چہرے کی
 ہم شبیہ تھی جو اکثر پھریوں کی مٹھ پونی ہوتی ہے ایسے بد ہیئت لوگوں سے سوائے خوش قسمت کے
 آنے کے اور کیا ممکن تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہم ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں گھاس بہت لمبی
 اور جمیل کے اندر اگی ہوئی تھی۔ یہاں پر ملاحوں نے کشتی کو باندھنا شروع کیا۔ میں نے تندرل
 سے کہا کہ اس قسم کی روکوں سے کام نہیں چلے گا۔ خفیف سی ہوا بھی کشتی کو اُن سے علیحدہ
 کر دے گی۔ مگر موسیٰ نے اپنی ہی بات رکھی اور رسیاں بندھنے بھی نہ پائی تھیں کہ ایک سخت
 جھونکا ہوا کا زور و شور کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ آیا اور ہم لوگوں کو اس مقام سے جہاں ٹھہرے
 ہوئے تھے دور جمیل میں نہایت تیزی کے ساتھ سادق بھاؤں کے اندھیرے میں پھینک دیا۔ اُس
 وقت جب دراجبلی چمکتی تھی تو ہوائی نظر آتا تھا اور پانی جواب تک ٹھہرا ہوا تھا اس وقت اس قدر
 جوش و خروش میں تھا جس طرح کسی ساحرہ کا کرکھا ڈال کھارہا ہو۔

اکھڑا قاتل ہمدی کشتی گھاس میں چلی جاتی تھی جو بعض مقامات پر اس قدر گھنی تھی کہ کشتی
 اُٹنے کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ معمول کے مطابق ہمارے پنجابی صربہ سجدہ ہو کر اللہ سے دعا مانگ
 رہے تھے اور جس جس دلی کا نام یاد آتا تھا رجوع کرتے تھے اور مجھے ہو کر اس کے معاذرا الفاظ کہنے پڑتے
 کشتی کی چھت میں ہوا کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ گویا اٹنے والی ہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو ملاحوں کو
 کو بھی خشکی تک پہنچنے میں تردد ہوتا کیونکہ ہم لوگ بہت فاصلہ پر تھے۔ آخر کار کئی گھنٹہ دیا و انوار
 جمیل کے اندر مارے پھر بننے کے بعد ہوا کم ہو گئی اور صبح کو جب میں بیمار ہوا تو کشتی کو ایک گاؤں
 کیا آن نامی کے قریب بندھا ہوا پایا اور ہر ای کشتی گھوڑوں والی بھی نظر آرہی تھی۔

پنچم جھیل | ۲۸ کو ہم پنچم جھیل کے اندر سے چار ڈنڈیوں یعنی ڈونگیوں کے ذریعہ سے مچلے میں کامیاب ہوئے جو ہم لوگوں کو دوسلی فی گھنٹہ کے حساب سے لے گئیں۔ میں دل سے فوش ہوا کہ اس مغوس مقام سے نجات ملی۔ اور ہندو اس فارسی مثل کو اس جانب رخ کر کے پڑھا۔ اے جو پنچم داشتی چرا دوزخ ساختی۔ مجھے افسوس ہے کہ انسان کو فی زبان میں بعض قابل اعتراض باتیں کہنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ یہ مثل جو فارسی میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کسی قدر انگریزی میں کفر کے دہے کو پہنچی ہوئی ہے لیکن اگر یہ مثل استعمال کی جائے تو اس کا پورا اطلاق پنچم پر خوب ہوتا ہے۔ اس میں ایک نفرت انگیزہ بود بوسہ بند پانی کے ہے اور بہت سا حصہ الہامہرا میں خشک رہتا ہے اس کے وسیع قطعوں میں لمبی گھاس اور سرکنڈا ہے جہاں پھر بکثرت رہتے ہیں اور گندی ہوا اور سٹری مٹی سے تمام کیرے اتنے ہی زہر پے ہوتے ہیں جتنے کھدیم دریا نے نیل کے باشندوں کا بیان ہے۔

اس ناپاک جھیل کی لمبائی پچیس میل اور چوڑائی پندرہ میل ہے۔ مغربی کنارہ کسی قدر پُر فضا ہے۔ لیکن اس کی نضا ویرانی کی ہے۔ دُور دور اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ مدخوں کے بھندے۔ مسجد اور سفید مینار چمکتے نظر آتے ہیں۔ دوسرا کنارہ بد نما اور ہمارا ہے۔ اس میں مچھلیاں اور مرغابیاں بکثرت ہیں۔ یہ عمیق پانی میں کنول کے چوڑے پتوں جمانڈے دیتی ہیں۔ میں نے زیادہ رنگ کے تین انڈے اقد میں مرغی کے انڈے کے تین چوتھائی کے برابر اس طور پر رکھے دیکھے۔ شب کو ہم لوگوں نے تارہ دریا میں لنگر ڈالا جو جھیل سے چھ میل پر ہے۔ معاذ اللہ کیسی رات تھی۔ میں اُن لوگوں سے جو ایک صاف و سرد انگریزی بستر کی راحت کا لطف اٹھانے والے ہیں جن کو دہے یا تنوں مسہری کا پردہ اٹھا کر فدا اس کے اندر داخل ہو جانا ادا سے بند کر کے اپنے کو باریک لمبل میں چھپا لینا نہیں پڑتا ہے وہ خواست کرتا ہوں کہ وہ دوا بخور سو ہیں کہ ہم ہندوین کو کیا حدود اٹھا پا رہے۔

سندھ کی گرمی | ہندو نے کہیں کہا ہے کہ افریقہ کی اصل گرمی جس کا موجب سب سے اونچا قرار

دیا گیا ہے وہ ہے جب بغیر پوشش اور بلا حرکت کے انسان کے جسم سے بے حد پسینہ نکلے۔ میں ہر جمع کہتا ہوں کہ یہی ہم لوگوں کی حالت تھی۔ بندہ رات بھر ٹکھا جھلوتا رہا جس سے دم ٹھٹھ کر مرنے سے بچا اور بے شمار پینڈکوں کی آواز اور کمرؤں پھروں کی شہستانی سناتا رہا۔ یہاں ایک نئی بلا بھی مجھے نظر آتی۔ یعنی ریت کی کمی۔ پھر تو ایک دوازہ قدم بلا پتلا آوارہ جان رہا جس کی ٹانگیں اور ناہمبور۔ بھن بھناہٹ سے اسی قدر طبیعت منتشر ہوتی ہے جس قدر کہ اس کے ڈنک مارنے سے۔ لیکن ریت کی کمی ایک چھوٹے پھروں کی بیہودہ چیز ہے جو خوش خوش اور ہنسنے لگتی پھرتی ہے اور جب تک آپ کو سناںی ریتی ہے نہایت ہی شاداں و فرہاں معلوم ہوتی ہے۔

۹۔ کو سولہ میل چل کر ہم لوگ مقام دنگلام عید کے کوٹ میں پہنچے۔ سیلاب کی وجہ سے وہ جگہ ایک وسیع دلدل معلوم ہوتی تھی۔ اکثر مقامات میں ہم کی گز سر کندھے اور جھل کے کچھ نڈبہ آ یا لیکن کہیں کہیں کاشت کاری بھی دکھائی دی۔

بھادپور کی حالت | ہر کوئی ہلے کر کے بھادپور میں داخل ہوتے ہی ایک مجموعہ قدروں اور جھونپڑوں اور رکھوں اور گتوں کا ہے۔ یہاں بھی مثل اور موضوعوں کے جو بچے تارہ کے کنارے نظر آتے۔ سخت ہارٹس ہونے کا ثبوت گرسے ہوئے جھونپڑوں سے ملتا تھا۔ بہترے لوگ اپنے بستر پر سوتے ہیں اور اپنے ستونوں سے آویزاں ہیں ان پر چڑھنے کے لئے کسی قدر شوق درکار ہے خاص کر مستورات کو۔ خیال کیجئے کہ کوئی کم سن شوہر ایک بانس پر چڑھ رہا ہو اور دوسرے بانس پر اس کی بیوی جاری ہو تو کس قدر مشتت پڑے گی۔ یہ خیال ہی نہایت خوب ہے گرمی تب تک برداشت کے قابل نہ تھی اور دھچکے، داشت کئے جا سکتے تھے اس پر طرہ یہ تھا کہ ایک مختصر گندی کوٹھری میں بندہ ہنا پڑا جس میں کھیاں اور مصیبت کے دوسرے لوازمات جمع تھے۔ اس وقت انسان کو مجبوری ہوتی ہے کہ ملاجوں کو دق کر ڈالے اور منت اور وعدہ اور دھکی سے جہاں تک ہو کام لے اس کے علاوہ یہاں لوگ کسی مقام پر بکرا کہیں آنا۔ کہیں بھیل مانگنے سے نہیں بچتے۔ جہاں دیکھے یہاں صدا آتی ہے۔ دیکھے بوجھے۔ اگر کسی موضع میں ٹھہرے تو کوئی لمبی ڈاڑھی دلا فقیر آئے گا اور آپ کو پیڑ کے نام پر کچھ دینے کو کہے گا

ان کا قول ہے کہ جس نے ہم کو دیا گویا خدا کو دیا۔ اگر آپ نے اُسے کچھ دیا تو اُس نے مُنہ بنا کر لے لیا اور اگر نہ دیا تو ہزاروں بددعا میں دیتا چلا گیا۔

۳۱ کے سفر میں ہم لوگ کئی موضوعوں سے گئے مثلاً سون۔ میانی۔ کہتر بادینو۔ سندھ کے گاؤں اور مہوسہ میں تیس میل جا کر ٹھہرے جو معمول سے کچھ اچھا موضع نظر آیا۔

سندھ بھر میں یہی ایک جگہ ہے جہاں میں نے عورتوں کو اجنبیوں سے باتیں کرتے دیکھا مگر یہاں بعض نے ملاحوں سے گفتگو کی جو شاید شستا ساتھی تھے انہیں بتا دینی کو ٹھہری سے جو یکایک سر نکالا تو ایک نہایت ہی حسینہ عورت سے ٹک گیا جو اپنا گھڑا پانی سے بھر رہی تھی۔ اس کا چہرہ کتابی تھا اور آنکھیں برن کی سی تھیں۔ واقعی وہ سن کی بتی تھی۔ اُس نے فرنگی کو خوب گمو کر دیکھا اور مجھے اُس سے اپنے دوست مسٹر فوسٹنس کا خیال آیا کہ اگر وہ موجود ہوتے تو اُس کی تصویر کھینچ لیتے۔

فتح پور اور خیرپور کے قصبات | یکم اگست کو دس میل فتح پور اور خیرپور سے آگے گئے جو نہایت ہی خوش ناگاز ہیں۔ یہاں ملک کی حالت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

کیونکہ جنگل کم ہے خشکی اس قدر نہیں اور جیل اور بارہ کے پہلے چالیس کوس کی زہریلی ہوا سے محفوظ ہے۔ ایسی جگہ ایک دستہ ۲۰۰ ممبر کو ہندوستانی پلٹن کا ملا ہوا سہاب کے ساتھ حفاظت کے لئے جانا تھا۔ وہ اس مقام تک ٹھہرے دو دھنیں اور آٹھ دن میں پہنچے تھے۔ ہم لوگوں نے ایک سندھی کو قیمت دے کر دو دو خرید مانجا۔ لیکن اُس نے نقد لیا اور میر بھرجا مل کے بدلے دو دھ دیا۔ ایک نے اپنی مرغیوں کے بدلے میں ایک بوتل مانگی۔ یہ بہت سستی ہیں چند چارپے جو قریب پانچ نا۔ دو لگ کے ہوئے۔ ایک روپیہ کا ٹیپوں یہاں آٹھ پانی لٹا ہے۔ یعنی سولہ میر۔

۲۱ اگست کو ٹبا اور پلو سے تھری کو گئے جہاں حو ملا حول کو ٹھہرا کر رادہن پر کیو گوٹ میں قیام | اور میرا سے برکیو گوٹ پہنچے اور وہیں قیام کیا۔ تھری ایک اچھا گاؤں ہے

یہیں سندھیوں نے دریافت کیا کہ کشنیوں میں توپ بھی ہے بہت سے دوا گے لئے آئے۔ ایک ملاج شندیل کے لہجے سے بھاگ گیا۔ اُس نے پھر پیشگی مانگی اور خدا کو گواہ سے کر کہا کہ میرے پاس روپیہ

نہیں ہے۔ یہی جہد ارنے بھی کہا جس کو سر آئے برنس نے سفارشی خط دیا تھا ان دونوں نے سہوان میں ایک ایک تھیلی سو سو روپیہ کی اس وقت نکالی جب کہ وہ بکے کہ میں دیکھتا نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ جو لوگ پہلے سندھ گئے انہوں نے بڑی رقمیں دے کر سخت غلطی کی کیونکہ اس سے یہ خیال ہو گیا کہ ہر ایک فرنگی کے پاس قارون کا خزانہ ہے۔

موضع جلیا سرکوہ میں میل دریا کے بہاؤ پر گئے ہو برابر گھومتا گیا ہے۔ نقشہ میں آپ کو سیدھا خط نظر آتا ہے۔ جو نہایت چھوٹا اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ اُسے آپ نے پہاڑ سے ناپا اور اٹنی میل پایا اور جس میل اور پہاڑ کے نیچے گئے۔ مگر فیصلہ و حقیقت دو سو میل سے زیادہ ہے اس پر طرہ یہ ہے کہ ہوا جو پاؤں میل تک اچھی رہتی ہے ایک ہی خم کے بعد دوسرے میل تک گندی ہو جاتی ہے اور تین یا چار فرسنگ تک محنت کرنے کے بعد جہاں سے آپ روانہ ہوئے تھے وہاں سے سیدھے خط میں آپ پاؤں کو سہا تک گئے اب ہم لوگ دو موضوعوں سے جن کا نام جلیا تھا۔ میر نور محمد خاں کے ایک محفل سے گذرے جس میں بیس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے اور جس گاؤں میں وہ تھے نہایت مفدک الحال تھا

سندھی ملاحوں کے دیہات سرکوہ میں میل اور نارہ دریا کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے سندھی ملاحوں کے دیہات بہت سے گاؤں میانوں یعنی سندھی ملاحوں کے ہیں۔ جن سے جہازیوں کی سماعت بخوبی بھرتی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ دریا سندھ کی تجارت اس درجہ کو پہنچ جائے جس کی ہم لوگوں کو امید ہے۔ ایک بڑے موضع سے کچھ آگے بڑھ کر جو بکروں کا علاقہ ہے مقام کیا۔ کیا اس کے کھیت ہر جانب تھے اور ایرانی جرنے ہر جانب چل گئے تھے گرمی کسی قدر کم ہو گئی۔

۵ کو چند میل چلے۔ مہرپور اور مہلات آگے بڑھ گئے۔ آخری جگہ سرسبز کے متوازی

ہے مہرپور سمیر میں زاید ملاحوں کا سردار مع اپنے گروہ کے باوجود میرے سمجھانے کے الگ ہو گیا۔

۶ کو دس میل پر ایک مقام کیا۔ لیگو میں گئے جو ایک صاف موضع تھا اور جہاں بھینس گئے

اور بکری کے بہت سے گھے نظر آئے۔ اس جگہ فارغ البالی کی صورت دکھائی دی اور یہاں

جس وقت میں کنارے پر اپنے آہستہ چلنے پر مایوس ٹہل رہا تھا ایک قاصد خط لے کر شکارپور سے آیا۔

موضع سہرابانیوں میں قیام | ۷۰ کو دس میل اور نارہ دریا کے طے کئے اور بہت سے گاؤں سے گزرے۔ دو شخص مونی کے ساتھ کے چل دیئے۔ شب کو چار پانچ میل دور گئے۔ پانی نہایت گہرا اور تیز بہ رہا تھا جو اس امر کا ثبوت تھا کہ ہم لوگ سندھ دریا کے قریب پہنچے جاتے ہیں جسے سندھی میٹھے پانی کا سمندر کہتے ہیں یہاں ہم لوگوں کو ایک بڑا کشتیوں کا ملاجن میں سے بعض نے لنگر اٹھایا اور ہمارے ساتھ دریا میں چل نکلے۔ جس کشتی کی مشرود نے سفارش کی تھی اس کے ملاحوں کی نامعقول حرکت سے ناراض ہو کر میں نے بڑھوڑ دیا اور گھوڑوں کی کشتی پر سوار ہو کر سرخسہ کی نہر میں داخل ہوا اور ایک بڑے مونس بدراجی سے گزر کر سہرابانیوں کے ایک موضع میں لنگر کیا۔ طیش بہ شدت تھی۔

مکانا نہر کا سفر | ۷۱ کو دو میل مکانا نہر کے دہانے کی جانب گئے جہاں باد مخالف نے ہم لوگوں کو دن بھر روک رکھا۔ نہر کے دہانے کے سامنے ایک تیز سوتا بہتا ہے اور پانی کی قوت کسی قدر بائیں کنارے سے آگے بڑھ کر کم ہوتی ہے۔ یہاں اور جگہوں سے توڑ زیادہ ہے۔ اور درختوں کے تنے اور جھاڑیاں اور مردہ مونیسی اس میں پڑ کر سخت جکڑ کھاتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو غلام حسین کا کوٹ کہلاتا ہے۔ یہاں سے میں نے ایک قاصد سکھر کو روانہ کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہاں کے ملاحوں کو ان دنوں کی تعداد بتانے میں شک رہتا ہے جن کے اندر انھیں سفر ختم کرنا ہوتا ہے۔ وہ ٹھیک حساب نہیں کرتے جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنا ہمیشہ مصیبت یا زیادہ عرصہ کا باعث ہوگا۔

سکھر کو روانگی | ۱۸ کو میری دوسری کشتی بھی آگئی اور جس وقت صبح ہوئی اس نے توڑ سے سکھر کو روانگی | گزر جانے کی کوشش کی۔ مگر چھپے پھینک دی گئی۔ اس وقت ہم لوگ کشتی سے اتر پڑے اور انھیں کھینچ کر دور بہاؤ پر لے گئے تاکہ اسے عبور کر سکیں اور اس توڑ کے صدمہ سے کسی قدر

پنج نکمیں چنانچہ ہم لوگوں نے عبور کیا مگر جیسے ہی تھکے ہوئے پانی میں پہنچے کشتیاں ایک بڑی لہر کی ضرب میں زمین پر چڑھ گئیں۔ آخر کار ہم لوگوں نے انہیں دباؤ سے الگ کیا اور وہ لہر کو عبور کر گئیں۔ جس وقت ہم لوگ بھنور میں پہنچے جو سیاہ اور یہیں سے مہمور ہو رہا تھا تو ملاحوں نے اپنے سر پر ست دلی کا نام لینا شروع کیا۔ دم الحق دم الحق۔ اور پھر جب خطرے سے باہر نکلے تو بھی یوں ہی چلائے۔ میں بابا حق کو ماننا اپنا فرض تصور کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے ہماری اتنی ہی مدد کی جو انگلستان کے دلی سینٹ جارج یا دو سرے کوئی کرتے۔ واقعی میں نے کہیں ایسا سخت توڑ نہیں دیکھا اور نہ اس قدر بڑی لہر دیکھی جو یہاں لکڑ کھاتی ہے۔ ہم لوگ سالیانی دوسو تری دہائی سے گند کر سید آباد میں جا کر ٹھہرے یہاں سے بکر کا قلعہ صاف نظر آتا ہے۔

سکھر میں قیام | اگر میں سکھر میں اتر پڑا جہاں میری قسمت میں "روزمرہ تک مصیبت جبینی لکھی تھی۔ میں نے پولیٹیکل افسروں کو دیکھا کہ دیوار کے کنارے غیموں میں دھجور کے درختوں کے باغ کے اندر جو پست اور دیران پہاڑیوں کی قطار سے گھرا ہوا تھا، ٹھہرے ہوئے ہیں ان کی چوٹیوں پر مسمار قبروں اور مسجدوں کے ماسے کے تودے لگے ہوئے تھے۔ اس قطار کے سرے پر صرف ایک دیوار باقی تھی جو نہایت بلند تھی اور اس کے سامنے شوخ رنگین دو پھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کسی مغلیہ شہزادی کے مقبرے کی دیوار ہے۔ میں وہاں قرب و جوار کی آلائشوں سے نکل کر پہنچی اور یہ سوچا کہ یہاں میرے رہنے کی جگہ بہ نسبت نیچے کے چھ غیموں سے بہتر ہو سکتی ہے۔ ان غیموں میں تقریباً میٹر ہر دو ایک سو پانچ درجہ پر رہتا تھا۔ اور بار بار بخار کے آنے سے مجھے خیال ہو گیا تھا کہ اوپر جو انبار گندگیوں کا ہے اس کا صاف ہونا مشکل ہے حالانکہ سب کو اس کی خواہش تھی تو نیکہ جو ہوا کہ اس خطے سے ہو کر آتی تھی اس میں کچھ اور بو شامل رہتی تھی۔

بکر کا جزیرہ اور دھیری کے قصبات | میں نے چند ملاحوں اور ہر قسم کے بیگاریوں کی مدد سے تھوڑی سی زمین صاف کرائی اور ان دونوں محرابوں کے درمیان میں ایک چھپر ڈال دیا اور اس جماعت میں پہلا مکان دار میں ہوا۔ تین سال تک جب تک

کہ میا قیام سندھ میں رہا اس عمارت میں کوئی نہ کوئی ضرور رہتا تھا۔ اور یقین ہے کہ اب تک کوئی رہتا ہوگا باوجود پیش کے سکھ ایک دلچسپ جگہ ہے۔ ایک ہی نظر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر کیونکر تین قصبے آباد ہو گئے ہیں۔ بکر کا جزیرہ جس کے چاروں جانب عمیق اور زور و شور کا پانی ہے ایسا ہے جسے ایشیائی لوگ سد سکندر تصور کرتے تھے۔ اس میں قلعہ بنایا گیا اور وہ جگہ نہایت مشہور ہوئی۔ اور سندھ وارد ریائے سندھ کے جنوبی حد کی کئی تصور کی جائے لگی۔ اس کے دو جانب روٹری اور سکھر کے قصبے بس گئے۔ اپنے تفریح کے وقت میں ان قصبوں کے گرد و نواح کے ویرانوں اور مسجدوں میں گشت کرنے کا شایق تھا۔ میں نے اُن سے گزشتہ زمانے کے حالات حاصل کرنا چاہے۔ لیکن کامیابی کم حاصل ہوئی۔ بچ پوچھے تو صرف سکھری نہیں بلکہ پورے ماکہ سندھ کے حالات ماضیہ کے حقی کی تلاش کے لئے ایک تنگ میدان ہے اور بہت کم یادگاریں ایسی ہیں جو مورخ کے مصرف کی ہوں۔

سکھر کی قدیم تاریخ | جہنہ کہ دریا سندھ اس ملک میں بہتا ہے اور ہندوستان پر حملہ کرنے والے کی فوج اس ملک سے گزرتی ہے مگر کوئی تعمیر زمانہ گزشتہ کی ایسی نہیں ہے جو سیاح کو سنین ماضیہ کی یاد دلاتی ہو یا اس تاریکی کے دفع کرنے میں اس کی مدد کرتی ہو جس میں اس ملک کی ابتدائی تاریخ پوشیدہ ہے۔ سندھ کے کسی زمانے میں نہایت مشہور شہروں کا مقام بھی اس وقت متنازعہ فیہ ہے اور گو کہ شاید آٹھویں سو برس اس کو ہوئے ہوں۔ جب کہ الوریہ برہمن آباد نہایت عروج پر تھا تاہم کوئی تاریخ اس کے باشندوں کی موجود نہیں ہے۔ اور زبانی مہل روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو دیرالے اس وقت نظر آتے ہیں وہاں ہزار ہا بندگان خاربتے تھے اور وہ سلطنت کا پایہ تخت تھا پچ نامہ اور معصوم نامہ میں کوئی ذکر اس وقت کا نہیں ہے جو سکندر کے حملہ اور خلفاء کے جرنیلوں سے سندھ کے فتح ہونے کے درمیان میں گذرا۔ بجز اس کے کہ چند بادشاہوں کے نام ہیں اور کچھ روایتیں۔

ہم لوگوں کو کوئی رہنما نظر نہیں آتا جو ان تغیرات کو بتائے جو اس وقفہ میں ہوئے اور اگر

زمانہ حال کی تبدیلیوں کے لحاظ سے بحث کی جائے تو معمولی غلطی و نشان کی نہ ہوگی۔ پس اُن قطعات کے قدیم جغرافیہ کی نسبت خیال دوڑانا درجہ دریا کے سندھ کے کنارے پر تھے اور قیاسات کو دخل دینا جو محض بے بنیاد ہیں، عبث ہے۔ رہا الور جو کسی وقت میں سندھ کے ہندو راجاؤں کا پایہ تخت تھا۔ اس کی نسبت کسی قدر واقفیت حاصل ہو سکتی ہے اور باتوں میں یہ بھی ممکن نظر آتا ہے کہ جس وقت دریا سندھ نے اُس قدیم شہر کو چھوڑ دیا اور ایک نئے سوتے سے روٹری اور سکھر کے پہنچ ہو کر بہا اُس کی تاریخ کا تعین ہو سکے۔

روٹری کی مسجد | خواجہ خضر کے چھوٹے سے جزیرے میں روٹری کے سامنے ایک مسجد ہے جس کی صورت سے قدامت ظاہر ہے اس عمارت میں یہ کتبہ ہے جسے میں نے ایک گشت لگا کر دیکھا اور لکھ لیا: "جان لو کہ جب یہ دربار تیار ہوا آب حیات اس کے گرد نواح میں تھا۔ خضر نے اپنی نظم میں لکھی کہ اس کی تاریخ خدا کا دربار ہے۔"

اگر یہ تین سو اکتالیس ہجری صحیح ہو تو مسجد ۵۱۵ھ میں تعمیر ہوئی یعنی دہائی سو برس ہندوؤں پر مسلمانوں کے حملے کے بعد۔ اگر اس تاریخ میں کوئی غلطی ہو تو اُسے دانستہ سمجھنا چاہئے کیونکہ حروف سے مادہ تاریخ وہی نکلتا ہے جو ہندوؤں میں جو لوگ اسے نہ جانتے ہوں وہ جان لیں۔ کہ عربی کے ہر ایک حرف کے لئے ایک عدد مقرر ہے۔ پس جب محلات کی بنا یا کسی کتاب کی اشاعت کی تاریخ کا آئندہ نسل کو بتانا منظور ہوتا ہے تو اس کا ایک ایسا نام رکھ دیا جاتا ہے کہ جس کے حروف کے اعداد کے جمع کرنے سے اس کے اختتام کا سنہ نکل آتا ہے۔ اگر یورپ میں بھی یہ طریقہ جاری ہو جائے تو حافظہ کو بہت کچھ تکلیف سے نجات ملے گا۔ اس وقت انسان کو صرف اس قدر کرنا ہوگا کہ کسی عمارت کا نام دریافت کر لیا اور اس کا سن تعمیر معلوم ہو گیا اور کوئی شخص جو کسی مشہور عمارت کا ذکر کرے گا تو اُسے وہ وقت بھی فوراً یاد آجائے گا جب وہ پہنچے پہل تعمیر ہوئی۔

جزیرہ خواجہ خضر (روٹری) | اس کتبہ کی تصدیق روایتوں سے اور دوسرے امور سے بھی ہوتی ہے

جو محقق کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً لوگوں میں مشہور ہے کہ ایک گڈریے نے جس کا نام باجی تھا اور جس کا جھونپڑا اس جگہ پر تھا جہاں اب باجی کا محل ہے، جو قصبہ روہڑی کے محلوں میں سے ہے۔ کچھ فاصلہ پر ایک شعلہ نکلتے دیکھا اور یہ خیال کر کے کہ کسی مسافر نے آگ جلائی ہوگی اُس نے اپنی بیوی کو آگ لانے کے لئے بھیجا۔ مگر جب وہ اس کے قریب جاتی تھی وہ (شعلہ) بجھ جاتا تھا یہ دیکھ کر وہ واپس آئی اور اپنے فائدے اُس کا حال کہنا۔ اُس کو عورت کے کہنے کا اعتبار نہ آیا۔ چنانچہ وہ خود گیا اور اُس وقت اُسے یہ اعجاز نظر آیا۔ جسے دیکھ کر عبرت ہوئی اُس نے ایک تکیہ وہاں بنایا اور بطور فقیر کے وہاں کی مجاوری کرنے لگا۔ اس کے بعد ہی دریائے سندھ نے اپنا رخ بدل دیا اور الور کے پاس سے بہت کر اُس زمین کو گھیر دیا جہاں باجی کا تکیہ تھا اور جسے اب جزیرہ خواجہ خضر کہتے ہیں۔

سات پاک دامن بیویوں کا جزیرہ | پیچ نامہ میں ایک ارد قصبہ ہے جس میں بیان ہے کہ الور کا راجہ چاہتا تھا کہ اپنے شہر کے ایک تاجر کی حسینہ رُک کی کو اپنے قصبہ میں لائے۔ اس کے بد قسمت باپ نے آٹھ دن کی مہلت لی اور وہ زمانہ صوم و صلوٰۃ میں بسر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے اُسے مع دولت اور اُس کی رُک کی کے جزیرہ کا خضر میں پہنچا دیا اور دریائے بھی شہر اور کو چھوڑ دیا یہ عندہ اُس راجہ کے ظلم کے باعث غضب الہی میں گرفتار ہوا۔ چاہے ان روایتوں کی صداقت کیسی ہی کیوں نہ ہو ان کی موجودگی سے یہ باندہ کرنا پڑتا ہے کہ کتبہ اصلی ہے۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ روہڑی اور سکھر کی قبروں میں گو کہ بہت سی اکبر کے عہد کی ہیں بعض ایسی بھی ہیں جن کی قدامت کتبہ کی قدامت کو پہنچتی ہے۔ کچھ کے قلعہ کے نزدیک بستی کے ٹاپوں سے سات پاک دامن بیویوں کا جزیرہ بھی کہتے ہیں یہ کتبہ ہے تہ سعید الدین جو شریف خاندان اور عقل و دانش میں کامل اور بے مثل تھے ان کی روح اس فاد خاکی سے فسردوس بریں کو سدھاری۔ جب میں نے سندوفات دریافت کیا تو دل نے صدا دی کہ میر جو میرے دل کا مالک تھا فردوس کا باشندہ ہوا۔

کتبہ کی تاریخ | اس سے تاریخ ۳۸۲ ہجری نکلتی ہے جو اس قسم کی یادگار کے لئے بہت سی بڑی قدامت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس معاملہ کو بار بار تحقیق کیا تاکہ اگر میں ان کا ذکر کر دوں تو کوئی پرانا سندھی غلط نہ ٹھہرائے۔ بلکہ میں نے اپنے پورے مسلمان منشی اور اپنے سنجیدہ دُبلے پتے خزانچی کو، جو حساب میں ایک کوڑی کا سواں حصہ بھی نہ چھوڑا تھا ایک ساتھ اعداد کو جوڑنے کے لئے کہا مگر دونوں نے تاریخ مندرجہ بالا کی صحت میں مطابقت کی۔ ہم اسے بخوبی صحیح تصور کر سکتے ہیں۔

جزیرہ حضرت کی مسجد کا کتبہ | قبر کی حالت سے نہایت قدامت برستی ہے اور اس کے لحاظ سے تاریخ پر یقین ہو سکتا ہے۔ وہ جزیرے کے مشرقی کنارے پر ہے اور نہایت مسما رہے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ دریائے سندھ نے اپنا رخ الودے روٹھری کو ^{۳۳۰} میں جیسا کہ جزیرہ حضرت کی مسجد کے کتبہ میں لکھا ہے بدلا۔ اور اس کے بعد ہی وہاں کے لوگ روٹھری کو آئے گئے۔ غالباً ان میں سنیوں کا خاندان بھی یہاں آیا جس میں ایک کی قبر پر حضرت کی مسجد کے پندرہ سال بعد کی تاریخ لکھی ہے۔ اگر آٹھ سو برس کی قدامت روٹھری سکتے یقین کی جاتی ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کی بنا کو بہت دیر مانہ گزشتہ میں قائم کیا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کئی صدیاں گزریں اور دونوں مقامات دولت اور شہرت کے لحاظ سے بڑے عروج پر تھے اس کی تصدیق اُن بہت سی قیمتی تعمیرات سے ہوتی ہے جو قبل اور درمیان عہد سلطنت اکبر کے تعمیر ہوئیں اور نیز سیدوں کے یہاں آکر آباد ہوئے جو اس ملک میں بہت دور کے ملکوں سے آئے۔

اکبر نے سندھ کو سترہویں قے کیا اور گو کہ قریب تین صدیوں کے گندپکے ہیں تاہم جو عمارتیں اس کے عہد سلطنت میں بن چکی ہیں وہ ظاہراً اُن تمام عمارتوں میں بہت ہی جدید معلوم ہوتی ہیں جو یائے سندھ کے دونوں جانب کی پہاڑیوں پر ہیں۔ روٹھری کی مسجد جس میں یہ کتبہ ہے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اپنے وقت کا غمزدار اور دین کا پشت پناہ اکبر شاہ تاج کا بچنے والا اور ملکوں کا فتح کرنے والا۔ ایسا بادشاہ جس کی فوج مثل ستاروں کے ہے اور جس کا پایہ تخت آسمان

ہے جو شریعت کا محافظ۔ اور اپنے زمانے کا پیشوا ہے جس کے خدام قیصر و نقصور کے برابر ہیں اور جس کے امرا خاقان تور کے مساوی ہیں۔ تیرا دل 'خدا' و 'مشاہد جمشید' کا مشابہ روح کا رہنما مثل ہمنند کے فیاض سخاوت کا رکن اور فائدوں کا ذخیرہ ہے۔ فتح خاں نے جس کی خوں ریزہ شمشیر بیداد کی جڑ کھود ڈالی اس مسجد کو آسمانی معاوضہ کے بدلے اور عمدہ مکان بہشت میں پالنے کی امید میں تعمیر کرایا۔ یہ وہ جگہ ہے جس سے مثل کعبہ مقدس کے دل بڑھتا ہے اور مثل باغ جناں کے روح کو فروخت ہوتی ہے خدا کرے کہ یہ مدتوں تک جوں کی توں قائم رہے۔ میں نے اس کی تاریخ کی دل میں تلاش کی تو یہ عبارت نکلی کہ خان نے اس مسجد کو تعمیر کیا اور دنیا کو الوداع کہا۔

سکھر کی عمارت کے اکبری کتبے ایک اور مثال ایک چھوٹی سی گنبد نما عمارت سے پائی جاتی ہے۔ جس ایک حصے میں کینسی کا دفتر سکھر میں ہے۔ یہ بھی اکبر کے وقت کی ہے۔ مگر موت سے بالکل جدید معلوم ہوتی ہے۔ اس پر اس مشنوں کا کتبہ ہے: 'اس بادشاہ اعظم نے خلافت کے عہد میں جو معزز شاہنشاہ دین کی آب و تاب ہے۔ یعنی محمد اکبر بادشاہ جو کفار کا ہلاک کرنے والا ہے خدا اس کی سلطنت کو قائم رکھے اس عمارت کو عمدہ کاموں کے لئے امیر محمد معنوم بن سید صفار میں بکرنے حملہ مسلمانوں کے عام فائدے کے لئے بنایا۔ جو کوئی اس عمارت کے اندر قبر بنائے اس پر تھر خدا دیوں و ملائک و جو رحین کا نازل ہو مشائخ اس کے مقابل میں ایک اور عمارت ہے جس پر ان مضامین کے اشعار کندہ ہیں: 'پیارے جگہ جس سے مثل ناجیوں کے باغ کے مسرور دل کو بہشت کی خوشی پہنچتی ہے۔ رحمت کی جگہ تیری تاریخ اجنبی یہ کبکرتا لاش کر لیں تو دل کا بارغبت مستشہ۔'

ان کے مقابلہ میں جو قبریں کینسی کے اوپر کی پہاڑیوں پر ہیں وہ بہت پرانی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سبب سے دیرانے میں کوئی مقام کسی ہندو پرستش گاہ کا نہیں ہے حتیٰ کہ اور میں بھی جہاں ایک ہندو خاندان حکومت کرتا رہا کوئی نمونہ ہندو عمارت کا نظر نہیں آتا۔ البتہ چند صدیوں میں جو بہت پرانے معلوم ہوتے ہیں جن کا نقش و نگار دیوار تک نہایت ہی بھلا ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کے مقبرے ہیں کیونکہ اند کی قبروں کا رخ جانب مکہ ہے۔ جسے لوگ راجاؤں کا کوٹ اور محل بتاتے ہیں۔ وہ اس وقت ایک بڑا میلہ گریے

ہوتے مکانات کا ہے جن کی کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ ایک مقام میں جسے خیر لوہ کے سردار میرستم خاں نے کھدوایا تھا ایک دیوار نہایت موقی میرے قیاس کے مطابق بارہ فٹ کی نظر آئی۔ اس محنت کا امیر کو کوئی معاوضہ کسی چیز کے دریافت ہونے سے نہ ملا اور اس کام کو لوگوں نے نمیف الا اعتقاد ہی سے چھوڑ دیا۔

عالمگیر کا محبس | اور۔ وٹری سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے اور راستہ ایک پل سے ہو کر گیا ہے جس کو بعض لوگوں نے بے جا قدامت سے منسوب کیا ہے۔ اس کو جس قدر پرانا یعنی

دوسو برس کے باشندے بیان کرتے ہیں اس سے زیادہ قدیم تصور کرنے کی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ ظاہر ہے کہ دریائے سندھ کی اصل موتے پر نہ بنایا گیا ہو گا کیونکہ بچ کی مزارب کی بلندی صرف چودہ فٹ ہے اور اس کی کل لمبائی چھ سو فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اصل دریا جب اور سے ہٹ آیا تو عرصہ تک تھوڑا سا پانی پڑانے سوتے میں بہتا رہا ہو گا۔ جس پر یہ پل یا تو محصوم یا اس زمانے کے کسی اور مخیر امیر نے بنوایا۔ پل کو عبور کرنے کے بعد ایک موضع لمبا ہے جس میں ساتھ باشندے آباد ہیں ان میں سے دو تہائی مسلمان اور بقیہ ہندو ہیں۔ امیر ان سے کم محصول لیتے ہیں اور اپنے کھیتوں کی پیداوار کو شکر گنج شاہ کے مجاوروں اور مریدوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں۔ اس گاؤں سے ایک وسیع سلسلہ ویرانوں کا شمال و مشرق کے سمت میں چلا گیا ہے اس بڑے تودے میں کوئی کتبہ یا قابل لحاظ شے مل نہیں سکتی۔ بجز ایک خوش نما دیرانے کے جسے عالمگیر کا محبس کہتے ہیں۔

شکر گنج شاہ اور قطب الدین شاہ کے مزارات | اور دو قبریں سبیدوں کی جن میں ایک شکر گنج شاہ کا مزار اور دوسرا خلیفہ قطب الدین شاہ کا ہے۔ پہلے بزرگ کا

مزار ایک مشہور زیارت کی جگہ ہے اور اگر دو نواح کے لوگ وہاں بیٹھیں تو دو بار زیارت کو جاتے ہیں۔ اس پر کوئی گنبد یا مکان نہیں ہے بلکہ ایک سادہ سفید مزار ہے اور حاشیہ پر میل بوٹے ایک قسم کے پھول کی وضع کے بنے ہیں۔ جن چیزوں کو ان کے ماننے والوں نے بطور نمائش کے لا کر آویزاں کیا تھا۔ ان میں بعض کتروں کے کاک بھی تھے۔ مگر یہ ان کے معرف کی لاعلمی کی وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ جب میں نے مجاور سے بیان کیا کہ یہ اشیاء دراصل شراب کے برتنوں کی ہیں تو وہ نہایت ہی متفکر ہوا اور انھیں فوراً نکال کر

پھینک دیا اور اس کا تمام الزام اپنی بیوی کے ذمہ عائد کیا اور کوئی بات مجھے الوری میں نظر نہ آتی جو قتل لحاظ ہو بجز اس کے کہ دریا کے پیٹ میں دو پتھر لے جن میں اس مضمون کا کتبہ تھا کہ انھیں معصوم نے دریا کے قدیم راستہ کو جتانے کے لئے نصب کیا ہے۔ اس لائق سید نے کئی تعمیرات روہڑی کے گرد و نواح میں بنائیں جن میں بہت کچھ صرف ہوا۔ وہ سکھر کیمپ میں نوے فٹ کے بلند مینار کی جڑ میں نون ہیں۔ کو سوں تک دودے نظر آتا ہے۔ جو شخص اس کے خاندان میں ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس نے اپنی آخری قیام گاہ اسی قبرستان میں بنائی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا موعے مبارک | روہڑی کے لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت رسول خدا کے سر کا موڑ ہال جے لوگ موعے مبارک کہتے ہیں وہ ایک سوئی کی ٹلی میں ہے جس میں بڑے بڑے یا قوت بڑے ہیں اور ان کے دکھانے میں بہت کچھ ظاہر داری صرف کی جاتی ہے۔ مجاور نے مجھ سے کیفیت ذیل ان کے روہڑی میں لائے جانے کی بیان کی تھی۔ وہ ۱۵۲ء میں موعے مبارک کے مجاور مخدوم میاں عبدالباقی صدیقی استنبول سے سکھر میں تشریف لاتے اور ان مقدس چیزوں کے حقیقی ہونے کے اس تہہ کافی ثبوت دیئے کہ اس زمانے کے جملہ اکابر اور دین داو لوگ مثلاً شاحید خٹائی و مخدوم عبدالملک ان کی زیارت کو آئے۔ ان کے بعد مجاور کا عہدہ حاجی محمد بن عبدالستار صدیقی کو ملا جس پر وہ انتہی برس تک قائم رہے ان کے بعد شاہ حافظ محمد اسحاق مجاور ہوئے اور پھر حافظ محمد رضا اور حافظ محمد مراد جی محمد موصوف کے بیٹے اور اب مجاور فی حافظ محمد اسحاق کے خاندان میں ہے۔

رحمن بلوچ ڈاکو | مجھے سکھر میں بہت دن رتبے نہیں گزرے تھے کہ مجھے وہاں کے وہ سارق قبیلے نظر آنے لگے جو ہمارے گرد و نواح میں رہتے تھے میرے پہنچنے کے چند روز کے بعد رحمن بریدی جو ایک مشہور ڈاکو تھا خود حاضر ہوا اور ہمارے یہاں پچاس روپیہ ماہوار پر نوکری کی۔ وہ ایک لمبا ترش رشتہ شخص تھا لیکن ایک ہی ہاتھ رکھتا تھا دوسرے ہاتھ کو سندھ کے حاکموں نے اس خیال سے کٹوا دیا تھا کہ اب وہ چوری نہ کرے گا۔ مگر رحمن نے اس عمدہ کام میں اور زیادہ سرگرمی ظاہر کی۔ جون ہی اس کا زخم اچھ ہو گیا وہ پھر اپنے مشکلی گھوڑے پر سوار ہوا اور پہلا کام یہ کیا کہ ہمارے یہاں کے ایک غشی پر حملہ کر کے اسے

مجرد ح کیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اُس کے پانچ ایسے کاری زخم گئے تھے جس سے بجز اس کے دوسرا بچ نہیں سکتا۔ اس قسم کی بد معاشیوں سے اُس نے وہ شہرت حاصل کی کہ اُس کے قتل کرنے کے لئے انعام مقرر کیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد شہر محمد خاں برڈی جو برڈی فرقے کا سردار تھا پولیسکل افسروں کی ملاقات کو آیا اُس وقت حملن کی نسبت گفتگو چھڑی اور افسر نے اس بد معاش کی گرفتاری کی بڑی خواہش ظاہر کی۔ سردار کے لوگوں میں ایک بلوچ نے جو عمدہ پوشاک پہنے تھا اور اس گفتگو میں شریک رہ چکا تھا اُس کی گرفتاری کی ضرورت سے اتفاق رائے کیا لیکن اپنا سہ نہایت بخیمانی اور ظاہر بہت افسوس سے بلا کر کہا کہ یہ کام نہایت مشکل ہوگا کیونکہ حملن اتنا بڑا حرام زادہ ہے کہ اُس کا گرفتار کرنا ممکن نہیں۔ کچھ اور گفتگو کے بعد جلسہ ختم ہوا اور جب حملن نے ہماری نوکری قبول کر لی اُس وقت معلوم ہوا کہ وہ وہی بلوچ تھا جس نے اپنی گرفتاری کے لئے اس قدر سگری ظاہر کی تھی۔

بلوچیوں کے عادات و خصائل | لاڑمٹی کی طرح اس کا سر ہلانا اس کے بلوچی سامعین کے لئے پر معنی ہوا ہوگا اور بعد کو وہ سب سمجھتے ہوں گے مگر بلوچی ذہن اور لوگوں کے ہنسور

نہیں ہوتے ان کا طریقہ بالعموم سنجیدہ ہے بلکہ خشک اور جب کوئی شے انہیں متعجب کرتی ہے تو ان کے خیالات شافی لفظ وآہ سے زیادہ کسی اور طرز پر ظاہر ہوتے ہیں وہ عجیب و غریب قصوں کے سننے کے شائق ہیں اور وہ کہتے ہی ناقابل اعتبار کیوں نہ ہوں وہ کبھی شک نہیں ظاہر کرتے اگر اس میں جن یادوں کا ذکر آئے۔

ایک شخص نے ایک دن مجھ سے ایک قصہ قسمت کا کہا اور بیان کیا کہ پیارے خاں بلوچی کا واقعہ | میرے سامنے ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ ایک شخص پیارے خاں بلوچی جمالی

قبیلے کا ایک نوجوان موہنا رسپا ہی تھا اُسے لوگ بڑا نشانہ باز سمجھتے تھے۔ اور چند ہی لوگ شمشیر بازی میں اس سے بڑھ کر تھے۔ کسی وجہ سے وہ اپنے دوستوں کی رائے کے خلاف کمران گیا کیونکہ ایک پیر نے کہہ دیا تھا کہ وہ وہاں سے لوٹ کر نہ آئے گا۔ پیارے خاں ان کے بھلنے پر ہنسنے لگا اور اس بات پر راضی ہوا کہ جہاں تک ہوگا میں اپنے کو معرض خطر میں نہ ڈالوں گا۔ وہ گھر کو واپس آ رہا تھا کہ کھجوروں کے وہ خوشوں کے ایک بانڈ سے گزر رہا جو اس ملک میں افراط سے ہوتے ہیں اور وہاں کھانے کے دونا ناک چلانے

کی آواز سنی۔ اُس نے اوپر دیکھا تو ایک شخص نظر آیا کہ وہ ایک لمبے درخت پر عرق نکالنے کے لئے چڑھا ہے۔ وہ پاؤں سے اس درخت کو لپٹا ہوا تھا جس کی دھبہ سے اپنے کو ایک بڑے سانپ سے بچا نہیں سکتا تھا جو اُس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اُسے ڈسا ہی چاہتا تھا۔ پیارے اپنی بندوبست ہاتھ میں لی لیکن اُس کو خیال ہوا کہ وہ شخص جو سانپ کے سامنے بے نشانہ نہ ہو جائے۔ اس شخص نے ابتدائے خوف کی حالت میں اُس کو بندوق فیر کرنے کی آواز دی اور پیارے نے گولی اس قدر انداز سے کے ساتھ لگائی کہ سانپ کے سر کے پار ہو گئی اور وہ فوراً مر گیا۔ جو شخص درخت پر تھا وہ جلد جلد نیچے اترتا تاکہ اپنے بچانے والے کا شکریہ ادا کرے۔ مگر جب نیچے آیا تو اُسے مردہ پا کر نہایت گھبرایا۔ اس کا یہ سبب تھا کہ ایک ٹکڑا سانپ کے جڑے کا جس میں زہریلا دانت تھا گولی سے اڑ گیا اور پیارے کے چہرے پر آکر گرا جس سے اُس کا چہرہ زخمی ہو گیا اور زہر اس قدر تیز تھا کہ کمرانی کے اترنے سے پہلے وہ قسمت کا شکار ہوا میں نے اپنے نمٹی سے کہا کہ یہ قصہ عجیب قسم کا ہے۔ اُس نے کہا ہاں صاحب مگر یہ اُس کی قسمت میں لکھا تھا بس اور کیا کہا جائے۔

واقعی بلوچی عجیب و غریب باتوں کے بڑے شائق ہیں اور ان کو نہایت ایک بزرگ بلوچی کی پیش گوئی

مہل خیال تعداد وقت و تاریخ وغیرہ کا ہے جس میں ہم فرنگیوں کو صحت کا بہت خیال رہتا ہے۔ ایک پوٹیل افسر نے جو بلوچی پوچھا تھا واقعی وہی اکیلا شخص بول سکتا تھا، ایک بوڑھے سفید بال والے بلوچی کو جو زند قبیلے کا تھا اور اُس وقت انجینی کے مکان بنانے کے لئے انجینس لے جاتا تھا روک کر پوچھا کہ افغانستان پر انگریزوں کے حملہ کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اُس نے بڑھے سے مہر لگا کر کہا کہ ”میں خیال کرتا ہوں کہ تمہاری فوج لوٹ کر واپس نہ آئے گی۔ اس کے پہلے سات لاکھ آدمی ہندوستان سے کابل کے قلعہ کرنے کو گئے تھے مگر وہیں مر کھپ گئے!“ اسی طرح آپ کے سپاہیوں کا بھی حال ہوگا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ بتاؤ تمہارے نزدیک ہماری کس قدر فوج ہے تو اُس نے جواب دیا کہ تین لاکھ یہ تعداد کے معاملہ میں ان کی صحت کا اندازہ مشتبہ نمونہ اذخر دار ہے۔

فرنگی فوج کے شیطان | ایک مرتبہ میں نے گجٹی قبیلے کے سردار ذی برگ سے پوچھا کہ تمہارا کیا
سن ہے۔ تو اس نے بے تکلف کہا کہ ایک سو میں سال حالانکہ بہت زیادہ

سے زیادہ اس کا سن ستر برس کا ہوگا مگر اس سن پر بھی وہ جوان معلوم ہوتا تھا کیونکہ اب تک اس
کے بال کاٹے اور آنکھیں چمکیلی تھیں۔ بلوچی اُن انصروں کے پاس بہت آیا کرتے تھے جو اُن سے
لطف کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور جب دوسرا کام ہوتا رہتا تھا تو گھنٹوں بیٹھے ہوئے صرف کاروائی
دیکھا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری ہر شے ان کے لئے نئی اور دلچسپ تھی اور ہماری فوج
میں قبیلوں اور ذاتوں کی آمیزش سے انھیں بڑا لطف آتا تھا۔ اسی بارے میں ایک بلوچی نے
ذیل کی کیفیت ہم لوگوں کی نسبت اپنے قبیلے سے بیان کی۔ ”فرنگیوں کی فوج میں کئی قسم کے شیطان
ہیں۔ ایک شیطان جو کالا ہت پرست اور قابل نفرت ہے دوسرا گورے رنگ کا ہے جس کا کوئی
مذہب ہی نہیں ہے اور تیسرا دین دار مسلمان ہے جو مثل ہمارے نماز ادا کرتا ہے۔“

سکھر کے بلوچ | سکھر میں جس قسم کے بلوچی ملتے ہیں وہ بالعموم بجز وطن کے ایسے تھے کہ
اُس قوم کی نسبت ایک عمدہ خیال پیدا ہو سکتا ہے مگر اس خیال کی

ان خبروں سے تصدیق نہیں ہوتی جو روزانہ آنے کے ناکوں سے ان کی غارتگری موٹا اور
قتل کی آتی تھیں۔ سکھر کے قریب جو قبیلہ رہتا ہے اس کے خاص اوصاف بہت
زائل ہو گئے تھے جو ساکے لوگ جوان کے قبیلہ کا نام ہے جس کے معنی ڈاکو کے ہیں اور جس
کے لینے میں بڑے گھونٹے سمجھی جاتی تھیں۔ لوگ اب امن و امان کے ساتھ کاشت کاری کرتے تھے
اور باوجودیکہ اپنے ساتھ تلواریں اور لڑائی کے سامان رکھتے تھے اور ان کا معرّفہ میں لانا
نہیں چھوڑتے تھے تاہم صرف اپنے مونسوں اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے۔ ان کے
سردار قادر بخش نے جو بنیاد ہی وجہ جوان تھا اور جس کی صورت نہایت حسین اور آواز
باریک تھی۔ بہت ہی کم جنگی سرگرمی ظاہر کی اور بخوشی اس نے ہم لوگوں کے ساتھ اپنے
قبیلے سے ایک دستہ سواروں کا دینے کا وعدہ کیا جو سکھر اور شکارپور کے درمیان خطوط

پہنچاتے تھے اور اُس ضلع میں بطور پولیس کے سواروں کے کام دیتے تھے۔

اس زمانے میں ان لوگوں سے ہمارا بڑا کام نکلا اور جو خیف تنخواہ اُن کو ملتی تھی اس سے زیادہ کے وہ مستحق تھے کیونکہ علاوہ خاص خدمت انجام دینے کے ان کی مثال سے اور ضلعوں کے رہنے والے شہرارت نہ کرنے پائے اور اُن کو ہم سے درستی چال چلن پر تنخواہ اور ملازمت پانے کی امید ہوئی۔ اس طریقہ سے اور اس خیال پر کارروائی کر کے ایک دستہ پولیس کا اُس افسر نے رفتہ رفتہ تیار کیا جس سے متعلق پہلے شمالی سندھ کا پولیٹیکل انتظام تھا۔ چونکہ اس ذریعہ سے جو لوگ زیادہ چست ہوتے تھے وہ بحال ملازمت پاتے تھے اور مختلف حصوں اور دستوں کی آمد و رفت کی حفاظت ہوتی تھی۔ پس یہ امید ہوئی کہ بہت جلد قدیم کیفیت خوں ریزی اور طوائف الملوکی کی جاتی رہے گی اور کل صوبے کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوگی یہ امیدیں کیوں کر خاک میں مل گئیں یہ باطن لوگوں کے ذہل کے ابواب سے معلوم ہوگا۔

باب ۳

کابل کی مہم

جنگ افغانستان میں شکست کے سبب فارسی کی ایک مثل ہے کہ اگر ہرن کے شکار کو چلے تو شیر کا سامان کرے۔ مگر جن حضرات نے افغانستان فتح کیا تھا

انہوں نے بدقسمتی سے اس کے برعکس معنی نکالے تھے۔ یعنی شیر کے شکار کو گئے اور ہرن کا سامان کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ ہماری فوج دشمن کو حقیر سمجھتی تھی۔ حالانکہ وہ

دانی کہ چگفت زال یا رستم گرد
دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمرد

یہی میرے نزدیک پہلی وجہ جنگ افغانستان میں زک ٹھانے کی ہوئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی ایسا سردار نہ تھا جس میں مستقل مزاجی اور قوت فیصلہ ہو۔ اگر سرنہری پاٹھن یا سرچاپس نیپیر کابل میں بطور سفیر کے ہوتے تو کبھی جنگ کی نوبت نہ آتی۔ تیسری وجہ ہماری بے آبروئی اور شکست کی اسی وجہ سے پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے کیونکہ اگر کوئی عمدہ جنرل افسر ہوتا تو اس نے کبھی اپنے کو کابل میں شاہ شجاع الملک کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ یعنی فوج کو ایسے شخص کی خانات نہ کرتے دی ہوتی جو ان کی تباہی کی فکر میں تھا اور نہ اسے ایسی حکمت رکھتا جہاں وہ نہ اپنے کو بچا سکے نہ بھاگ سکے۔ اب ان تینوں

وجہوں کی جانچ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے آیا وہ موجود تھیں اور وہ اس نتیجہ کے لئے کافی تھیں جو ظاہر ہوا
یعنی ہماری فوج کی بربادی اور ہماری بدنامی جو اس وقت تک نہ ہوئی تھی اب ہوئی۔

کوئی شخص نہ کہے گا کہ جو فوج فردری سنہ ۱۳۲۷ء کو دریا سندھ کے پار اترتی ہے۔ وہ تعداد قواعد والی ایسا
حرب کے اس تمام ملک کے نفع کرنے کے لئے کافی نہ تھی جس پر شاہ شجاع نے حکومت کی تھی۔ لیکن قسمتی سے
وہ فوج دریا سندھ سے بالا حصار تک بغیر دشمن کا مقابلہ کئے ہوئے بڑھی جو درہ بولان اور خوجاک کے ساتھ
اور اس بھیڑ سے ترہ کر قوی تھی جس نے غزنی کے شہر پناہ کے قریب ہمارا مقابلہ کیا۔ خراسان کے وسیع
ملک میں ایسا خوف حاصل تھا جس کی شرح نہیں ہو سکتی اور محراب خان اور دوست محمد کے سپاہی انگریزی
فوج کے نام سے کانپتے تھے۔ پہاڑ کے بلوچیوں کی تیز تلواریں میان میں پڑی مڑی تھیں یا صرف بہتے اور تہا
مسافر پر کھینچتی تھیں۔ یہ پرانی مثل حرفہ و نظام جمع تھی کہ ایک شخص سینکڑوں کا تعاقب کرے گا اور ہزار اس
کو دیکھ کر بھاگیں گے۔ ایک فوج ان افسر نے جس نے اس وقت سے ہماری خون ریز لڑائیاں دیکھی ہیں
ایک مرتبہ کہا کہ کوئی میرے ساتھ ایک نایک اور تین سپاہی کر دے اور مجھے جہاں کہے بلوچیوں کے پہاڑوں
میں چلا جاؤں۔

ایک نے جو اس وقت ایک ہزار آدمیوں اور تباہی کے منہ میں لئے جاتا تھا یہ لکھا تھا کہ
میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بلوچی جم کر ہمارا مقابلہ کریں مگر اس کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ان خیالات کے مطابق
کارروائی کر کے ہم نے جو کچھ اس وقت تک کیا جب تک کہ متواتر شکستوں سے ہماری آنکھیں نہیں کھلتی تھیں
وہ صرف حماقت، غنیمت اور بے احتیاطی تھی۔ اسے کوئی یقین نہ کرے گا کہ جہاں قلعے موجود تھے وہاں ہماری
فوج میدان میں ان سے ہٹ کر ایک فاصلہ پر خیمہ زن تھی جس پر دشمن حملہ کر سکتے تھے اور رسد اور خزانے
سے بھی وہ الگ تھے۔ بعض وقت بڑی بڑی قمیصیں روپیہ اور ٹھوک چاندی کی فقط ہیں سپاہیوں کی
محافظت میں چھوڑ دی جاتی تھیں۔ کبھی کوشش اس بات کی نہ کی گئی کہ ان بڑے بڑے دروں میں چھوٹی
بنائیں یا فوج رکھیں جو خراسان کی کئی تھی۔ قندھار اور دریائے سندھ کے درمیان جو مقام نہایت ہی ضروری
تھا اس کی خبر داری کے لئے ایک ہندوستانی افسر اور تین سپاہی کافی تصور کئے گئے مگر واقعی کیفیت یہ تھی جو بیان کی گئی۔

قلات کی جنگ

قلات جس کے لئے بہت کچھ خونریزی ہوئی تھی یونہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور نومنتوج ہر وہیوں سے ان افعال قبیلہ کے سرزد ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی جو وہاں کے بد نصیب انگریز ایجنٹ کی نسبت بالکل ہی محض طبیعت سے گھڑ کر عائد کئے گئے ہیں کہ ایسے بالکل ہی غیر محفوظ قلعہ کو پھر چھین لیتے۔ یہ بیہودہ خیال دشمن کی بزدلی کا اس قدر حادی ہوا کہ اس جرئیل نے جو بونہ خوش قسمتی کے اور نہ اپنی زور بیاقت سے کابل میں مظفر منصور داخل ہوا تھا پہلا کام سندھ سے لڑنے وقت یہ کیا کہ وہاں کی فوج کے چار حصہ افسروں کو چھانت دیا۔ شمالی سندھ کے کل حصہ میں کوئی انجیر باقی نہ رہا اور جو شخص کیسے ہی پھر حیلہ سے بخت کی درخواست کرتا تھا اُسے رخصت مل جاتی تھی۔ اسی خیال سے میرے بہادر دوست والپول کھارک چالیس سواروں اور ایک مختصر پیدل فوج کے ساتھ ایک بے شمار تپڑوں کی محافظت میں مری کی پہاڑیوں میں گئے یعنی ایسے طلب مقامات میں جس سے گندلے کی پوری پلٹنوں نے ناحتہ کوشش کی اور اسی خیال سے ہمارے جرئیل باغ میں چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ٹھہرے اور چھوڑ ہندوستانی پیدلوں کو کجک کے قلعہ پر بھیجا جس کی محافظت میدان کے رہنے والوں میں سب سے بہادر قبیلہ کر رہے تھے جنہوں نے مری کی پہاڑیوں سے مقابلہ کیا تھا اور بہ حفاظت نکل گئے تھے۔ پُرانی مثل مشہور ہے کہ ”مری می ناند کبوہ و کجک بہ میدان۔ یعنی مری کو اپنی پہاڑیوں پر فخر ہے تو کجک کو میدان پر۔“ انہیں خیالات سے ہم لوگوں نے شمالی دروں کے محافظوں کی تنخواہ ادا کرنے میں بے ایمانی کی اور کابل کی فوج کا ایک بڑا حصہ موسم سرما کی آمد پر واپس بلا لیا اور جو لوگ باقی رہے انہیں اُس مقام پر رکھا جہاں وہ بے آسانی سامان رسد سے محروم کئے جا سکتے تھے۔

بالآخر انہیں خیالات کے باعث ہمارے آگے کی فوج کے ساتھ بال بچے بھی تھے۔ کوئٹہ کے پولیسکل افسر کو سب سے ہلا تر افسر نے لکھا تھا۔ ”آپ چاہیں تو بقیہ زندگی بے آرام تمام شال کی سبز وادیوں میں بسر کریں۔“ یہ الفاظ قریب قریب صداقت کو پہنچے لیکن اُس معنی میں نہیں

جو قصود تھا کیونکہ چند ہی جہینے گزرنے پر ہمارے شمال کے پیشوی کو گھروں کی ایک جماعت سے اپنی حفاظت مایوسی کے ساتھ کرتی پڑی۔ جنہوں نے حملہ کرنے سے قبل ایک کٹا اس خوش نیتی سے قربان کیا تھا کہ کوئی دیتا اُن سے راضی ہو کر فرنگیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرنے کا موقع دے۔ اس پر تکلف یہ ہوا تھا کہ ہمارے شمال کے دوست نے بھی ایک خط میں کہ ہن کے قلعہ کی جانب جس کا اپنی گھروں نے جن کے چاقو اب اس کے گلے کے لئے تیز ہو رہے تھے سخت محاصرہ کر رکھا تھا فوجی امداد روانہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑے ہی دن قبل مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ درہ بولان کی راہ کوئی آہ حرب یا فوجی امداد یا اور کوئی شے نہیں بلکہ براڈ ورڈ کا عمسہ پیا لونا جا بھیج دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس وقت وہ کسی وحشی گلہ یا لہجے والوں والے بلوچی کے اسباب میں شامل ہے۔

یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ایسا طریقہ کسی ہوشیار اور تیز افسر اعلیٰ کی سرولیم میکنٹن کی نالی | ماتحتی میں قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی شخص کو جو سرولیم میکنٹن کے انتظام سے جو کابل میں کیا گیا واقف ہو اس امر میں شک نہیں ہو سکتا کہ جب ان میں پہلا دھنک نہ تھا ان کی حکومت ان اضلاع کے باہر جو اس شہر کے ماتحت تھے اس قدر کم عمل میں لائے جاتے تھے کہ انھیں مشغلت کوئی افسر اعلیٰ یا حاکم حدیائے سندھ کے پار کے ملک کا قلعہ کر سکتا تھا۔ جو پولٹیکل افسر کونستہ اور قندھار میں تعینات تھے وہ اگر برائے نام نہیں تو فی الواقع خود مختار بادشاہان کی حکومت کے کام لیتے تھے اور شمالی سندھ کا افسران کی حکومت بالکل نہیں تسلیم کرتا تھا۔ اس کے سوا خاص خاص فوجی افسر اور بھی زیادہ غیر مانوس تھے اور سول اختیارات کے رشک کو اس قدر زور دیتے تھے کہ ظاہر ان کی غرض ان ہدایتوں کے خلاف کرنے کی معلوم ہوتی تھی جو کابل سے ہوتی تھیں نہ ان کے بموجب کرنے کی۔

یہ ایک دوسری بہت قوی وجہ برائی کی تھی۔ اس عزیمت کا کوئی سرور نہ تھا۔ بہ مختلف مقام کے فوجی اور ملکی سرور جدا جدا تھے اور دریا سے سندھ کی فوج ملک اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی قبیلوں

کی جماعت کے مشابہ تھی جس کا ہر ایک سردار اپنے ہمسایہ سے لڑنے پر زیادہ آمادہ نظر آتا تھا۔ نہ یہ کہ جو مقصد دشمن کے مقابلے میں تھا اس میں مدد دے۔ جس وقت جنرل ٹاٹنبرگ کے معروف پولیٹیکل افسروں کے خلاف خطوط تیار کر رہا تھا شمالی ہند کے ریڈیٹ اور جرنیل سامان کر رہے تھے کہ اپنا اختلاف بذریعہ کوئی کے جلد طے کہ لیں اور شملین کی ضد اور خود سرقی کابل کے سول افسر کے مقابلے میں ظاہر ہونے ہی والی تھی۔ اس وقت میانہ کے ترش رو اور ہراسے بہادر کی طرح کسی فوجی ساحر کے عصائے سحر انگیز کی ضرورت تھی کہ ان مخالف عناصر کو متفق کرے۔ ایسا کوئی نہ ملا اور اس ہنگامہ میں مفتوح قوم نے سراٹھانا شروع کیا۔ مریوں کی تلوار نے پہلے اس بات کو ثابت کیا کہ فرنگی ایسے نہیں ہیں کہ ان ہمدرد نہ چل سکے اس کے بعد بروہی اور گھر قوموں نے بلوہ کیا اور کابل تک آگ لگ گئی۔

شاہِ افغانستان | ذرا ہماری فوج کی ماتحتوں کو نو دیکھتے انھوں نے سوچا کہ کابل والے جو اپنے ہی لوگوں کا خون بہاتے ہیں وہ غیر لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آئیں گے۔ تعجب ہے کہ ہمارے ملکی افسروں کو یہ خیال نہ آیا کہ وہ پُرانا مغرور و ظالم کینہ در شاہ جو اپنی نسبت کبھی بجز ”ہمایوں“ کے دوسرے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا اپنے تخت کے قریب خود مختار اجنبیوں کو کب برداشت کر سکے گا۔ انگریزی فوج کا رہنا ان کے لئے سخت نامی کا موجب تھا اس کے لئے یہ گویا پہلو میں خار تھا اور اس کی رعایا کے لئے داغ بے آبدی اس کو لمحہ بہ لمحہ ہر ایک بنو ق سے جو دشمنی تھی اور ہر ایک علم سے جو لہراتا تھا خیال ہوتا تھا کہ اجنبیوں نے اسے تخت نشین کیا ہے اور جب تک وہ وہاں خیمہ زن رہیں گے ان کی مرضی کے خلاف اس کا کوئی حکم موت یا زہر کا نہیں جاری ہو سکتا تھا۔

بھلا یہ ممکن تھا کہ وہ شخص جو اپنے بھائی کو اپنا ہم رتبہ سمجھ کر نہ دیکھ سکادہ کسی غیر ملک کے ایلیچی کے کہنے پر چلے گا۔ شروع ہی سے میرے خیال کیا کہ اس کا ہماری فوج کو کابل میں رکھنا سخت غلطی تھی۔ مگر اس سے ہم لوگ ہمیشہ شاہ اور اس کی رعایا کے بیچ میں بطور دیوار کے تھے۔ شجاع الملک کو

بہر خان نے نہایت عقلندی سے کہا تھا۔ جس پر خیال کرنا ہمارے لئے بہتر ہوتا کہ "اگر آپ بادشاہت کرنا چاہتے ہیں تو انگریزوں کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ حکومت کرتے ہیں تو آپ کا یہاں کیا کام ہے؟ لیکن اس کے سوا اس زمانے میں بہ لحاظ اپنی حالت کے کابل کوئی فوج کے رہنے کی جگہ خیال کئے جانے کے قابل نہ تھا کیونکہ اول تو ایک جانب ہم لوگ اپنی سرحد سے دشوار گزار دروں اور مشکوک معاہدوں کے وسیع ملک کے باعث جدا تھے اور دوسری جانب لڑاکا غازیوں کے دشوار گزار ملک کے سبب سے اس خفیف مدد سے بھی محروم تھے جو قندھار سے ملی ہوتی۔ کسی دوسری جگہ کا خیال کرنا جو اس سخت مصیبت کے پیش آنے کے لئے زیادہ موزوں ہو جو آخ میں آئے غیر ممکن ہے۔ میر ابو رحمانی جس نے دوست خد خاں اور اکرم خاں کے ساتھ کام کیا تھا انٹر کہا کرتا تھا کہ۔

"صاحب! آپ لوگ کابل میں کہ نہیں جانتے۔ جس وقت امن کا زیادہ ذکر ہوتا ہو تو سمجھ لیجئے کہ بڑے ہونے والا ہے۔ کابل کے بازار میں آپ کی سنگینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تلواریں کافی ہیں۔"

برطانوی حکمت عملی | اس میں شک نہیں کہ پہلی صحیح حکمت عملی یہ تھی کہ شاہ کو بلخ میں تخت نشین کر کے اسے اس کی فوج کے ساتھ چھوڑ دیتے تاکہ جیسا جی چاہے

کرتے اور خود قندھار کو چلے آئے ہوتے۔ وہاں ہم نے اپنی فوج جمائی ہوتی اور قوی حصہ قلات میں تعینات کر دیا ہوتا اور فوج اور بولان دونوں کی بھی قلعہ بندی کر کے تیل دیکھتے اور تیل کی دھند۔ کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ کابل میں ہنگامہ ضرور ہوا ہوتا مگر یہ بھی اغلب ہے کہ شاہ کو انخان مددگار اس قدر کافی مل گئے ہوتے کہ وہ اپنی سی کرلیستہ۔ سارے چلے آئے سے اس کے اور رعایا کے درمیان جو وہ رنجش کی تھی وہ جاذب تھی اور جب اسے اپنا ہی بھروسہ کونا پڑتا تو اس نے زیادہ ہوشیاری کی ہوتی اور بے شک اس امر کی احتیاط کرتا کہ خاص خاص لوگ جن سے خدشہ تھا وہ بغاوت سے پہلے ہی دفع کر دیئے جائیں۔ ایک بڑے شخص کا مقولہ ہے کہ "اتوام کا مشرکہ قانون جو مذہب قوموں میں قابل انحراف نہیں سمجھا جاتا نیم وحشی قوموں میں نہیں برتا جا سکتا۔ یہ مقولہ عاتلانہ ہے گو کہ اس میں کسی قدر لوث قدیم اسپینا کا ہے اور کچھ نیمیر جیوٹ لوگوں کے لوہے

لاہے۔ یہی کیفیت فرماں روائی کے قواعد کی ہے۔ سخت انصاف رحم اور تحمل جو انگریزی تاج میں اس قدر چمک دیتے ہیں افغانی تاج میں محض بیکار کھلونے معلوم ہوں گے۔

بہر حال یہ شاہ ہے کہ چاہے شاہ اپنے تخت پر قائم رہے یا اتار دیا جائے۔ ہم کو اس سے کوئی مطلب نہ تھا اگر اس قومی فوج سے قندھار پر قبضہ رہتا تو ہمارا اختیار تب بھی بہت رہتا اور خواہ کابل میں سدوزی یا بارکزی خاندان فرماں روائی کرتا ہم دونوں سے اپنے شہر اپنے کی تعمیل کر سکتے قندھار کے گرد و نواح کے ملک سے رفتہ رفتہ ہم لوگوں نے بہت کچھ مال گزاری دسوں کی ہوتی اور غالباً وسط ایشیا اور ہندوستان کی تجارت اس ایک راہ میں مل جاتی مگر ہماری قسمت میں خراسان میں حکومت کرنا نہ تھا۔

شاہ افغانستان اور سردار خیر پور میں محاصرت
اگرچہ ہماری غلطیاں افغانستان میں اس قدر نمایاں تھیں اور سزا بھی ویسی ہی سخت دی گئی۔

تاہم شمالی سندھ میں جو حالتیں ہم سے ہوئیں وہ بھی کچھ کم نہ تھیں۔ ہرچند کہ یہ ملک کم دشوار گزار تھا اور ہمارے ہندوستان کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ یہاں اس قدر بربادی کا نتیجہ کچھ نہ ہوا اب ذرا ان معاملات کی جانچ کیجئے جو ہمارے اور خیر پور کے امیدوں کے درمیان پیش آئے اور ان سے چند حالات کو اخذ کیجئے جو بلوچک میں نہیں ملتے اور جنہیں سندھ کے بیکس امیدوں کے مقابلے میں دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ خیر پور کے سردار شاہ کے صرف دار ہونے کی کوئی بڑی وجہ نہ رکھتے تھے کیونکہ ہماری عزیمت کے چند سال قبل ان کے دو نہر جری سپاہی اور بہت سے امیر اس سے لڑ کر ہلاک ہوئے تھے یہ لڑائی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان سے زیادہ محصول مانگا تھا جو وہ نہ دے سکتے تھے۔ نہ ان کو کوئی وجہ انگریزوں سے ملاؤس ہونے کی تھی اور نہ نجات شگہ ان کا جاتی دشمن تھا۔ جب یہ تینوں شخص آپس میں مل گئے اس وقت بھی تعلقات کے رو بہ اصلاح ہونے کی اس وجہ سے اور امید نہ تھی کہ خیر پور کے دوسرے سردار میر مبارک سے شاہ نے کابل پر چڑھائی کرنے کے لئے سات لاکھ روپے طلب کئے۔ اس پروردہ یہ ہوا کہ شمالی سندھ میں دسندھیوں کی رائے کے

مطابق، بکر کا قلعہ جو سب سے مرکزی جگہ تھی اس کی نسبت بڑے امیر میر مستم خاں سے کہا گیا کہ انگریزوں کے حوالے کر دوں۔

پہلی برطانوی سفارت | اس بڑھے نے پہنچے ہی سے جب سے ہماری سفارت سندھ میں گئی تھی انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کرنے کا سخت رجحان ظاہر کیا تھا۔

اُس نے فوراً اپنا قلعہ ہمارے حوالے کیا اور اپنی تھوڑی بساط کے موافق رکھونکہ واقعی اس کی بساط تھوڑی تھی، ہماری فوج کے آگے بڑھنے میں مدد دی۔ اس کی عمل داری میں ہماری فوج کے آگے بڑھنے کے زمانے میں چوریاں اور زیادتیاں بے شک ہوتیں۔ لیکن جو لوگ اس ملک سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہاں بڑی اور مزارعی قبیلوں کے خوشخوار بلوچیوں کے گروہ زیادہ ہیں جو خیر لوہر کو ذرا نہیں مانتے اور جو شاید خود امیر کی بھی عزت نہ کرتے۔ البتہ ان لوگوں نے جو اس معاملہ سے کم واقف ہیں، بیان کیلئے کہ پہاڑی قبیلوں نے کسی قدر امیروں کے حکم سے ایسا کیا۔ چنانچہ یہی خاص الزام نصیر خاں پر ہے کہ یہ کیا گیا تھا کہ اس نے بی مرگ گئی کو ہم لوگوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

ہر چند کہ چند سال قبل خود خیر پور کی فوج نے چند زیادتیوں کا انتقام لینے کی غرض سے ان پہاڑیوں پر حملہ کیا تھا۔ جہاں مری اور گن قبیلے والے ہیں اور سخت نقصان کے ساتھ ان بہادر پہاڑیوں کے ہاتھوں زک اٹھائی تھی۔ میرے ہی زمانے میں حیدر آباد کے ذریعے کے ایک قریبی بشتہ دار کو بڑی ڈاکوؤں نے شکار پور میں مار ڈالا تھا۔ پس یہ بخوبی یاد رکھا جاسکتا ہے کہ امیروں کو کوئی اختیار، ان چوریوں اور غورزیوں کے منہ کے کاٹنے تھا جو ہماری فوج کی روانگی کے درمیان واقع ہوئیں۔

خیر پور کے ساتھ جو مسلح امروہا تھا تو امیروں نے ایک جملہ خاص اسی جگہ کی نسبت برخواستہ کیا تھا کہ ہم لوگ یعنی انگریز ان کا کوئی قلعہ جو دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہے دیں گے۔ اس پر انگریز ابھٹنے لگیا ہی پر مٹی جملہ کھٹ تھا کہ تعجب ہے کہ چاہے لوگ خود کسی منہ کی کھاتے ہیں۔ انھوں نے یہ کوئی شرط نہیں سمجھوائی کہ ہم لوگ بکر میں فوج نہ رکھیں۔ غرض یہ ہے کہ بکر دریا کے اندر ہے اس لحاظ سے دریائے سندھ کے کنارے پر نہیں۔ ۱۱

بعینہ جس طرح ہم لوگ اپنے ملک میں ٹھکی اور دیکھتی کو دفع نہیں کر سکتے اس لحاظ سے امرا خیر پور کے خلاف کوئی وجہ شکایت کی نہ تھی۔ اور خاص کر میرستم کے خلاف جب لوگ پہلے شمالی سندھ میں گئے اس کے برعکس ہم لوگوں کو اس سردار کی مستعدی اور امداد پر خوش ہونا اور شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا جیسا کہ ہم نے واقعی کیا۔ اب دیکھئے کہ اتے بھی ہمارے برتاؤ سے خوش ہونے کی ویسی ہی وجہ تھی۔ پہلا واقعہ جو ہوا وہ ایک ایسا امر تھا جسے ہم لوگ چاہے خفیف تصور کریں لیکن اگر اس لاعلمی کو دیکھیں جو ہمارے طرز اطوار کی نسبت ایک نیم وحشی دربار میں ہوگی۔ جہاں ہم حال ہی میں پیش ہوئے تھے تو شاید ہم کو اُسے کسی قدر سنگین تصور کرنا ہوگا۔

میر مبارک کا انتقال | میر مبارک جس کے ساتھ ہم لوگوں نے سختی کا برتاؤ کیا تھا ہمارا ہوا جس کے لئے ایک انٹرنیٹ طبیب خیر پور بھی گیا۔ اُس نے مریض کو دیکھا

اُسے لٹھ پلویا اور اُس نے فوراً قضا کی۔ ہم لوگ صاف صاف دیکھتے ہیں کہ یہ سانحہ ناگزیر دھول سے پیش آیا مگر گمان غالب ہے کہ وہاں والوں نے اس عجیب اتفاق کو بدگمانی سے دیکھا اس کے بعد جو کارروائیاں ہوئیں کیا وہ ایسی نہیں جن سے وہ شک دے ہو۔ ہالہ ایجنٹ جس سے امیروں سے بہت نفرت تھی۔ وہاں سے بلالیا گیا۔ اس کے جانشین نے اپنی آمد کو ایسے فعل سے شہرت دی جس کی نسبت اگر بہت کم کہا جائے تو یہی کہ وہ غیر معمولی سختی کا تھا۔ اُس نے روہڑی کے سندھی کا۔ دار کو حاضر ہونے کے لئے پیغام بھیجا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں میرا کی جانب سے ایک عہدہ دار ہوں اگر ایجنٹ کو ضرورت ہو تو خود آئیں۔ اس پر فوراً ایک افسر مع ایک کمپنی سپاہیوں کے بھیجا گیا جو اُس بد قسمت کاردار کو گرفتار کر لے سفیر کے روہڑے آیا انھوں نے سخت حکم دیا کہ اُسے دن بھر بھوکا دھوپ میں رکھو۔ اس کی تعمیل ہوئی اور اس غریب کو اپنی جرات پر سخت افسوس کرنا پڑا۔

میرستم کی اہانت | دوسرا فعل اس سے بھی بڑھ کر میرستم کے رنج کا باعث ہوا۔ واقعی کسی دوسرے فعل کا خیال کرنا جس سے زیادہ رنجیدہ ہونا غیر ممکن ہے۔ اس کا ذریعہ ایک

بوڑھا مثل اس کے سفید بال والا شخص تھا وہ اس کا دوست تھا اور اسے وہ اس قدر ماننا تھا کہ جب ایک مرتبہ میر رستم کے بڑے لڑکے نے اسی وزیر کو سخت دست کہا تو اس نے نہایت رنجیدہ ہو کر وزیر سے فرمایا کہ "نفع محمد تم ناخوش نہ ہو یہ الفاظ تمہاری نسبت نہیں ہیں بلکہ میری نسبت ہیں۔ جو تم کو بڑا کتابت مجھے کتابت۔ اس شخص کو جو سندھ میں اعلیٰ درجہ کا تھا ایجنٹ کے سامنے کسی نہ دی گئی۔ سندھ کا ایک اول درجہ کا سردار ہمارے عہدہ دار کے رو برو کھڑا رکھا گیا۔ یا اسے زمین پر بیٹھنا پڑا حالانکہ انگلستان میں اگر کوئی "بند و مود" اگر ملک کے رو برو کرتی پر بیٹھے تو کچھ خیال نہیں ہوتا یہی نفع محمد غوری ہماری پہلی سنارت کے استقبال کے لئے جو سندھ میں گئی تھی تعینات ہوا تھا اور اُس وقت اُس نے ہمارے ہاں کے لوگوں سے وہی احاطت کرائی ہوتی جو اُس وقت اس سے کرائی گئی۔ جب کمرے سے وہ باہر نکلا تو اُس نے کہا کہ "کیا یہ شخص جہول فرشتہ ہے۔ اگر میرے عہدے کا خیال نہ کرتا تو مجھ بوڑھے کی جو اس کے دادا کے برابر ہے کچھ عزت کرتا۔"

ایہ ضرور تسلیم کیا جائے گا کہ یہ امر کافی تھا جس سے وہ وزیر بعد کو ہم لوگوں کا امراء میں ناچاقی مخالف ہو گیا۔ لیکن بہت سی باتیں اور بھی اسی قسم کی ہوئیں۔ چونکہ ہمارے ایجنٹ کے ساتھ بہت سے عیار ہندو محرر اور منشی تھے تو کیا ممکن تھا کہ وہ لوگ کوئی موقع ان مسلمان سرداروں کے ذلیل کرنے سے اور اُس صداوت کو بڑھانے کا جو درمیان ایجنٹ اور رئیس خیر پور کے تھی اور نیز اس امداد کی تحریک کرنے کا جو ایجنٹ بدقسمت امیروں کی نسبت رکھتا تھا اٹھا رکھتے۔ واقعی بہت کم احتیاط اس مخالفت کے پوشیدہ رکھنے کی کی جاتی تھی۔ جس کے مطابق ہمارا ایجنٹ کام کرتا تھا جو اُسے اُس نزع کی کیفیت معلوم ہوتی جو رستم خاں اور میر نسیر خاں کے مقابلے میں میر علی مراد کے تھی تو اُس نے فوش ہو کر کہا کہ "اب وہ میرے قبضہ میں ہے۔"

اس وقت سے اس کی حکمت عملی یہی تھی کہ خنی الوسع امیر کے خاندانی جھگڑوں کو ترقی دے۔ میر علی مراد جس نے ہم سے پہلے التفات نہ کیا۔ جس کے پاس ایک بڑی جماعت مسلح لوگوں کی تھی جو سب سے زیادہ لائق تھا اور جس کی زیادہ خواہش ہمارے لئے وقت پیدا کرنے کی تھی یک بیک اُس

کی طبیعت بدل گئی۔ اُس کے اور ہمارے ایجنٹ نمشی ترنبیا سلاہے کے درمیان برابر خط و کتابت ہونے لگی۔ یہ وہ شخص تھا جس کو آخر میں ہر افعالیوں اور نہایت ہی صاف صاف ہر چلنیوں کی ہنرا دی گئی۔ ان دنوں لوگوں میں سرگوشیاں ہوتی تھیں کہ اُس نے ڈبجی کے سردار کی طرف داری ہلا دی نہیں کی ہے۔ کیا ضرور ہے کہ اب اس کی کیفیت اور بیان کی جائے۔ میرستم جو انگریزوں کا پکا دوست تھا اب اسی قدر دشمن ہو گیا۔ اس سے کہا گیا کہ اپنے پڑاے رفیق وزیر کو رخصت کر دے اس کی شنوائی انگریز حکام کے یہاں نہ ہوتی تھی اور اس کے چھوٹے بھائی علی مراد کی چڑھی بارگاہ تھی۔ اس کو ایک آنہی خواہی گردن پر محسوس ہونے لگا اور یہی خواہش ہوئی کہ اُسے الگ پھیلے۔

میرستم کی معذولی اس کے خاندان کے تمام نوجوان اُس کے ہم خیال اور شریک تھے بجز ایک شخص کے جس نے اپنے خاندان کو تباہ کر کے عروج حاصل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بوڑھے امیر کا غصہ اور بھی زیادہ ہوتا ہو گا جب کہ وہ خیال کرتا ہو گا کہ اُس نے انگریزوں کو اپنے ملک میں اعتبار پر بلالیا۔ جب ہماری کامیابیوں کی خبر جو قندھار اور غزنی میں حاصل ہوئی تو پورے میں پہنچی تو اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ انگریزوں کو بکرا کا قلعہ دیدیتے اور فوج کے آگے بڑھنے میں جو امانت کی گئی ہے۔ اس کا صلہ بہت معقول ملے گا۔ یہ اکثر کہا جاتا تھا کہ ایک یادوؤں دیرے دیرہ غازی خاں و اسماعیل خاں اُسے مل جائیں گے۔ کس قدر اس کو مایوسی اس وقت ہوئی ہوگی جب کہ وہ اپنے عہدہ ریاست یعنی سردار علی سے تنزل کر دیا گیا اور اس کا چھوٹا بھائی اس کی جگہ مقرر ہوا۔ اور اس کے وزیر کی پہلی ذلت ہوئی اور پھر اس کے یہاں سے نکلوا دیا گیا اور خود اُس کے سفید بالوں کو بچائے اس کے کہ ان کی عزت ہوتی کمزوری اور حکمرانی کی ناقابلیت کا ثبوت سمجھا۔ پہلے اُس نے بہت کوشش پولیسکل افسر کے راضی کرنے کی کی مگر بے سود۔ اُس نے متواتر پیغامات اپنے دوستوں کے پاس جن میں میں بھی تھا اپنی جانب سے سفارش کرنے کے لئے بھیجے مگر ہمارے کہنے کی کچھ سماعت نہ ہوئی اور آخر جس غمگی کا برتاؤ اس کے ساتھ کیا گیا تھا اس کا ضروری نتیجہ ظاہر ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ سرچارلس فینیز کے سندھ میں جانے کے بہت عرصہ قبل سے جس خیالات سے انگریزی رژیمنٹ اور اس

کے وہ اسٹنٹ جو اس کی تقلید کرتے تھے دیکھے جاتے تھے وہ حقارت سے کم نہ تھا بلکہ جس وقت کیپٹن کینڈی اس جگہ بطور پولیسکل افسر مقرر ہوا اور وہی ایک کیپٹن کینڈی کا تقرر | ذریعہ ہمارے حکام اور امیروں کے درمیان خط و کتابت کا تھا تو سندھی سرداروں کی مخالفت علانیہ ظاہر ہونے لگی۔ خیروپ میں پہنچنے کے دوسرے اور تیسرے دن اُس پر گولی چلائی گئی اور اس کا کام اس قدر عجلت کے ساتھ ختم ہوا تھا کہ مورخ کے لئے کچھ لکھنے کی بہت کم جگہ باقی رہتی ہے۔ جب چیف پولیسکل افسر امیروں کی ملاقات کو ہمراہی جرنیل اور ایک زبردست گارڈ کے گہا جو کسی بادشاہ کے شاہیاں تھا نہ کہ ایک رنڈیٹ کے۔ تو اُس پر گولی چلائی گئی اور اُس کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ ہر چند کہ یہ فعل بڑی دھڑائی کا تھا مگر اُس وقت اس میں بہت کچھ مبالغہ کیا گیا تھا۔ پیشہ ہو کر کیا گیا کہ جرنیل کو ایک کرسی پر بٹھانے والے تھے جس میں منجیس لگی ہوئی تھیں اور اسی قسم کی بیورو خبریں مشہور تھیں۔ مگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند روز کے بعد جب کہ ان افواہی زیادتیوں کا جوش، علی درجہ پر تھا تو میں خیروپ میں سور کے ٹسکار کے لئے گیا اور جرنیل انگلینڈ سے ہمراہی ہونے کی درخواست کی۔ ہم لوگ بغیر کسی مبالغہ کے گئے دو ایک دن عمدہ طور پر امیروں کی ملاقات اور اُن کے ساتھ ٹسکار کھیلنے میں بسر کیا اور پھر بغیر ہر اختلافی کے محسوس ہونے کے واپس آئے۔ جرنیل نے مجھ سے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جس کی نسبت ہم لوگوں نے اس قدر روایتیں سنی ہیں :

ایسا انتظام شمالی ہند کا قبل کرنیل اوٹرم کے ہاتھ میں جانے کے تھا۔ نا اتفاقی کا تخم بویا کرنیل اوٹرم | کہا تھا۔ اور آب پاشی کر دی گئی تھی اور اب خونریزی کی فصل تیار ہونے والی تھی مگر وجود تمام برادر خبیثوں اور مذلت اور خرابیوں کے جو امیروں کی ہوتیں۔ اُن لوگوں کی عداوت علانیہ طور پر صرف

۱۔ اس امر کا ظاہر کر دینا قدر میں انصاف ہے کہ جو حالت اس وقت تھی اُس کے لحاظ سے جو طریقہ سرچارلس نیپئر نے اختیار کیا وہ ایسا تھا جس پر وہ واقعات جن پر اُس کو اختیار نہ تھا اور جن کی موجودگی سے وہ لاعلم تھا اس کے رہنا جوئے میں اس قدر اس لئے کھمے دیتا ہوں تاکہ کوئی مجھے یہ نہ سمجھے کہ میں شخص کی توہین کرنا چاہتا ہوں میں کا جھیشیت ہندوستان کے جرنیل ہونے کے

اس وجہ سے ظاہر ہوئی کہ وہ ہمارے مطالبوں کے نتائج کی جانب سے مایوس ہو گئے۔ بنی برگ کو جو خط لکھا گیا تھا وہ صاف صاف جعلی تھا کیونکہ انگریزوں کے ساتھ ملنے میں اُس نے جو مدد کی تھی وہ کچھ وقعت نہ رکھتی تھی۔ وہ سو سوا دل کو بھی نہ دے سکتا تھا۔ اور اس کا قبیلہ کسی ترغیب سے شکار پور سے آگے نہ بڑھتا۔ مگر اس امر کے فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس نے امیروں کی مدد کی ہوتی جنہوں نے بہت دن نہیں ہوئے تھے کہ اُس پر اُس کے پہاڑوں میں جا کر حملہ کیا تھا اور جس کے افسروں نے ہمیشہ ہماری امداد اُس کے لوگوں کے گرفتار کرنے میں کی تھی۔

امرائے سندھ کا طرز حکومت | کچھ حالات اب امیروں کی طرز حکومت کا بھی لکھتا ہوں اور جس طرح ان کی رعایا اُسے خیال کرتی تھی اس امر کی نسبت جس قدر

محجب غلط بیانیوں کی ہیں ویسی دوسرے کی نسبت نہ ہونی چاہیے اور ایسے لوگوں نے کس جن کو ذرا بھی وجہ ان کے کرنے کی نہ تھی۔ ان بیانات کے بیان کرنے کے لئے اس ملک میں گئے بھی نہیں جس کا ان لوگوں نے اس قدر ظاہر واقفیت کے ساتھ ذکر کیا ہے نہ انھوں نے کبھی کسی باشندے سے گفتگو کی بلکہ وہ زبان اور عادات سے بالکل ناواقف ہیں ان کے مقابلے میں ایسے شخص کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ و امیروں کے خاندان اور ان کے افسروں اور سیدوں عالموں اور دین دامنوں مہاجنوں اور خاص خاص واکروں سے واقف تھا جو برابر اُس ملک میں کام سے یا شکار کے لئے سفر کیا کرتا تھا اور ہر موقع پر ضرور پہنچتا اور سندھ کی کاشت کاروں اور ان کے سرداروں سے گفتگو کرتا تھا بلکہ ہمیشہ تعمیرات کے کام میں مصروف رکھا جاتا تھا اور اس طور پر ہر قسم کے کاریگروں اور مزدوروں سے گھبراتا تھا اور بالآخر جسے ایک وسیع جیل خانہ سپرد ہونے کے باعث نہایت ہی کمے اور ذلیل المیثیت لوگوں سے بھی واقفیت تھی۔

اس کے ساتھ اس خصوصیت کو بھی شامل کر لیجئے کہ مجھے مترجم کی ضرورت نہ تھی جو ان باتوں کو کہ مجھ سے کہی جاتیں بگڑ کر کہتا یا اس طور پر کہتا جو اس کے نزدیک مجھے بھی جعلی معلوم ہوتیں بلکہ میں ہر روز گھنٹوں سندھ کی یا فارسی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ پھر بھی میں صحیح کہتا ہوں کہ میں نے کوئی امر امیروں کے خلاف اس سے شہدہ کر نہیں سنا جو بہت سے انگریز جیسے انسانوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ میرزا بگڑ کو

لوگ کہتے تھے کہ لاپٹی ہے اور ہر ایک دغا باز جو کیمیا بنانے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر حاوی ہو جاتا ہے علیٰ مراد کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ فضول خرچ اور مغرور ہے۔ لیکن اُس خاندان کے کسی شخص کی نسبت کوئی جرم میری دانست میں کبھی نہیں عاید کیا گیا۔ بجز ایک امر کے جس کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ امیروں کا سزا دینا اسی قدر نیک نامی ظاہر کرتا ہے جتنی کہ کرنے والے کی بدنامی اس سے ثابت ہوتی ہے۔

کوئی پندرہ برس کا زمانہ ہوا کہ خیروپور کے ایک قاضی کی لڑکی بلوچی مستورات **قانون اور انصاف** کے یہاں قرآن شریف پڑھانے اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کے لئے

جایا کرتی تھی کیونکہ سب پڑھنا اور بہت سی فارسی اور عربی لکھنا جانتی ہیں۔ یہ لڑکی حسین اور نوجوان تھی اور ایک مرتبہ جب وہ محمد خان تالپور کے حرم کے یہاں گئی تھی اُسے امیر نے دیکھ لیا اور لڑکی سے بات چیت کرنے اور عشق جتانے کا موقع ملا چنانچہ اُسے ملقت کر لیا۔ یہ بات عرصہ تک اس کے باپ سے چھپی نہ رہی جو اس مادہ قسم کے انصاف کے مطابق جوان ملکوں میں رائج ہے مجرم کے گھر گیا اور اُسے سخت محروم کیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ آیا۔ مگر اُس مردار نے زخموں سے شفا پائی اور امیروں سے قاضی کے سزا دینے کی درخواست کی۔ لیکن اُن لوگوں نے اُس کی شکایت ذرا بھی نہ سنی اور کہا کہ تمہیں سزا واجب طہر پر ملی بلکہ صاف صاف سنا دیا کہ تمہارا قصور ایسا سخت ہے کہ ہم لوگ اب تم سے راہ و رسم نہ رکھیں گے وہ خیروپور سے چل دیا اور پھر وہاں واپس نہ گیا۔

انصاف کے کہنے میں امیروں کی غلطی یہ ہوتی تھی کہ وہ رحم **مسلم امارہ کا ہندوؤں سے حسن سلوک** کی جانب زیادہ جھکتے تھے وہ خونریزی کے سخت مخالف

تھے۔ رحمن اور دوسرے بڑے بڑے بد معاشوں کے حق میں انھوں نے صرف ایک ہاتھ کے کاٹ لینے کا حکم دیا مگر یہ گویا اُن کی سختی کی حد تھی۔ صرف اُن کی عمل داری کی سرحدوں پر اور شکار پور کے

۱۵ اس رائے کا مقابلہ اس تئوڈ سے کیجئے جو کتاب موسومہ فتح سندھ کے باب (۲) صفحہ ۴۵۹ میں ہے۔ یہاں یہ لکھا ہے کہ مسلمان کم لکھنا پڑھنا جانتے ہیں:۔ اور اس وقت دائرے قائم کیجئے۔ ۱۶

جنگل کے گرد گھیر اور برہڑی ڈاکو لوٹ مار کیا کرتے تھے اور منزل کوٹ کے پاس کے ملک میں جہاں وحشی فراری زیادہ رہتے تھے ٹوا کے اور خون زیادہ ہوا کرتے تھے۔ ان پہاڑی خوشخوار بوچھوں پر امیروں کو کچھ اختیار نہ تھا مگر ان کی رعایا صابر و شاکر تھی اور ان کی حالت کا مقابلہ اگر ہماری عمل داری کے بہت سے صوبوں کی رعایا سے کیا جاتا تو ان کو سبقت دیتی۔ امیروں کے پاس ہر شخص کی رسائی ہو سکتی تھی۔ کوئی شخص حتیٰ کہ اونٹے اسے اپنی اہندہ کی بھی ان کے یہاں سماعت ہو سکتی تھی۔ اللہ ہند و سخت و افوش تھے کیونکہ ان کی زیادہ قدر نہ تھی لیکن ان کی حالت اس سے بدتر تھی جو انگلستان میں ڈسٹر ریونی فقیر ہیں، کی پچاس سال قبل تھی نہ ان کی ناراضگی اس سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو آج کل آئر لینڈ میں ہے۔

سندھ کی خوش حالی | نہروں اور جوار و میٹکر اور دوسرے اجناس کی عمدہ فصل اور بے شمار ہیں۔ چکیوں سے ثابت ہوتا تھا کہ محصول اس قدر لیا جاتا تھا جو رعایا پر بار ہو۔ اراضیات انعامی اور وہ جن سے ہوائے مال گزاری لی جاتی تھی بہت زیادہ تھیں۔ عام معاملات میں مثلاً شاہ شجاعت شاہ نواز شاہ اور دوسرے شہزادگان مہاجرین کے ساتھ برتاؤ کرنے میں سندھ کے امیر سخاوت اور تحمل سے کام لیتے تھے وہ اس قسم کی مہمان نوازی اور حفظ مراتب کے خلاف نہ کر سکتے تھے جیسا کہ پنجاب کے فرماں روا نے شاہ کے ساتھ کیا تھا۔ قلت کا معرزلہ سردا ہ تو ان کے یہاں مہمان رہا۔ انگریزوں کے ساتھ ان کا برتاؤ صاف اور دوستانہ تھا۔

جوڈا کمران کے عیال و اطفال کا علاج کرتے تھے وہ تحائف سے لاو دیئے جاتے تھے ان میں سے ایک نے میرے علم میں دو ہزار پونڈ سے زیادہ چند مہینوں کے اندر پیدا کئے دوسرے شخص کو جو تھوڑے دنوں تک میرے سرخاں کی بیوی کا معاش تھا ایک تلوار دی گئی جس کے قبضہ کے لئے میں نے سو گئی دینا چاہا مگر انھوں نے انکار کیا ایک مرتبہ جب میں میرے رستم کے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا میں نے ایک توڑہ دار بندوق کی تعریف کی جس پر سنہرا کام بناتا تھا اور جواہر جڑے تھے اس وقت مجھ سے کچھ نہ کہا۔ مگر جب گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ دست کاری کی وہ خوبصورت شے میرے مکان میں رکھی ہے۔

میں نے اُسے فوراً اُس قاعدہ کے مطابق واپس کر دیا جس سے ہندوستانیوں سے تحفظ لینا منع ہے۔ مگر میں نے اس مہربانی کا کسی قدر شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھا اور اس لئے میں نے ایک گھوڑا حص کاچھ سو روپیہ دیا تھا ایک امیر کے لئے بطور تحفہ کے۔ بیچ دیا مگر یہ تحفہ محض نکلا جیسا کہ انجام سے ظاہر ہوا کیونکہ میں نے اُسے جس سردار کو دیا تھا اُس نے ایک افسر کے ہاتھ بیچ کر دیا جس نے سرچاپس نیپیز کے پرائیویٹ سکریٹری میجر میک مسٹر وڈ کے ہاتھ فروخت کیا اور ان کی ران کے بچے وہ میانی کی لڑائی میں مارا گیا۔

انگریزوں کا خیر منصفانہ رویہ | چونکہ میں نے اس قدر امیروں اور ان کے انتظام کی تعریف کی ہے جو ملک سندھ کے شمالی حصہ میں تھا اس پر شاید مجھ پر اعتراض کیا جائے کہ میں ایک نیم وحشی گورنمنٹ کی تعریف کر کے گویا ان نعمتوں کی تحقیر کرتا ہوں جو حکم کے تبدیل سے شائستگی کے باعث حاصل ہوئیں۔ لوگ کہیں کے کہ اب بھی مساوی طور پر انصاف ہوتا ہے جان مال کی حفاظت ہوتی ہے تجارت محفوظ ہے اور جملہ خطرہ غیر ملکیوں کے حملہ کا جاتا رہا ہے بردہ فروشی بھی محدود ہو گئی ہے اور تمام لوگ ایک قانون کے پابند ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ یہ نتائج ہمارے انتظام سے پیدا ہوئے چاہے ان کی نسبت اس طور پر ظہور پذیر ہونے کی کیسی ہی امید کہوں نہ ہو۔ بلکہ سندھ سے جو خبریں ملیں ان سے معلوم ہوا کہ وہاں فصل نہیں ہونی زمین زراعت سے محروم رہی فوجی قانون جاری کیا گیا اور تمام قبیلوں میں رنجش پھیل گئی جو کچھ مال گزاری امیروں نے بغیر کوشش کے پیدا کی تھی لوگ کہتے ہیں کہ اب اس کا عشر عشر بھی اس ملک سے نہیں وصول ہوتا۔ میں اس امر کی تحقیقات نہ کروں گا کہ کہاں تک یہ خبریں صحیح ہیں مگر بحث کی غرض سے تسلیم کر لوں گا کہ جس فائدے کی امید تھی وہ فی الحقیقت ہماری حکومت سے نکلے ہوا اگر اسے بھی فرض کر لیں تو کہا ہم اس کے مجاز تھے کہ اس طریقہ کو اختیار کر لیں جس سے آخر کار

انگریزوں کا اس ملک پر قبضہ ہو گیا۔ کیا یہ زیادہ آبرو اور انسانیت کا برتاؤ نہ ہوتا اگر ہم لوگوں نے امیروں کے خانگی جھگڑوں کو شخص ثالث بن کر طے کر دیا ہوتا اور ان میں باہم دشمنی اور رقابت کو نہ بڑھایا ہوتا تو کیا یہ ہمارے لئے زیادہ فخر کی بات نہ ہوتی اگر میریستم کا قابل اعزاز ہمراہی زمین پر اپنے آباؤ اجداد کے مقبرے میں دفن کیا جانا بہ نسبت اس کے کہ وہ جلا وطن ہو کر قید اور اس گھڑی کو سخت بہرہ و عار سے گزر رہا تھا۔ جب کہ فرنگی کا قدم اس کے ملک میں پہلے پہل آیا۔ آئندہ نسل کے لوگ اس کا جواب دیں گے اور انصاف کو جس گئے حالانکہ جن لوگوں کو اس بے جا دہائی میں مصیبت جھیلنی پڑی ان کے لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان خیالات نے مجھ کو اپنے روزنامہ کی تحریر سے علیحدہ کر دیا اب پھر ہم کو سکھر اور شکار پور کی جانب متوجہ ہونا اور چند اور خشک پتے رگستان سے جمع کرنا چاہئے۔

JALALI BOOKS

باب

پہلا معرکہ

چھ مہینے اس زمانے کو ہوئے تھے جب کہ ہمارا دستہ سفر کی محنت اٹھا کر ایک لمبی قطار میں کراچی سے گزرا جس وقت اور بے قاعدگی سے وہ منزل طے ہوئی تھی وہ اُن خطوط سے معلوم ہو سکتی ہے جو چھپے کے لوگوں کو وصول ہوئے ایک افسر نے نوشتہ اُسے لکھا تھا کہ چار دن ہوئے کہ ایک پلندہ خطوط کے ٹکڑوں کا چھ قاصد میرے پاس لائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ۲۴ گزشتہ کو روانہ کئے گئے تھے راستہ میں ان پر حملہ ہوا لوٹ لے گئے اور ان کے لفافے سناٹے کر ڈالے گئے وہ لوگ چند خطوط کے ٹکڑے میرے پاس بطور ثبوت اپنے بیان کی صداقت کے لئے لے آئے۔ یہ ملک نہایت ہی ابتری اور خرابی کی حالت میں ہے مشکل سے کوئی دن گذرتا ہے جب کہ ہمارے لوگوں پر محمد نہ ہوتا ہوا اور ڈاک کے سواروں نے سخت تکلیف اٹھائی۔ چند دن ہوئے کہ ایک دفعت اور تین سوار کپٹن انڈرس کی پیشی کے ہمراہ اس مقام بلوچیوں کا حملہ کے درمیان رہے گئے۔ ایک دفعت کپٹن کر سچی کی پیشی کا شورن اور اس مقام کے درمیان لڑا گیا بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ سمری سے آتے وقت ہماری فوج پر کل صبح ہونے کے پہلے بلوچیوں کی ایک جماعت نے حملہ کیا لیکن گھوڑوں کے توپ خانے والے تلوار کھینچ کر ان پر پہنچے اور چپکے مارا۔ میرے کل لونٹ جن کی تعداد تیسبچیس کے قریب تھی کل چوری ہو گئے اور دستیاب نہ ہو سکے۔ کل ہم لوگ

دادر جائیں گے یہاں ہر چیز کے ملنے میں شک ہے اور تمام رسد جو دستہ ہمارے آگے گیا ہے اُس کے مصرف میں آگئی۔ ہمارے ساتھ صرف چھ سات دن کا ذخیرہ جائے گا۔ اور اس قدر تھوڑی مقدار کے لئے کازیاں بھی ہوں گی۔ مگر ہم کو یہ ہذا فرض ہے۔ جہاں تک ممکن ہو جو اونٹ تم کو راستہ میں ملیں انہیں آگے لیتے جاؤ۔ کوئی اعتبار اس کا نہیں ہے کہ حقہ کے اس یارہم لوگوں کو کچھ دستیاب ہوگا یعنی ممالی ضروریات کے موافق۔ کسی اونٹ کو غالی نہ روانہ کرو۔ مگر کوئی چیز ہمارے گریز کے لئے موجود ہو۔ آخر تک ہم کو ناناچ کی ضرورت پڑے گی۔ محانظت کے گاڑز بردست ہوں کرنل ڈینی کے بریگیڈ کے پھیل، درشاہ کا رسالہ دونوں مسلمان رسد وغیرہ کے ساتھ جانے کے لئے درکار ہیں مجھے آپ تک اس کے پہنچنے کی بہت کم امید ہے مگر پھر بھی لکھنا ہوں۔ اور تم جہل و نثار کے ساتھ ہیں۔ تم نے اس کے اوسسناک حادثہ کا حال تو ضرور سنا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد چلنے پھرنے لگیں گے کیونکہ واقعی ان کا ہونا ضروری ہے فقط مگر یہ کہ اونٹ دراناچ روانہ کرو۔

بلوچی دستہ ایک دوسرے سے لکھا تھا کہ کل دیا بڑے زوروں سے بڑھا اور کشتی کے پس کو بہا لے گیا بہت غلہ جو بے پردائی سے کنایہ پڑا رہ گیا تھا ذائقہ بر گیا۔ اس شخص کی متردد حالت جس پر فرض تھا کہ اس اتہری کو دور کر کے بند و بست مناسب کرے۔ اس کیفیت سے خیال کی جاسکتی ہے جو اس نے ان الفاظ میں خود کبھی ہے۔ کبھی اتنی ٹہری مہم اس قدم پیش بندی اور کم ہوشیاری سے نہیں اختیار کی گئی۔ شکایہ پور کے گرد و نواح کا ملک تہری کے آخری درجہ میں ہے۔ ہر شخص بے لگاؤ کا مٹا چاہتا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے پھیل بہت زیادہ خزانہ اور رسد کی حفاظت اور ہماری فوجی کارروائی کے منہج کی نگرانی کے لئے ہیں۔ عقلمندی اور معمولی تمہید کا فقدان دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا ہے اور خون ہوتے ہیں اور اور ڈاکے پڑتے ہیں۔ میں اس ملک کے لوگوں کو اپنی ذمہ داری پر بھرتی کر رہا ہوں۔ یعنی ایک بے قاعدہ دستہ بلوچیوں کا تاکہ چوروں کا مقابلہ چور ہی کریں۔ میں نے یہاں کے حاکموں کو آمادہ کیا اور انہوں نے اپنے بد معاشرہوں کو اکٹھا کیا ہے۔ میرے خزانے میں ایک کروڑ کے قریب روپیہ ہے۔ یہ کوئی ایسی دیسی ذمہ داری نہیں ہے اور میرے پاس کوئی فشی وغیرہ نہیں ہے ۛ

ریڈیٹنسی کی عمارت کی تعمیر | جب یہ خاک شمالی سندھ کا مشہور کاہ ہے تو وہ اس سال کے اختتام پر

رو بہ اصلاح نہ ہوا ہو گا۔ یہ صبح ہے کہ اب خطوط اپنی منزل مقصود پر پورے آتے تھے اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتے تھے۔ اور چند کھلیاں کی طرح کی عمارتیں بن رہی تھیں جن کا نام ریڈیٹنسی رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑی فوج سکھر میں بڑی ہوئی تھی اور مستعد پارسی اب سوڈا و بیڑ و شراب و لحم خنجر و بارود لے کر آئے تھے لیکن خیمہ گاہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر کوئی محفوظ نہ تھا اور کوئی قلعی کارروائی ان مفسدوں کے راضی کرنے یا خوف دلانے کی نہیں کی گئی تھی جو دریا اور دروں کے درمیان بہتے تھے۔ ایک مہینہ تک سکھر میں میرا کام یہی تھا کہ فارسی خطوں کا ترجمہ کروں اور جواب لکھوں۔ میں ہی ایک انفرس زبان سے وہاں واقف تھا۔ پس مجھے ایسے کام میں کافی تجربہ حاصل تھا۔

ریڈیٹنسی میجر آڈرم | اس طرح لوگوں سے گفتگو کر کے مجھے کل حالات جو ہوتے تھے معلوم ہوا کرتے تھے۔ لیکن میرے افسر کسی پولیٹیکل مسئلہ پر مجھے راز دار نہ کرتے تھے اور میں کہہ سکتا

ہوں کہ جس وقت سے میں سندھ میں داخل ہوا اور اس وقت تک جب کہ میجر آڈرم نے ریڈیٹنسی کا چارج لیا مجھے کبھی کسی کاغذ تک دسترس نہ تھی اور نہ کسی اور طور سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس ملک کے بارے میں گورنمنٹ کی خواہش اور خیالات کیسے ہیں۔ دو بکایں جس میں خبریں اس وسیع سلطنت کے ہر ایک پولیٹیکل افسر کے بھیجی جاتی تھیں نہ مجھے اور نہ کسی اور اسسٹنٹ کو مجوز ایک شخص کے دکھائی جاتی تھیں۔ اس حرکت کی بیہودگی صاف ظاہر ہے کیونکہ اس باعث کہ ہم لوگ بعد کو ایک دوسرے سے مختلف مقامات پر بہت بعد پر رہتے تھے اور ہم لوگ خود بخود نہ کارروائی کرنے کے لئے مجبور ہوتا۔ اور چونکہ ہم لوگوں کو علم نہ تھا کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں ایسے ممکن ہے کہ ہم لوگ ہمیشہ ان تدبیروں کی تخریب کرتے ہوں جن کی تائید ضرور تھی۔ ہم لوگوں کی زیر نگاہ سازشیں ہوتیں اور ان کا پتہ ہم لوگوں کو اس مجنونانہ طریق سے معلوم ہوتا۔ بلکہ اس بارے میں بہت کم شک ہے کہ ہم ہی لوگوں میں بہت سے قاصد سازش کرنے والوں کے آئے اور بے جا بے نکل گئے۔ کبھی کبھی لوگ گرفتار ہوتے تھے لیکن اس بعد سے طور پر کہ ان کے پاس شاید ہی کاغذات نہ تھے اور چونکہ سوالات مشیوں کے ذریعہ سے ہوتے تھے جو امر جمع کے دریافت کرنے کے لئے زیادہ نچوڑا ہوا نہ تھے۔ پس تحقیقات زیادہ تر فضول ہوتی تھی۔

کا سامان اپنے قائم مقام کو گنوا دینے سے کنارہ کرتا نظر آتا تھا اور بمبئی کا چھوٹا گول مرچ کی شکل کا بہادر اس توہین پر جامے سے باہر بجاتا تھا۔ ایک طرح پر اس رقت کو بُرا بھی کہنا چاہیے کیونکہ جب تک اس کا وجود ہے اس وقت تک مختلف علاقوں کی فوجوں کو بغاوت کے لئے اتفاق کرنا ناممکن ہوگا۔

۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایک خط قلات کے رئیس میر شاہ نواز خاں کے یہاں سے آیا
شاہنواز خاں کی آمد جس میں مخالفت اور اُس کے ساتھ اُن جملہ فوائد کی درخواست کی گئی تھی جو

اُس کے ذیل میں حاصل ہوتے تھے۔۔۔۔۔ میں نے جب ایکٹ کی جانب سے جواب اُس کا لکھا تو خیال کیا کہ یہاں بھی ہم کو شاذ و شجاع کی کارروائی پھر کرنی ہوگی۔ جواب حسب دل خواہ تھا۔ چنانچہ نواب قلات مع اپنے بھائی فتح خاں کے بہت جلد ہمارے خیمہ گاہ میں آیا۔ دونوں صورت سے بہت بد نما اور پست قد تھے لیکن اُن سے ایک قسم کی راست بازی اور صفائی قلب صاف عیاں تھی۔ ان کے باپ کو میر خاں نے مار ڈالا تھا۔ اُس کے پاس ایک قرآن شریف بھیجا گیا تھا اور قسم کھائی گئی تھی کہ تمھاری حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ اُس نے اپنا خون اس دھند کے صلہ میں بہا دیا۔ کچھ فوراً ایک مکمل رپورٹ اُس کے بیٹے کے استحقاق کی نسبت قلات کی حکومت کی تیار کر دی گئی اور مختلف قبیلوں کا نام اور قوت اور موقع وغیرہ لکھنا پڑا جس میں میری اعانت شاہ نواز نے ایک گھڑی کا نذات فارسی اور ایک ہفتہ تک چھ گھنٹہ روزانہ باتوں سے کی۔ رپورٹ تیار ہو گئی اور ایک ہی باز قلم سے کام لے کر میرے افسر نے اسے اپنا لیا اور اس کی بُرائی بھلائی اپنے ذمے لے لی اس درمیان میں ایک کارندہ علی مراد کی جانب سے دریا نے سندھ کے مشرقی کنارے کے چند ضلعوں کا دعوے دار ہو کر آیا جو اس وقت اُس کے برادر زادہ نصیر خاں کے قبضہ میں تھے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اُس کا بیان لکھ دو اور مجھے نہایت تعجب ہوا کہ یہ شخص حسن علی نامی دہلی کا باشندہ اور میرے بڑے منشی کا دوست اور ہم وطن نکلا۔ یہ قطابق امیر کے حق میں خوب مفید ہوا یہ بھی تعجب تھا کہ وہ دہلی میں عین اُس وقت ظاہر ہوا جب کہ دہلی کا ریڈنٹ شمالی ہند کا اعلیٰ پوائنٹل افسر مقرر ہوا۔ حسن علی کو میں نے نیک روشن خوش سلیقہ اور نہایت زیرک پایا۔

بلوچ رجمنٹ ۱۲ اکتوبر کو ایک دستہ سواروں کا جسے بلوچ پٹن کہتے تھے اپنے کمانیر لیفٹنٹ

ایمیل کے ساتھ آیا۔ حالانکہ اس لمپن میں ایک بھی بلوچی نہ تھا۔ اور بالکل افغان و پٹمان
 و قساہری بھرے ہوئے تھے مگر وہ بلوچی کہلاتے تھے۔ بعض ان میں اچھی صورت کے تھے۔ لیکن
 بالعموم وہ ناکند گھوڑوں پر ذلیل حیثیت سے سوار تھے جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا
 پچھلے سال بھر ان لوگوں نے ریت کھا کر زندگی بسر کی ہو۔ ان کی تنخواہ ناکافی تھی۔ کیونکہ
 دیرانے مقامات میں جہاں ان سے کام لیا جاتا تھا گھاس گراں اور کم تھی اور پھر بھی
 ان کا کام یہ تھا کہ پہاڑی چوروں کا تعاقب کریں جو اپنے گھوڑوں کی تیز رفتاری پر فخر کرتے
 ہیں ان میں میں نے ایمیل کے اردلی غلام حسین خاں کو دیکھا جو ایک نہایت ہی حسین و
 جوان تھا۔ اُس کی بڑی بڑی ہرن کی سی آنکھیں اور مثل رات کے سببہ۔ لمبی کالوں
 اور نرم رخساروں کو جن پر اب سرخی آ رہی تھی دیکھ کر مجھے اُس شعر کا خیال آیا جس کا مفہوم
 یہ ہے۔ ”کیا یہ واقعی ہے کہ بہترے مرد جو حسین نظر آتے ہیں وہ بھیس بدلے ہوئے حسین
 عورتیں ہوتی ہیں۔“

مجھے خیال آیا کہ یہاں بھی ایسے معاملے پیش آئے ہیں جس طرح
الف خاں ترین شمال کے دور دراز ملکوں میں یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا شاہ طرینہ بازو۔

جنگلی سور کا تعاقب وسیع میدان اور پیچیدہ پہاڑیوں میں کیا کرتا تھا۔ ایک ایسا ہی ملازم
 رکھتا تھا جو اپنے جری آقا کے ساتھ ان مقامات میں جاتا تھا جہاں بہت سے دیر سوار جانے کا
 قصد نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب گھوڑا تیر جا رہا تھا نیزہ باز نے ایک بڑا خندق پھاندا اور پھر
 ٹھہر گیا تاکہ اُس کا ملازم بھی ٹھل آئے۔ لڑکا ایک عمدہ عربی گھوڑے پر سوار اُس خندق کے
 قریب دیرانہ آیا مگر جست دودے کی گئی۔ جس سے گھوڑے کا سینہ سامنے کی مینڈ سے ٹکرا گیا۔
 اور لڑکا سر کے بل نہایت زور سے گرا۔ اُس وقت نیزہ باز جو گھبرا کر اُس کے اٹھانے کے لئے دوڑا
 تو یہ بحسبِ ظاہر ہو گیا اور پھر اُس حسین لڑکی کو اپنے آقا کی خدمت
 گزاری کرنے یا اُس کے ساتھ گھوڑے پر مارے پھرنے کی نوبت نہ آئی۔ مگر میرے یہ شکوک فوراً

رفع ہو گئے کیونکہ ہمارا انخان در حقیقت جیسا کہ اُس کے لباس اور ہتھیاروں سے ظہر تھا ایک
وجہ لڑکا تھا اور جب میں نے اُس کے باپ الف خاں ترین کو دیکھا جو شمالی ہند میں سب سے
بہادر اور عمدہ شمشیر باز تھا تو مجھے پھر اُس کی خوبصورتی پر تعجب باقی نہ رہا۔ ٹھیک جس طرح لڑکا
اس وقت جوانی میں نظر آتا تھا وہی حال باپ کا شباب میں تھا۔ بلندی میں اس کا قد چھ فٹ
سے اونچا اور نہایت بھیلّا تھا۔ سیاہ گھونگر والے بال اُس کے شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی
سیاہ اور چمکی ہوئی ناک پونائیوں کی طرح سیدھی کل شبابت نہایت اچھی تھی۔ دانت موتی
کی آب و تاب رکھتے تھے۔ اپنے تصور میں ایسے شخص کا خیال کیجئے جو انفا لوں کے اچھے لباس میں
ہو اور جس کے چہرے سے یہ علامت ظاہر ہوتی ہو کہ نہ اُس نے کسی کی اطاعت کی ہے اور نہ کبھی کوئی
تو آپ کو کچھ حال الف خاں ترین کا سمجھ میں آئے گا۔

الف خاں اُن زمیں واردوں میں تھا جو خود بخود ہم سے شرکت کرنے کے لئے آیا۔ اُس نے
اپنے مدظن کو بلوچی پلٹن میں بطور سواروں کے نوکر رکھوایا اور ڈاکوؤں کے مقابلے میں جو ہمیشہ
ہمارے اسباب سفر اور اونٹوں پر حملہ کیا کرتے تھے اُس نے ہر ایک معرکہ میں شہرت حاصل کی۔

باب شکار پور

۱۰۔ اراکتوہر کی صبح کو دریا میں ایک غیر معمولی ہلچل مچی ہوئی تھی کشتیاں ایک سمت جاری تھیں۔ اور بندو قوں کے متواتر دھن سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی معرکہ درپیش ہے وجہ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ چھ جنگلی سور پانی کے اندر گھس آئے تھے جن میں تین تو دریا میں اسے لگے مگر بقیہ تین تیر کر پار ہو گئے۔ باوجودیکہ دریا کا پاٹ نہایت چوڑا اور پانی زوروں پر تھا اور وہ فوراً جنگل میں غائب ہو گئے۔ خبر بھی اسی طرح دریا کے پار تیر کر جاتے ہیں۔ مسند میں یہ جانور کم ہیں مگر یہ نہیں ہے کہ بالکل نہ ہوں۔ ایک سکھر میں پنجھڑے قید ہے اور دوسرا مقام سہوان میں لال شاہ باز کے مزار پر ہے۔ دونوں کو میر مبارک نے چھوٹے پٹن میں پکڑوایا تھا۔ تعجب ہے کہ وہ اس قدر کم ہیں۔ کیونکہ جنگل بہتر سے مقامات میں نہایت ہی گھنا ہے خاص کہ امیروں کے برویگاہ اور شکار گاہ میں اور ان کے قدرتی کھانے کے جانور ہرن اور جنگلی سور اور موشی بھی بہ افراط ہیں۔

۲۰۔ اراکتوہر کو پولیٹیکل ایجنٹ سکڑے کراچی مورے پر گئے۔ اتنی ساندنی پولیٹیکل ایجنٹ کا دورہ کراچی | سواروں کا گروہ یا شتر سوار آج آئے۔ ہر ایک اونٹ پر دو شخص

سوار ہیں۔ ایک ہر طرح پر مسلح۔ دوسرا جو ہلکا سامان رکھتا ہے۔ بطور سربان کے کام دیتا ہے تمام اونٹ ہر کارہ قسم کے تھے اور پچاس میل سے بڑے کمر و میل روزانہ تیز چلتے تھے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایسی فوج سندھ میں مراسلے جانے اور ڈاکوؤں کا تعاقب کرنے کے لئے نہایت نایاب ہوگی، مگر وہ بے کار نکلی۔ ہیضہ سے سوار مر گئے اور غفلت اور خراب طور پر رکھے جانے سے اونٹ بھی۔ یہ سب سندھ کے پار آنا نہیں چاہتے تھے۔ اور مجھے ان کی تلاش میں بہت دور تک جانا اور خوشامد اور دھکی دونوں سے کام لینا پڑا تھا۔ جانے سے قبل ہمارے افسر بالائے ہم کو احکامات دینے کے لئے طلب کیا تھا۔ کیونکہ اس عرصہ میں سکھر میری سپردگی میں رہنے والا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھے بہت کچھ عاقلانہ نصیحت اور اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ مگر میری قسمت میں ناامیدی لکھی تھی۔ وہ نہایت غور و تامل سے فرمانے لگے۔ "میں نے آپ کو اس لئے بلا یا ہے کہ آپ اونٹوں کی ڈاک بے احتیاط بٹھائیں اور قحطی الوسع بارش کے پھل پھلا دیاں خاص کر مٹر جتنی بار ممکن ہو میرے پاس بھجوا یا کریں۔"

اس بڑے راز کے اظہار کے بعد خزانے کی تھیلیاں میرے دو ہمدرد خزانہ کی سپردگی و ذمہ داری | شمار کی گئیں اور اس وقت میں ہی اکیلا مالک۔ ایک بہت بڑی مسلسل عمارت، چند ذلیل الحیثیت عمرزاد اور ایک مختصر مگر چیدہ جماعت قیدیوں کی رہ گئی۔ جو باغ یا دوسرے کسی مفید کام میں جو ہیں ان کے لئے تجویز کرتا لگا دیئے جاتے۔ ایجنسی کے متعلق دو سید تھے۔ ایک جس کی ڈاڑھی برف جیسی سفید نکھیں چمکتی ہوئی اور قدم ثابت پرستے تھے۔ ستر برس کا تھا اور اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ وہ اس زمین کا مالک تھا جس پر ریڈیو بنی تھی۔ دوسرا جوادھیڑ اور داڑھی خوب رنگے ہوئے مگر جسم کثرت عیاشی سے ڈبلا ہوا تھا عباس علی تھا اور اپنا شجرہ محمد معصوم سے جو اکبر کے دربار کا ایک مشہور و معروف امیر تھا قائم کرتا تھا۔ دونوں میں ایک جائی رقابت تھی اور ہر ایک جب باری باری سے میرے پاس آتا تھا تو نہایت قحط سے ایک دوسرے کی بڑائیوں کا ذکر کرتا تھا۔ ایک دن بڑے سید

نہایت زور و شور سے مجھ سے معمولی مضمون پر گفتگو کر رہے اور کہہ رہے تھے کہ عباس علی غلام زادہ ہے اور سید نہیں ہے کہ وہ شخص جو دراصل خیمہ کے دروازے پر کھڑا سن رہا تھا اندر داخل ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ اس ٹڈبھڑ سے ہمارا بوڑھا دوست نہایت شرمندہ ہوگا مگر اس کے برعکس اُس نے نوازدار سے صاحب سلامت نہایت اخلاق اور اطمینان سے کی اور اُس سے کہا کہ میں ابھی صاحب سے آپ کی تعریف کر رہا تھا۔ یہ تبدیلی ایرانیوں کے لئے موزوں ہے۔ مجھے نہیں یقین آ سکتا تھا کہ کسی اور نے اس آسانی سے ایسے وقت کو دور کیا ہو۔

ایک صوبیدار میجر کی گرفتاری | چند دنوں کے بعد ایک وکیل بھادل پور کا آیا جو ایک سیدھا سادہ لائق شخص تھا اور جس کے ساتھ ہمارے سپاہیوں نے کچھ بدسلوکی کی تھی۔ واقعی معاملہ نہایت سنگین تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اول نمبر گرانڈیل کی پلٹن کے چند لوگوں نے سادہ لباس میں شکار پور کے کیمپوں کے قریب وکیل پر حملہ کیا اور اُسے روک کر اسباب لوٹ لیا اُس نے کمائیر سے شکایت کی جس نے پلٹن کے پریڈ پر صف بندی کرائی۔ اور وکیل سے شناخت کے لئے کہا۔

اس سے سپاہیوں کو ظاہر بڑی ناراضگی ہوئی۔ مگر جس وقت وکیل لایٹ کمپنی کے برابر آیا جس کا صوبہ دار بہادر کے خطاب سے ممتاز تھا اور تمغہ لگائے ہوئے تھا اُس نے اپنی کمپنی کو منہ پھیر لینے کے لئے کہا اور وکیل سے کہا کہ اب دیکھو۔ وہ فوراً گرفتار کر کے مع نور سپاہیوں کے جنھوں نے پریڈ پر ہنگامہ بپا کیا تھا کو ارٹزر گارڈ میں قید کیا گیا۔ مگر اُن کے پلٹن والوں نے انھیں گھیر لیا اور کہا کہ جب تک قیدی رہا نہ کر دیئے جائیں گے۔ ہم لوگ کام پر نہ جائیں گے۔

ہندوستانی سپاہ کا احتجاج | جو یورپین افسران باغیوں کو بھالے گئے انھوں نے مار کھائی اور بے عزت ہوئے معاملات کی صورت خوفناک ہونے لگی تھی کیونکہ وہاں وہ ایک ہی پلٹن تھی اور ملک کی اتر حالت میں جب کہ ہم کو دشمن گھیرے ہوئے تھے برے نتائج پیدا ہوتے۔ مگر کمانڈنگ افسر کی مضبوطی نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ لوگ آخر کو مطیع ہو کر

کام پر گئے اور صوبہ دار سکھر بھی دیا گیا جہاں اُس کا کورٹ مارشل ہوا اور وہ ملازمت سے برخاست کیا گیا۔

یہ بغاوت کافی ثبوت اس امر کا تھی، بشرطیکہ ثبوت کی ضرورت ہو کہ ہندوستانی افسروں کا اختیار سپاہیوں پر بہت ہے۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اُس پلٹن نے اپنے صوبہ دار میجر کے گرفتار ہونے پر زیادہ خوش ظاہر کیا بہ نسبت اُس کے جو وہ کسی یورپین افسر کی بے حرمتی پر کرتے۔ یہ ہمارے لئے خوش قسمتی کی بات ہے کہ یہ اثر ہمیشہ قواعد کی پابندی اور گورنمنٹ کے مصرف میں لایا جاتا ہے۔ یہ کوئی عمدہ کام نہ ہوگا اگر ہم اُن نتائج کا خیال کریں جو اُس وقت نمایاں ہوں گے جب ہماری کسی بات سے عام ناراضگی ہندوستانی افسروں میں پھیل جائے اور وہ ہمارے خلاف سازش کریں۔ لیکن یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ کسی اور شے سے بجز اس کے کہ ہم لوگ آنکھ بند کر کے اُن کے خیالات اور تعصبات کی نسبت حماقت اور کد کریں۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر کسی اور کے ٹریک ہوں۔ اول تو وہ ہماری ملازمت میں بوڑھے ہو گئے۔ بہتیروں کے باپ انھیں عہدوں بدلتے جن پر وہ اب ہیں۔ دوسرے اُن کی تنخواہ بہ لحاظ ان کے امتیازات کے معقول ہے اور ہندوستان کی ہزاروں فوجوں میں انھیں کا نمبر اول ہے۔

مقامی سپاہ کی مشکوک وفاداری | ہر چند کہ اُن فوجوں میں سپاہیوں، کدروں، کارگیروں وغیرہ کی ایک بھڑے۔ سچ پوچھے تو ان لوگوں کا ایک طبقہ

ہی جدا ہے اور یہ ایک نرالی امت ہے۔ جو زبردست اور معزز ہے۔ مگر فرض کیجئے کہ ملکہ معظمہ کے افسروں میں سے کوئی شخص ہندوستان کا کمانڈر انچیف مقرر ہو یعنی ایسا شخص جو قواعد کا سخت پابند اور اپنے ارادوں کا سخت پورا کرنے والا ہو جسے ہندوستانیوں کے خیالات اور تعصبات سے واقفیت نہ ہو۔ اور اگر یہ سپاہی کی مستعد اطاعت کا مادی ہو۔ فرض کیجئے کہ ایسا شخص کسی بڑی اصلاح کا خواہشمند ہو جو خاص کر بنگال احاطہ کی فوج کے

لئے واقعی ضروری ہے، مثلاً سپاہیوں کے اسباب کی کمی اور اُن سے بہت سے ایسے کاموں کا لینا جو فوجی معرکوں میں پیش آتے ہیں۔ اور جنھیں بنگال کی اعلیٰ قوم کے سپاہی مزدور کا نہ کہ سپاہی کا کام تصور کرتے ہیں تو میری رائے میں ایسی حالت میں نہایت ہی خطرہ ہماری ہندوستانی فوج کی وفاداری میں پیدا ہونے کا ہے اور دیسی افسر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے ایسے معاملے میں اُن کی رائے کے مطابق جب ملٹن کی آبرو پر آبنے گی تو مزدور میٹوائی کریں گے۔ پس اُس قانون میں تغیر کرنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ جس کے ذریعہ سے ہم لوگوں نے اُس وقت تک مشرق کے وسیع ملکوں پر حکومت کی ہے۔ یہ نہایت ہی مناسب ہو گا اگر امد نہایت مشہور صوبہ داروں سے قبل کسی بڑی تبدیلی کی ابتدا کے مشورہ کر لیا جائے اس قدر کہنا اُس رائے کی وقعت کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو لوگوں نے ہندوستانی مار جنت اور اُس کے یورپین افسر کے درمیانی عہدے کے موقوف کر دینے کی دی ہے۔ ایسی رائے حقارت کے درجہ سے بھی نیچے گری ہوئی ہے۔

ہماری فوجی لچیل کے بعد ہی ایک اُس سے کمتر شور و شرملکی طرز بدھودھوبی کا واقعہ | کا واقع ہوا یعنی نایک کے بعد ایک نقل ہوئی۔ اُس کی کیفیت یوں ہے کہ ایک دن صبح کو ایک مختلط جماعت زن و مرد کی آپس میں لڑتی جھگڑتی اور شور و غل کرتی اچنبھی کے باغ میں داخل ہوئی۔ ان کی تعداد کئی سو تھی اور ظاہر ادبچی قوم کے نہ تھے اور اُن کے جوش و خروش سے خیال ہو سکتا تھا کہ گویا دس بارہ خون ہو گئے۔ میں نے اپنے منشی کو غل غپاڑے کی وجہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور وہ بوڑھا قریب تھا کہ دب کمر جھائے۔ میں نے منشی سے جو دوڑتے ہوئے اور پشیمانی سے پسینہ پھینکتے ہوئے آتے تھے پوچھا کہ "منشی! کیا ہنگامہ ہے؟"

اُنھوں نے کہا کہ "صاحب! یہ آپ کے دھوبی کے کروت ہیں جو دوسرے دھوبی کی جو رو کو نکال لایا ہے،" خیر کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ ہمارا دھوبی جو لمبا امد خوب رو تھا ایک

عورت پر مفتوں تھا۔ اُس کی شادی ہو گئی تھی مگر خاوند کہیں دور چلا گیا تھا اور وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ بدلتے ہو میرے دھوبی کا نام تھا اُس عورت کے ذہن سے تمام خیالات اپنے پہلے خاوند کے دھو دیئے تھے اور اُسے اپنے ساتھ رہنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اُس کا خسر اُسے جانے کے لئے آیا مگر عورت نے اُس پر یہ تہمت تراشی کہ وہ دوسری قسم کی محبت کی نگاہ سے جو خسر کو دہونی چاہیے اُسے دیکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جانہیں کے دوست اور کیمپ کے تمام دھوبی آپس میں لڑے اور میرے منشی نے اُسی وقت جا کر دخل دیا جب کہ فتح کے طلائی پلہ برابر ہو رہے تھے۔ میں نے اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کرنے کا عمدہ طریقہ اختیار کیا۔ یعنی پنجایت مقرر کی اور جو اچھے اچھے دھوبی وہاں موجود تھے انہیں یہ کام سپرد کیا۔ اُن کا فیصلہ ہر حالت میں جو بیان کرنے کے لائق نہیں ہے یہ ہوا کہ عورت بدو کے پاس رہے اور فریق ثانی دد سو روپیہ کل برادری کے کھانے کے لئے دے اور جو رقم باقی بچ جائے وہ عورت کو ملے۔

میں نے بوڑھے سید عبدالرحمن سے سندھی سیکھنا شروع کیا تھا۔ خیر پور کے تالپور امرا وہ مجھے اُس زبان میں قصے سنایا کرتے تھے اور جو میری سمجھ میں نہ آتی تھی اُسے فارسی میں بیان کر دیتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ سکھر میری یاد میں نہایت آباد جگہ تھی وہ پہلے افغان کی تھی۔ وہ مقابل کے کنارے پر لوٹ مار کیا کرتے تھے جو انہی ایام میں خیر پور کے تالپور امیروں نے فتح کیا تھا۔ میرے رستم اُس وقت میں بیس برس کے نہایت اولوالعزم اور پرجوش تھے اُس نے اپنے والد سہراب سے سکھر پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی جو اُس نے کامیابی سے کیا اور شہر کو تاراج کر ڈالا۔ تین دن تک لوٹ بچی اور اُس وقت سے وہ جگہ پھر نہ سنبھلی۔ سید نے کہا کہ افسوس! اب میرے رستم کا حال کچھ اور ہی ہے وہ بھنگ کے اس قدر عاشق ہیں کہ اُس کے باعث اور بڑھاپے سے وہ بالکل سست ہو گئے۔ بھنگ جنگ اور رنگ اب خیر پور کے دد بار میں حاوی ہیں یہ

میں بہ نام کرنے والے جو تین خاص امیروں کی نسبت تین عادتوں کے التزام لگاتے تھے ربانی مسلا پر۔

مگر اُس کا باپ سہراب خاندان بھر میں بہادر تھا۔ اُس کے کوئی فرزند اُس کے
مد مقابل نہیں ہیں۔ صاحب میں اس وقت موجود تھا جب دوسری پشت کے حیدر آبادی
سرداروں نے اُسے جنگ کی دھمکی دی۔ سہراب نے اپنے سر سے کلاہ اتار کر حیدر آبادی
سیفر سے کہا کہ "جاذب تمہارے آقا ایسا شان و کھاسکیں تو اُس شخص سے لڑنے کی گفتگو
کریں جس نے اپنا ملک بزور شمشیر لیا ہے نہ یہ کہ وارثوں سے بے مشقت پایا ہے"۔



بقیہ ماشیہ ۱۲:، یعنی میرستم کا گاہ بے گاہ نمشی چیزوں کا استعمال کرنا، نئی مراد کا جنگ پر آمادہ
رہنا اور میر مبارک کا عیش میں مشغول ہونا ان کی نسبت یہ کہنا ضرور ہے کہ میرستم بہر جو الزام
لگایا گیا تھا وہ بالکل جھوٹ تھا۔ اُن کی کابلی بڑھاپے کی کابلی تھی جس سے سولینٹ شاعر محض
ایک "سادہ لوح اور نمائشی" شے تصور کیا جاتا تھا ۱۲۔

باب ۶

سقوطِ قلات

سکھر سے تبادلو کا حکم | ہر نو مہر کو دیوالی ہونے کے باعث کل دربار میں چراغ روشن تھے باقی یہ تماشا نہایت لطف کا تھا اور میں عرصہ تک اپنی کشتی میں اُسے دیکھتا رہا۔ مسجدوں اور مساجد مقبروں سے جو نیرایوں چراغوں سے روشن تھے اور ایک وسیع دریا اُن کے پاس سے اپنی اُداس عظمت و شان سے بہہ رہا تھا آمد کھجوروں کے باغات اور جیرہ بکر جو وسط دریا میں تھا ان سب کے مل جانے سے ایک عجیب تصویر پیدا ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی کوئی شخص لکشی دیوی کو پوجتا اور ایک چھوٹا سا بیڑا جس میں بہت سے چراغ ہوتے تھے دریا میں چھوڑتا اور پھر اسے منگنی لگا کر دیکھ کر مارتا۔ اگر وہ برابر تیرتا جائے۔ یہاں تک کہ نگاہ سے غائب ہو جائے تو وہ بڑا خوش نصیب ہے کیونکہ اُس کی آئندہ حالت عمدہ ہوگی۔ لیکن اگر کسی بھنور میں آکر وہ ایک بیک غائب ہو جائے تو اُس کی تقدیر کی کشتی بھی اسی طرح گرداب مصیبت میں پھنس کر غرق ہو جائے گی۔ انتہا کی گرمی جو پہلے تھی وہ اب کم ہو گئی تھی اور میں نے سکھر کے موقع و محل کے مناسب حال اپنے کو بتایا تھا اور اپنے مزاج کو دہاں کے لوگوں کے مزاج کے موافق کر لیا تھا تاکہ ہر قسم کا خطرہ دور ہو جائے اور بمبئی کی جو فوج واپس آ رہی تھی۔ اُس کے

ساتھ شریک ہونے کے لئے مجھے شکا رپور جانے کا حکم ملا میں ارکی صبح کو گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور ایک کو سا کو رہنمائی کے لئے ساتھ لیا۔ راستہ کئی موضوعوں سے ہو کر گذرتا تھا جس کے نام تاج آباد۔ نظیر آباد جعفر آباد سمراد وغیرہ تھے اور بعض جگہ بڑی زراعت تھی۔ سکھر کے آگے قریب نصف راہ سے کچھ زائد جا کر جنگل گھٹنا ہونے لگا اور یہاں بڑی ڈاکوؤں نے کئی خون کئے تھے کیونکہ وہ ان کی راہ پر تھا۔ کو سا گاؤں میں پہنچ کر مجھے وہاں کے سردار رحیم خان اور اُس کے بیٹے قادر بخش سے ملاقات کرنی پڑی۔ اُس کے اقربا میں ایک ایسے شخص سے مجھ سے ملاقات ہوئی جس کا نام جبال خان تھا۔ یہ شخص نہایت بے باک اور تلوار کا بڑا مدھی تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب شرکار پور کے پولیٹیکل افسر نے کام پر دیر سے آنے کے لئے گھر کا تو فوراً جواب دیا کہ ”یہ وجہ دیر کی ہے“ اور ایک پولی کھول کر جو اُس کے ہاتھ میں تھی ایک بلوچی ڈاکو کا خون آلود سر دکھلا دیا۔

شکار پور کی ایجنسی | میں شام کو شرکار پور پہنچا اور ایجنسی کے مکان کو ظاہر اچھا نہ پایا۔ وہ شہر کے باہر تھا اور صرف ایک کھجور کا باغ اُس میں تھا اور کسی قدر سبزہ۔ لیکن اُس کی مسمار مٹی کی دیوار کے آگے جو اُس کی حد تھی۔ ایک تاریک جھوٹا جنگل تھا۔ دیوار کے اندر ایک بڑے مکان کا خاکہ نظر آیا جو تعمیر پورا تھا۔ کچھ خیمے بے قاعدہ سواروں کے۔ چند ذیل جھونپڑے بلوچی قیدیوں کے اور بچ میں ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا جس میں اوپر کے درجے کا کمرہ تھا اور وہاں میرے رہنے کی جگہ تھی۔ چونکہ اس کمبخت عبد کی دیوار مٹی کی تھی اس وجہ سے اُس میں ہزاروں چیونٹیاں ہر رنگ اور قد کی باغیچہ آباد تھیں ان میں وہ بڑی سیبہ چیونٹی بھی تھی جو اپنے بڑے بڑے زنبور سے ایک ہی ہڈ کی گرفت میں خون نکال سکتی ہے۔ دوسری چھوٹی والی چیونٹیاں تھیں جو آپ کے بالوں اور ٹوپی میں رہ کر طیکہ وہ کسی دوسری شے جو اُس ملک میں دستیاب ہوتی ہو ان کی ہزاروں ہزار ہٹنا پسند کرتی ہیں۔ تیسری کالی چھوٹی چیونٹیاں جن کی شرارت کی خواہش اُن کی جسامت سے بڑھتی ہوئی ہوتی ہے اور جو تھی دیمک جن کے لئے کافی بددعا

نہیں کی جاسکتی اور جو تمام چیزوں کو اگر اس کا بس چلے تو خاک ہی کر ڈالے۔ واقعی چوٹیوں کا مشرق کے ممالک کی میہبتوں میں اگر سب سے اونچا نہیں تو صرف اونچا درجہ ہے خاص کر سندھ میں کل زمین اُن سے پڑے۔

مقامی لوگوں سے ملاقات | اگر یہ صحیح ہے کہ دریائے خروڑی سے تو تعجب ہے کہ ہندوستان میں تھا کیونکر پڑتا ہے کیونکہ اُن کا ذخیرہ تو ختم ہی نہیں ہو سکتا۔ مجھے بہت جلد یہ بات معلوم ہوئی کہ بہ لحاظ آب و ہوا کے میری تبدیلی سکھر سے اچھی نہ ہوئی۔ ہوا گرم اور گرد آلود تھی اور رات سخت تکلیف دہ۔ مگر بہت کچھ کرنا اور دیکھنا یہ تھا جس سے ان کمزورات کا خیال نہیں ہو سکتا تھا۔ پہنچنے کے دوسرے دن وہاں کے مہمی حکام اور نشی اور دوسرے لوگ جو انجنی سے متعلق تھے، میری ملاقات کرائے۔ اور سب سے ایک ایک لفظ کا علم کہنا ضرور تھا۔ جو شخص پہلے آیا تھا وہ جیت سنگھ ایک ہندو مال دار بہا جن اور سوداگر تھا جو انگریزوں کی بڑی خوشامد کرتا تھا اور جس نے مثل ادروں کے جنھوں نے ہماری مدد افغانستان کی محسوس طرزی میں کی تھی اپنے تعلق کے باعث نقصان اٹھایا اُس وقت وہ قیمتی پوشاک پہنے تھا اور صورت اور وضع سے معزز معلوم ہوتا تھا اس کے سوا وہ وجیہ خوش سلیقہ اور زیرک تھا۔ اس کے برعکس اُس کا شریک چتر مل سادہ لباس پہنے تھا اور جو کچھ تھوڑی گھنٹہ گودہ کرتا تھا اس قدر خشک اور بے نمک ہوتی تھی کہ گویا عمر بھر وہ لندن کے کسی بنک میں ہوا ہوا سودا کا حساب کرتا رہا ہو۔ جیت سنگھ شکار پور کے ہندوستانی گورنروں کا کچھ زیادہ خیال نہ کرتا تھا۔ ان میں سے خیر پور کے وکیل برج داس سے میں نہایت خوش ہوا۔ وہ ایک قد آور ہنس مکھ اور سیاہ ڈاڑھی والا سندھی تھا۔

نیراہیم شاہ | حیدرآباد کے وکیل اور ہی طرز کے تھے۔ ابراہیم شاہ کو فوراً میں نے مجھ لیا کہ ایرانی ہے اگر اُس کی بات بریقین کیا جائے تو اُس کے امیر معاذ اللہ مذاہتے جن کے لئے وہ صرف انسان ہی سے نہیں بلکہ جن و دیو سیاہ و سفید سے بھی مقابلہ کرنے پر آمادہ تھا۔ اُس کے

خاندان والے امیروں کے بنائے ہوئے تھے۔ سندھ میں وہ لوگ غریب الوطن بے یار و مددگار و مفلس تھے۔ مگر اب وہ متمول ہیں۔ لوگ ان کی دربار داری کرتے تھے اور اپنی سرکار میں وہ اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ ابراہیم اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میرے سو سوار میرے ہی برابر میدان جنگ میں آسکتے ہیں۔ اور واقعی وہ ایک جوان قابل حقارت نہ تھا۔ اُس کا قد لمبا اور صورت نہایت وجیہ تھی اور ہتھیاروں کے استعمال میں وہ دست گاہ کامل رکھتا تھا۔ میں نے اُسے اکثر گھوڑا سرپٹ بھگاتے بارہ فٹ کے نیزے کو گھماتے اور پھر یکایک اُس سے نیپو کو چھید کر اٹھاتے دیکھا ہے۔ مگر جب وقت نازک میانی کے مہلک میدان میں آیا تو اُس کے خندان کا صرف ایک شخص اُس سردار کے ساتھ گیا جس نے اُسے عزت بخشی تھی۔ وہ بنو ہاشم کا ایک بڑا فاضل تھا جس کا نام ہی بہ وجہ وفاداری کے قابل بیان ہے۔ وہ تمام بے وفاؤں میں ایک ہی وفادار نکلا۔ دوسرا حیدر آبادی گورنر تھی شاہ ابراہیم کا بڑا بھائی تھا جو اتنا ہی خوش سلیقہ مگر زیادہ بردبار تھا اُس کی نسبت مشہور تھا کہ خمیں اور مذہب کا اس قدر متعصب تھا کہ کسی ایجنٹ کے ساتھ بغیر اس امر کے دریافت کئے کھانا نہ کھاتا تھا کہ آیا کھی مسلمان کے ہاں کا ہے۔

محمد حسین داروغہ کا بھی یہاں کچھ ذکر کرنا چاہیے۔ اُس کا عہدہ وہ تھا داروغہ محمد حسین جو انگریزی شہروں میں پولیس کے مجسٹریٹ کا ہے۔ یہ ایسا عہدہ ہے جو رفتہ رفتہ ہماری انسانیت کے خیالات کو زائل کر دیتا ہے مگر محمد حسین کی یہ کیفیت نہ تھی جو میرے خیال میں ایک رحم دل شخص تھا اور ایسا تھا کہ اپنے وعدے کو باوجود اپنے لقب کے وفا کرتا تھا۔ کیونکہ بہ قسمتی سے داروغہ داروغہ کے معنی جھوٹے کے اور پولیس کے عہدہ دار کے بھی ہیں۔ بے چارہ داروغہ کتوں سے بہت گھبراتا تھا کچھ تو اس لئے کہ وہ اس کے مذہب میں ناپاک ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ اس کے باریک باجاموں سے بہت کم حفاظت کسی کتے کے کاٹنے

سے ہو سکتی تھی۔ پس وہ نہایت ہی خوف سے ہمارے اکینبی کے مکان میں بعد کو آیا کرتا تھا جب کہ وہاں ایک لیڈی مع اپنے پیارے کتے کے رہتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا جاتو تھا جسے مومن کے کتے ٹخنہ کے ایک لقمہ گوشت کی بڑی خواہش رہتی تھی۔ اُس وقت وہ کہا کرتا تھا۔

”ازبرائے خدا منع بنید: یہ کیا بلا ہے جس کی میم صاحب اس قدر شایق ہیں۔“

بڑے لوگوں کی ملاقات کے بعد چھوٹے درجہ والوں کی بھیڑ آئی۔ ایک دل لگی بازمنشی نے جو سب کے پیچھے تھا، میری گفتگو کے ختم ہونے پر اپنی لمبی داڑھی اور سر ہلا کر بڑے اطمینان سے بہ آواز بلند کہا کہ ”اے شکر شیریں“ مجھے عظیم خاں بابرک زئی کو دیکھ کر نہایت تعجب ہوا جو دوست محمد خاں کا رشتہ دار تھا اور ایمیل کے سواروں میں بطور رسالدار کے نوکر ہو گیا تھا۔ اُس کی وضع عمدہ تھی اور الف خاں ترین کے برابر وہ ایک کام کا سپاہی تصور کیا جاسکتا تھا۔

اب دلچسپ معاملات قریب تری ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ کہ **بلوچیوں سے پہلی جھڑپ** ۱۰ نومبر کو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایمیل کے بلوچی سواروں نے

شکست کھائی اور ۲۵ سپاہی کام آئے۔ وہ شاہ پور میں تعینات تھا جو رگستان کے باہر پہلا ناکہ سری اور لگتی پہاڑیوں کی راہ پر ہے اور جو حکمرانی ڈاکوؤں کا سکھنا ہے قبضہ کرنے سے پہلے تھا۔ اس مقام سے اس نے کئی چھوٹے گروہ لیروں کے گرفتار کئے تھے۔ ایک دن خبر معلوم ہوئی کہ اونٹوں کو ڈاکو لے گئے۔ ایمیل اتنی آدمیوں کے ساتھ سوار ہوا جن میں قریب دس کے پونا کے سوار تھے جن پر وہ بھروسہ کر سکتا تھا۔ کچھ دیر تک مفزور چوروں کا تعاقب کرنے کے بعد وہ ایک بیک ایک مقام پر آیا جہاں جکرانی اور دکنی قبیلوں کے کئی سو بلوچی کمیں گاہ میں تھے اور ان کا سردار بجا رفان جی نامی شخص تھا۔ اُس کے لوگوں نے فوراً باگ پھیر دی۔ اور پیاری جان سے کر بھاگے۔ دشمن نے ان کا سخت تعاقب کیا اور ان میں سے چوتھائی کو مار ڈالا۔ ایمیل کے ایک ہندوستانی افسر نے اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر پھیر دیا۔ اور دسوں پونا کے سواروں کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ یہ چھوٹی سی جماعت کم اضطراب کے ساتھ اور باقاعدہ طور پر بہت دور تک پیچھے

لیفٹیننٹ والپول کا کا نام | جب معرکہ ختم ہوا تو بجا رہنے دریافت کیا کہ وہ شخص سفید گھڑے پر سوار کون تھا۔ جب اُس سے کہا گیا کہ وہ فرنگی افسر تھا تو اُس

نے کہا کہ خوب ہوا کہ مجھے معلوم نہ ہوا اور نہ اُس کا نقرہ جانور باوجود اپنی تیز رفتاری کے اُس کو میرے ہاتھوں سے نہ بچا لے جاتا۔ دوسرے دن بعد اس زک کی خبر ملنے کے لیفٹیننٹ کے والپول

کلا راک شکر پور میں ایک سو تیس سواروں کے ساتھ پہنچا اور چار دن کے بعد وہ بے قاعدہ سواروں کے رسالے بنگال احاطہ کے آئے۔ کلا راک ایک پکا سپاہی تھا۔ نہ اُس کے پاس نہ اُس کے

آرمیوں کے پاس کوئی جز و فضول اسباب کا تھا۔ ان کی احتیاجیں آسانی سے رفع ہو جاتی تھیں۔ بعد ایک دن کے وہ آگے بڑھ گئے کیونکہ ان کو کام کا ایسا اشتیاق تھا کہ کوئی شے اُن کو روک سکتی تھی۔

جب کلا راک جنوبی سندھ سے شمال کی جانب بڑھ رہا تھا رسالہ کا ایک نہایت عمدہ گھوڑا

رات کے قیام میں ایسی جگہ سے چوری لیا جہاں کوئی انسان یا مکان کا نشان تک نہ تھا۔ صبح کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ کلا راک نے تھوڑے سے لوگوں کو ساتھ لیا اور نشان قدم پر چل نکلا۔ حتیٰ

کہ کئی میل نکل گیا۔ وہاں پہنچ کر ایک ندی ملی جہاں وہ نشان ختم ہوتا نظر آتا تھا۔ مگر کچھ دور اُس کے کنارے جا کر اُس نے پھر نشان دیکھا اور اُس کے پیڑھ پر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ پندرہ

میل جا کر وہ ایک موضع میں پہنچا۔ اُس نے وہاں کے باشندوں سے کہا بھجوا کہ اگر آدمہ گھنٹہ کے اندر گھوڑا حاضر نہ کیا گیا تو اس موضع پر حملہ ہوگا۔ چنانچہ اُسے زیادہ عرصہ تک انتظار کرنا نہ پڑا

کیونکہ گھوڑا فوراً واپس ملا اور وہ رسالہ میں آ ملا۔ اُس کے تمام لوگ اپنے سردار کے پتہ ملنے اور اُس کے ہنر کے عمدہ نتیجے سے بہت خوش ہوئے۔

بگتی ڈاکوؤں کا فرار و رفتاری | اہل کو چار بگتی ڈاکو جن کو ہم لوگوں نے قید کر رکھا تھا نکل بھاگے جب کو سا لوگوں نے تلاش کی اور تلاش بے سود نکلی تو میں نے

میرستم علی کے وکیل سے مدد چاہی۔ جس نے ان کو اُس وقت گرفتار کیا جب کہ وہ اپنی پہاڑیوں تک پہنچ چکے تھے۔ اُن غریبوں پر مجھے رحم آتا تھا ہر چند کہ وہ خونخوار تھے کیونکہ اُن کی خونخواری

جہالت اور مصیبت کی تھی۔ جو شخص اُن کی جانب سے بطور ترجمان کے کام کرتا تھا وہ یارو خدا کے ساتھ خود ڈاکو رہ چکا تھا۔ لیکن اب اپنے بقیہ قبیلے کے ساتھ ہماری ملازمت میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ چھ فٹ سے زیادہ بلند قامت تھا نہایت ہی چوڑا چکلا اور قوی اور اُس کے چوڑے سینہ اور اعضا پر سیاہ ٹولیدہ بال تھے۔ جب صاحب لوگوں کے روبرو آتا تھا تو حتی الامکان وہ گریہ مسکین بننے اور اپنی خلقی گرجتی ہوئی آواز کو نہایت ہی باریک لہجہ میں نکالنے کی کوشش کرتا تھا جو یہ کچھ کی آہستہ آواز سے نہایت ہی مشابہ تھی۔ جس طرح شیکسپیر کے ٹمس نائٹ ڈریم میں بلی باغٹ نے کہا تھا۔ اسی طرح وہ بھی اُس قدر ملائم طور پر گرجتا چاہتا تھا جتنا کہ ممکن تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ اکثر دشمن کو پکڑنے کے بعد دیتا اور گلا گھونٹ کر مار ڈالا کرتا تھا اور دشمن کو اس طور پر مارنا بہ نسبت تلوار سے مارنے کے جو صحیح قاعدہ بہ زیادہ پسند کرتا تھا۔ اُس کی شہرت بطور سرغنہ کے اس قدر تھی کہ جس لوٹ کی مہم میں وہ شریک ہوتا تھا اُسے چھٹا حصہ اسباب غنیمت کا ملتا تھا کیونکہ کراچی کے بے نشان ریگستان میں وہ بنی جماعت کی محض ستاروں کی چمکے نہایت ہی کرتا تھا۔ مگر اُس وقت یہ سب باتیں بھولی ہوئی تھیں اور ذرا الجھنی میں وہ فراموش کر اس قدر نیک اپنے کو جتنا چاہتا تھا جتنا کہ اُس کے جسطہ اقتدار میں تھا۔ لیکن ہر چند کہ اب وہ خود ملک کو نہیں لوٹتا تھا مگر اُن لوگوں کی گرفتاری میں جو ایسا کرتے تھے بہت کم استمداد کرتا تھا۔ اُن بلوچیوں میں جو شکار پور کے گرد و نواح کے مسافر کے لئے خونخاک بہانے ہوئے تھے ایک شخص خاص کرایا تھا جس کی بد ذاتی کوئی نہ کوئی ہر روز سننے میں آتی تھی۔ یہ شخص بڑی قسبے کا دین محمد نام تھا یا دیکھتا تھا جیسا کہ بالعموم اُسے لوگ کہتے ہیں۔ یہ شخص شمالی سندھ کے لئے ایک بلا تھا۔ اُس کا بھائی سولا اُس سے بھی زیادہ مشہور تھا۔ مگر تقدیر نے اُس کا نام بار بار سن کر اُس کے کام کا خاتمہ ہی کر دیا۔

سولا ڈاکو کی گرفتاری | شکار پور میں میرے پہنچنے کے قبل الجھنی میں یہ خبر آئی کہ سولا گھوڑے پر

گشت کرنے کے بعد کسی گھاؤں میں ٹھہر گیا ہے جو دس پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک دستہ بے قاعدہ سواروں کا نوڑا تیار ہوا اور تیز روی کے باعث اُس کے سر پر ایسے وقت پہنچا کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہونے پایا۔ اگر سوار ہونے پاتا تو وہ اُن کی کوشش پر ہنستا مگر اب بچنا محال دیکھ کر اُس نے تلوار کھینچ لی اور نہایت ہی بے باکی سے لڑنے لگا۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد اُس کا داہنا ہاتھ بیکار ہو گیا اور خود وزیر ہو کر قیام گاہ میں لایا گیا۔ اُس سے بڑھ کر خونخوار صورت کا وحشی خیال کرنا ناممکن ہے۔ ایک ٹھنڈا آبِ نوسی بالوں کا اُس کے چہرے کو نصف چھپائے ہوئے تھا۔ اُس کی پیشانی تنگ تھی اور اُس کی جھڑی بھنودوں کے نیچے اُس کی سیاہ آنکھیں بگلی جلاڑی کی خونخوری کے ساتھ چمکتی تھیں۔ بہت سے لوگ اُس کے دیکھنے کے لئے آئے جن میں سے بہتیروں نے اُس کے ہاتھوں سے تکلیف سہی تھی اور بعض کے رشتہ دار اُس کے بااُس کے ہزار ہیوں کی توار سے مارے گئے تھے۔

سولاڈاکو کا خاتمہ | پہلے اُس کو خیال نہ تھا کہ وہ جان سے رہا پائے گا وہ سمجھتا تھا کہ ندریہ کے چھوٹے بھائی کے۔ ایک مرتبہ اُس نے پولسکل افسر سے کہا کہ: "اگر مجھے

آزاد کر دو تو پانچ اونٹ دوں گا۔ جب اُسے کچھ جواب نہ ملا تو اُس نے تعداد بڑھانا شروع کی اور کہا کہ: "میں تم کو دس اونٹ دوں گا۔ بلکہ میں: "میں تمہیں وہ بلوچی لڑکی حوالہ کروں گا جسے اپنی پچھلی لوٹ میں لے گیا تھا۔ پھر بھی جواب نہ ملا۔ تب وہ گفت گمبھرا یا، لوگوں نے ایک رسی لاکر اُس کی گردن میں ڈالی۔ تماشاخی آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور ہر شخص اُس کا ہلا دہوتا چاہتا تھا۔ ایک نے کہا کہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ رسی مجھے دوا اُس نے میرے بھائی کو مارا ہے۔ جب رسی اُس کی گردن میں ڈالی گئی تو وہ سمٹ گیا اور دینی آواز میں کہنے لگا کہ اے صاحب! یہ نہ کرو۔ جس ورخت پر اُس نے اپنی خونریزیوں کا کفارہ دیا۔ وہ جب تک میں زندہ رہا۔ سولا کا درخت کہاں تھا۔ اور غالباً تو اُس کا نام یہی رہے گا۔ اُس قتل کا بدلہ لینے والے ریس سے دیکھنے پر پہنچے۔ وہی سرگرمی کے ساتھ کہنے لگا۔ بھائی کے مرنے کے چند ہی مہینوں کے اندر دس خون اُس سے شربت بن گئے تھے اُس کے گرفتار کرنے

کی تمام کوششیں بے سود تھیں اور بہت کچھ بیکار سعی کے بعد آخر کار ہم لوگوں نے سنا کہ کسی وجہ سے وہ فراریوں کے پاس چلا گیا۔ یہ قبیلہ لمٹان کے صوبے کی سرحد پر آباد ہے۔

۲۳۔ نومبر کو ہم لوگوں کو قلات کے قلعے کی خبر ملی۔ محراب خاں کا مرہ قلات کا زوال | اُس کے قلعہ کا چھین جانا اور اُس کے بہادر سپاہیوں کا مارا جانا شمالی

سندھ کے مفسد باشندوں کے لئے ایسا ہوا جیسے بجلی گری ہو۔ امیروں کے وزیر ہمارے پاس مبارک باد دینے آئے مگر ان کے چہرے خوف سے زرد تھے اور وہ ناحق بے پروائی ظاہر کرنا

چاہتے تھے۔ کہاں تک مدت کے خان کے ساتھ ایسا سلوک روا تھا۔ اس میں بعض کو اعتراض ہے۔ اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے پہاڑی قبیلوں کو ہم پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا

تھا۔ ہم لوگ کبھی اور بولان سے گذر رہے تھے۔ میں نے خود کئی خطوط گورنمنٹ کے لئے ترجمہ کئے تھے جو اُس کی جانب سے نصیر ن حیدر آبادی کے پاس آئے تھے۔ ان خطوط سے اس

بات کے دریاوت کرنے کے لئے کہ ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ کسی بڑے شخص کی ضرورت نہ تھی۔ عبارت صاف تھی۔ لیکن ان کی اصلیت کی نسبت میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگر میری

یاد خطا نہیں کرتی تو ان پر اُس کی مہر مع اُس مشہور علامت کے ثبت رہتی تھی۔ گل گلشن محمود خراب خواہ وہ اس سلوک کا مستحق تھا یا نہیں مگر اُس کے انجام سے کچھ وقت تک

کے لئے ان ناریت گریں باہر نہ بردست اثر پڑا جو اُس کے قبل زوروں پر تھی۔

۲۵۔ کو ایک حصہ لٹتی ہوئی بمبئی کی فوج کا شکار پور پہنچا۔ مگر ان میں

بیسہ کی ویا۔ وہ اُمرگ نہ پائی جاتی تھی جو لوگوں میں فتح حاصل کر کے واپس آنے پر ہوتی ہے۔ دراصل موت ان کے گردہ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ خوفناک بلائے ہیضہ ان

میں مقام بارغ سے شروع ہوئی تھا۔ پہلے شخص ڈاکٹر فورس تھا جس نے قضا کی اور جس کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ اُس لمحہ سے غارمہ سخت تیزی کے ساتھ پھیلنا۔ چار منزلوں میں وہ جانی درہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت جو لوگ مرتے تھے۔ ان کا دفن کرنا ممکن

نہ تھا۔ جنگل اور راستوں میں لاشیں پڑی تھیں۔

۲۶ کو چوتھے ڈراگوں رسالہ اور گھوڑوں کا توپ خانہ شکار پور میں داخل ہوا۔

تجہیز و تکفین

میں کچھ دوران سے مرنے کے لئے گیا۔ ہر طرف اُدا سی چھا رہی تھی۔ پولیٹیکل ایجنٹ میرے پاس سے پالکی میں گزرے۔ لوگ زور سے بھاگے جاتے تھے۔ بے قاعدہ سواروں کے ایک دستہ نے راستہ صاف کیا۔ بڑا شخص بھی بیمار تھا۔ میں نے چوتھے ڈراگوں کے مسکوٹ میں سر کیڑہ جیکسن کے ساتھ کھانا کھایا۔ ہر شخص میں رکاوٹ پائی جاتی تھی۔ اُن کی پلیٹن کا کمانڈر مر رہا تھا۔ اُسے لوگ بہت مانتے تھے اور وہ عالم شباب میں ایک عمدہ سپ ہی تھا۔ نہایت جسیم اور قوی کل تک اُسے کچھ نہ تھا اور اس وقت مر رہا تھا۔ میں کچھ دور شہر میں گیا اور خیمہ گاہ کی جانب بھی گشت کیا۔ بہت سے یوروپین زمین پر متوالے پڑے تھے۔ انہی کے سامنے کچھ لوگ ایک بڑا گڑھا کنوڑھے تھے اور دوسرا دیوار کے باہر۔ میرا ٹمپھر گیا اور ٹھہک کر اندر دیکھا۔ پاروں کے بعد میں نے اُن جگہوں کو پھردیکھا۔ گڑھے بھر دیئے گئے تھے اور بہت سی جھازیاں، اُس تازہ برابر کی ہوئی زمین پر نصب کی گئی تھیں۔ اُن میں میں نے ایک کیڑے کے کام میں غلطی والا۔ جس نے کچھ باہر کھینچ لیا تھا۔ یہ ایک سر تھا اور لال لب کھٹے ہوئے تھے۔ ان سے ایک حسین لڑکی عمدہ سفید دانتوں کی نظر آتی تھی۔ جس غریب کے وہ انت تھے وہ ظاہر بالکل کم سن تھا۔ واقعی گڑھے خوب بھر گئے تھے۔ یعنی ایک میں تیرہ انگریز سواروں کو ڈال دیا۔ اور دوسرے میں اتنے ہی توپ خانے والوں کو۔ وہ رات نہایت خوف ناک تھی۔ انہی کے اعلاطہ کے اندر اس قدر لوگ بھرے ہوئے تھے کہ جو کچھ وہاں ہو رہا تھا اس کو صاف صاف ظاہر کرنے والی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کم سے کم دو تو آدمی اُس رات رہے۔ دوسرے دن مجھے کچھ جانے کا اُسی راستہ سے حکم ہوا جہاں بیمار ہی تھی۔

شکار پور سے روانگی دواپسی | مجھ میں اُس مارمڈ کے بد نما آثار نمودار ہوئے مگر ایک پستہ قد

ڈاکر نے جو مثل پریت کے زرد منوم ہوتا تھا افیون کے ست کی ایک ایسی خوراک دی جس سے میں تقریباً دیوانہ ہو گیا۔ پو پچھے میری سواری کا اونٹ آیا میں سوار ہو کر خوش ہوا کہ پہلی دو منزل تک ایک شخص میرا ہمراہی ہوگا۔ ہم لوگ روانہ ہوئے۔ میرے ہمراہی کو وہ عارضہ تھا جو میں نے اکثر ایسے لوگوں میں دیکھا ہے جو پہلے یا دوسری بار کسی پیچیدہ ملک میں سفر کرتے ہیں۔ اُس کا خیال تھا کہ کوئی نزدیک کا راستہ مل سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے اس دیوانہ پن کا نتیجہ بیسا کہ معمول سے یہ ہوا کہ ہم لوگ راستہ ہی بھول گئے۔ قبل اس کے کہ ہم لوگ جانی درہ میں پہنچے آفتاب نکل آیا۔

جوں جوں ہم لوگ آگے بڑھتے گئے۔ راستہ میں لاشیں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو پر تلگیز تھا اور صاف سوتی پتھون اور جاکٹ اور پٹی پہنے منہ کے بل بڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین نہ آیا کہ وہ مر گیا ہے۔۔۔ میں اُس کے قریب گیا اور نیچے اتر کر اُسے اٹھانا چاہا۔ اُس وقت میں نے دیکھا کہ اُس کی لاش کے نیچے فون کا دریا بہہ رہا ہے۔ وہ ایٹھ گیا تھا اور بہت سی چلیں اُس کے پاس سے اتریں۔ میرے ملازموں نے کہا کہ اُنھوں نے پانچ لاشیں گاڑ دی تھیں جنہیں گید۔ وں نے نکال لیا تھا۔ سفر نہایت ہی بڑا تھا اور رات کو ایسے مقام پر ٹھہرنے سے جہاں ایک دن قبل سیکڑوں مرچے تھے اور طبیب کے ملنے کی امید نہ تھی اشتہا بالکل زائل ہو جاتی تھی۔ دوسرے دن میں رہیں گیا جہاں وہی باتیں پیش آئیں۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ جزل دیشیر جس کے ملنے کا مجھے حکم ہوا تھا بشرطیکہ وہ برثوری کی جانب سے آتا اُس راستے آئے والا نہیں ہے اور چونکہ اب میری خدمات کی ضرورت نہ تھی میں بخوشی شکار پور واپس آیا۔

میرے ہمراہ کو قدامت سے توپ خانہ اور سفر مینا کی پلٹن کے لوگ شکار پور میں آئے اس فوج کے ساتھ اسباب و آلات کا بہت تھا اور ہر قسم کی قیمتی اشیاء فروخت ہوتی

تھیں مجھے کسی عجیب چیز کے حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔

۲۱۔ کو میں ابراہیم شاد کے ساتھ باز کا شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ باز چھوٹی قسم کا شکار کے تھے۔ انھوں نے چند فاختہ مارے مگر اس خطہ میں چھوٹی چھوٹی بھڑیاں اس قدر افزا رہے تھیں کہ گھوڑوں کو تیز دوڑنا ناممکن تھا۔ پس تمام لطف اُن پندوں ہی کو حاصل ہوا۔ مگر یہ امر داروغہ کو بلا کسی خاص وجہ کے ہر طرف بے تکیے مارے مارے پھرنے اور ساتھ ہی زور سے نعرے مارنے سے مانع نہ ہوا گویا شکار بہت ہی لطف کا ہاتھ آیا ہو۔ ایراگر میں اُس کے شور و غل سے جوش میں آیا اور یہ خیال کیا کہ کوئی حد یہ اور عمدہ شکار نظر آیا ہے مگر فوراً اس بات کو یاد کر کے کہ ایرانیوں کا ایسے موقعوں پر غل فہاڑا کرنے کا قاعدہ ہے میں خاموش رہا۔

اس وقت ایک مثال اُس طریقہ کی ظہور میں آئی جس سے سرکار کو اُن لوگوں کی غفلت سے جن کے متعلق تعمیرات کا کام ہے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ مثال نہایت ہی چھوٹی حیثیت کی ہے اور اسی وجہ سے میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ مجھے حکم ملا تھا کہ بہت سے صندوق خزانے کے سے تیار کراؤں اس کے لئے مضبوط لکڑی درکار تھی اور باموم لکڑی خاص کر جیسی بچے درکار تھی شمالی سندھ میں بہ دقت دستیاب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ جب میں شہر میں جا رہا تھا میں نے بہت سی لکڑی سندھیوں کا عمدہ کرفار | ایک سڑک پر پڑی دیکھی ہر سے کم لوگ گزرتے تھے۔ وہ پتے کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ شیٹم ہے جو نہایت عمدہ لکڑی ہوتی ہے اور دیکھ اُسے کھا نہیں سکتی۔ میں نے پوچھا کہ اس کا مالک کون ہے۔ معلوم ہوا کہ قندھار میں جو غشی ہے وہ ہے۔ میں مشکل سے گھر پہنچا تھا کہ چند لوگوں نے آکر مجھ سے کہا کہ وہ لکڑی سرکار نے دریائے سندھ پر پل بنانے کے لئے خریدا کی ہے۔ پتے پوچھتے تو وہ وہاں پر کہاں پڑی ہوئی تھی کسی پولیٹیکل طریقہ سے پہنچ گئی تھی۔ اس کا کہنا فضول ہے کہ وہ فوراً ایکسپری کی زمین پر اچھے کر جیسی

آئی اور وہاں سے اونٹوں کی پیٹھ پر خزانے کے صندوق بن کر روانہ ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کا بلکہ اُس سے زیادہ نمایاں معاملہ پیش آیا۔ اور جس کا سندھیوں کی چال و چلن کی تعریف میں لکھنا ضروری ہے۔ اُن افسروں میں سے ایک نے جو افغان مہم کے پیش رو لوگوں میں تھے سات ہزار روپیہ کچھی کے ایک سید کو رسد کے مہیا کرنے یا فوج کی روانگی کے کسی دوسرے کام کے لئے دیا۔ ہمارا خدشہ اُس وقت اس قدر کثیر اور وسیع تھا کہ یہ رقم بالکل فراموش ہو گئی۔ جس افسر نے اُسے دیا تھا وہ فوج نے کر آگے بڑھ گئے اور اپنے قائم مقاموں کے پاس کوئی یادداشت نہیں چھوڑ گیا۔ اُس کو مہینوں گزر گئے اور بالکل معاملہ فراموش ہو گیا۔ ایک دن ایک پولیٹیکل افسر شکار پور ت چل کر اُس سید کے گاؤں کے قریب ٹھہرا اور اُسے نہایت تعجب ہوا۔ جب کہ سید کئی تھیلیاں روپیہ سے بھری ہوئی لے کر آیا۔ سید نے کہا کہ یہ سرکار کی ہیں۔ اور کل کیفیت اُن کے دستیاب ہونے اور خود اس کام میں لانے کی قابلیت نہ رکھنے کی بیان کی۔

پولیٹیکل ایجنٹ کی مہمان نوازی | شکار پور میں یہ موسم نہایت دل پسند تھا۔ کسی قدر ہلکے ہوا میں رہا۔ اور اس قدر خوشی تھی کہ انسان سوار ہو کر باہر نکلے یا دن کو پیدل چل سکے۔ افسر اور گاد بہ گاد ہوتے ہی اُس جگہ سے برابر اپنے مقامات کو دوروں کے۔ سر جاتے تھے اور جس وقت تک وہاں ٹھہرتے تھے سب ایجنسی میں قیام کرتے تھے۔ مسافروں کے ہنگامے اُس وقت تک نہ تھے اور ہم لوگ ہی صورتوں کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے تھے۔ مگر یہ امر بے شکیہ نہیں لکھا جاسکتا کہ ہمیں کھانے کا خرچہ گورنمنٹ سے نہ ملتا تھا۔۔۔ کفایت شعاری اور مہمان داری میں معاملہ ضدین کا تھا۔ اس معاملہ میں پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک عمدہ مثال بذات خود دکھلائی۔ ہر شخص جو آتا تھا اُس کی وہ بہانہ داری کرتے تھے۔ خود ان کے ماتحت جو قریب دس پندرہ کے تھے ہمیشہ دسترخوان پر کھانا

کھاتے تھے۔ اور انھیں اخراجات میں اُن کی نصف تنخواہ صرف ہو جاتی تھی کردہ زیادہ تھی۔
 چودہ ہزار میر اور شراب کی بوتلیں جو سالانہ اُن کی میز پر نکلتی تھیں وہی ایک رقم
 کثیر تھی اور ان میں شراب سوڈا واٹر اور پینے کی چیزیں قطع نظر کھانے کی چیزوں کے
 مثلاً دانہ غور بھیر وغیرہ شامل کر لیجئے۔ لوگ اس قدر خرچ کو بے پرواہی سے دیکھتے تھے کیونکہ
 وہ جانتے تھے کہ ہر مہینے چار ہزار روپیہ میزبان کی جیب میں آتے ہیں۔ مگر اسٹنٹوں کے
 معاملہ میں جن کی تنخواہ اُس کے آنکھوں حصہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی اور پھر بھی سب مردانہ
 صادر کی تواضع و تکریم کرتے تھے گو کہ وہ اس قدر شان و شوکت کی نہ ہوتی تھی جیسی کہ پوٹیکل
 فسر کے یہاں کے حکام کے ساتھ ایک۔ جزو افسوس کا بھی ہوتا تھا۔

سخاوت کے اُن نمونوں میں لفٹ ڈبلو متینڈ ٹھٹھ کا تھا جس کی مہمان نوازی کا مثل
 اوروں کے میں بھی احسان مند ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ کبھی بغیر زبان کے نہ ہوتا تھا
 اور بعض وقت چھوٹے جانوروں کے بعد بڑا جانور رکھنا نڈر انچیف، وہاں آکر نیچے ٹیکتا تھا
 جس کی دم شیفٹن کی آنت کی طرح لمبی ہوتی تھی۔ میزبان کا کام اس قدر پسندیدہ ہے کہ
 بہت جلد اس کی انسان کو عادت ہو جاتی ہے اور اُسے تنہا یا لفٹ سے کہنا تا خوش
 نہیں آتا۔

بہر حال چاہے یہ طریقہ جڑا بہ یا جھلا وہاں رائج تھا اور اس کی بدولت بہت سے
 اچھے لوگوں سے مجھ سے شناسائی ہو گئی بلکہ دوستانہ جواب تک دایم ہے۔

سہ خوری سٹلم کو کیپٹن آر تھر کنولی میرے پاس آیا اور دس
 کیپٹن آر تھر کی رفاقت | دن تک ٹھہر رہا۔ یہ زمانہ بہت ہی قلیل تھا۔ کیونکہ کسی شخص

سے اُس کی میرے سوا آج تک ملاقات نہیں ہوئی جس کی جانب میرا دل اس قدر جملہ
 رجوع ہو گیا ہو۔ وہ شخص اس قدر بے غرض نیک باطن دنیاوی قباحتوں سے بے خوف
 اور ساتھ ہی ساتھ اُس خوف سے یہ نظر جماتا جس سے انسان مائل ہو جاتا ہے باری

اُس کی ملاقات عجیب طور پر ہوئی۔ داروغہ نے مجھ سے آکر بیان کیا تھا کہ شہر میں ایک بوسی
 ہا سوس آیا ہے۔ میں جا سوسوں کو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا اور اسے محض لچر
 خیال کرتا تھا۔ مگر رسم کے طور پر کچھ سوالات کر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب صاحب کی اطلاع ہوئی۔
 کنولی نام داروغہ اور اُس کا روسیوں کا خوف میرے خیال سے دفع ہو گیا مگر اُسے متعجب پا کر اور
 حقیقت حال سمجھ کر جس نے اُس سے تصریح کر دی۔ دراصل اُس نے کنولی کے یونانی ملازم کو روسی
 اتھر کیا تھا اور آقا کو بھی ایسا ہی مجھ لیا تھا۔ کنولی ایسی شکل سے سفر کر رہا تھا جس سے
 ہمارے سندھی بہادر کی طبیعت خوش ہو جاتی۔ اس پر کسی فضول اسباب کی تہمت لگانا
 ناممکن تھا۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جس میں انسان سیدھا اندوہ نہیں ہو سکتا اور جسے کسی جسم
 آدمی نے موسم سرما میں بطور چننے کے استعمال کیا ہوگا من ایک جفت پورٹ مینٹو جرمی صندلی
 کے اُس کا کل سامان سفر تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ وہاں کے اوپر جب وہ تھا تو کیوں کر
 برف سے گل جائے نہ پگ۔

کنولی کے سفر کے واقعات | اُس نے ایک نہایت بوجھل قصہ اپنے انگلستان سے
 سفر کرنے کا بیان کیا ہے۔ وہاں میں اُس نے شہزادہ میٹزنگ
 سے خوب مدد مانگی تھی جس نے اُس کو ایک حسین کنڈین نذر کی۔ اُس کو حکم تھا کہ وہاں ایرانی
 ایلیں حسین خاں سے ملے اور اُس سے کہہ دے کہ انگلستان میں وہ مقبول نہ ہوگا۔ وہاں سے
 وہ قسطنطنیہ گیا۔ خوارزم کے سفیر نے اُسے کو کھانے کے لئے کہا۔ اُس کی خواہش تھی کہ کوکن
 جانے اور اس کی بابت اپنی سرکار سے دریافت کیا مگر منظوری نہ ہوئی۔ وہاں سے وہ براہ ارمیا
 بخدا گیا اور خلیج فارس کی راہ بھٹی آیا۔ راستہ میں وہ بعض وقت بہت مشکل سے جان
 سلامت لے کر نکلا۔ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں چند عربوں نے اُس سے تمباکو مانگا۔ مگر
 اُس کے پاس موجود نہ تھا تب وہ کمر تک پانی کے اندر چلے آئے تاکہ اُس پر بندوق سر
 کریں۔ وہ کشتی کو منجھتا رہا میں رکھنے کے لئے مجبور ہوا۔ اور اُن لوگوں نے بہت دیر تک اُس کا

نقاب کیا لیکن ناکام رہے۔

جس عرصہ تک کنولی میرے ساتھ رہا ہم لوگوں نے دروں کے اوپر کی حالت پر بہت گفتگو کی۔ اس کی اصل غرض یہ تھی کہ خوارزم میں جو دسی قیدی ہیں اُن کو رہا کرائے۔ اُس کی جانب وہ مستعد ہو کر کام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر قسمت نے اُن کی رہائی دوسرے شخص کے ہاتھوں میں رکھی تھی اور یہ تجویز کر دیا تھا کہ جو دس دروں کی آزادی کے لئے سرگرم ہو خود نہایت ہی سخت قیدوں میں رہے جس کا خاتمہ موت سے ہو۔ میں نے اُس سے اپنی دلی خواہش یہ ظاہر کی کہ وہ آگے کے ناکوں تک بڑھ جائے اور کابل یا ہرات بھیج دیا جائے اور مجھے اُس کے ساتھ جا کر مل جانے کی کمال خوشی ہوگی۔ اُس نے وعدہ کیا کہ اگر مجھ سے بن پڑے گا تو میں اس کی کوشش کروں گا اور بعد کو اُس نے انگریز سفیر متعین کابل سے اس کی درخواست کی۔ لیکن جواب ملا کہ میں اس قدر دور تھا کہ عین وقت پر اُس کا شریک نہیں ہو سکتا تھا ہم لوگ بطور دوست صادق کے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اُس نے اپنے سفر کی یادداشتیں دیں اور بالیاں کی رٹائی تک برابر اُس کے خطوط آتے رہے۔

۹ دسمبر کو میرے پاس زین العابدین شاہ ملنے آئے تھے جو زین العابدین شاہ سے ملاقات | تقی شاہ کے بھائی تھے۔ یہ شخص دُبلارہ اور نہایت بد رو تھا اور صورت سے ایرانی معلوم ہوتا تھا یا یہ کہ کوئی سندھی امیروں میں سے ہو اُس نے میری خوشامد سے زیادہ کی۔ جب دینوکے ہاتھوں اُس کے عزیز کے مارے جانے کا ذکر آیا تو بام سے باہر ہو گیا اور خیرپور کے وزیر فتح محمد اُس کے عزیز کے مارے جانے کا ذکر آیا تو جامہ سے باہر ہو گیا اور خیرپور کے وزیر فتح محمد خاں غوری کو الفاظ ناملاہم کہنے لگا۔ گویا اسی نے اس ڈاکو کو افعال ناشائستہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ وہ وزیر کی نسبت لفظ قمرساق بے تکلف استعمال کرتا تھا۔ اور الفاظ فارسی دشنام کے بھی کہتا تھا۔ آج چھپک قیدیوں کو نکلنے لگی اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں چار بگتی راہی ملک عدم ہوئے۔

سردار خیر پور کمال خاں سے ملاقات | کچھ دنوں کے بعد خیر پور کا سردار کمال خاں مجھ سے ملنے آیا۔ اس قبیلہ کے لوگ شیخ ہیں اور پہلے پھولاجی اور اس

کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ یہاں اُن پر دُکی قبیلہ والے بجا ر خاں کی ماتحتی میں برابر حملے کیا کرتے تھے اور اُن کے نائب مری قبیلہ والے بھی ہوتے تھے۔ ایک دلیہ مقابلہ کے بعد اُن کی زمین چھن گئی اور وہ شکار پور کے قرب وجوار میں بھاگ کر چلے آئے۔ وہ قلات اور حیدر آباد بے سود مدد کی تلاش میں گئے۔ جب ہم لوگ ملک میں پہنچے تو وہ حتی الوسع ہماری مدد کے لئے آکر مستعد ہوئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اُن کی دستگیری کی اور اُن سے وعدہ کیا گیا کہ پھر اُن اضلاع میں وہ آباد کئے جائیں گے۔ جہاں سے خارج کئے گئے ہیں۔

اعتبار خاں | ایمیل کے رسالہ میں اس قبیلہ کے بہت سے لوگ تھے اور اُن میں دو ایسے شخص تھے جن پر اُس کو بہت کچھ بھروسہ تھا۔ اُن کا نام اعتبار خاں اور عبد اللہ خاں تھا۔ پہلا ایک قوی سرخ روشنی تھا جس سے خوشخواری نمایاں تھی اس کی کمر میں بے شمار پستولیں لگی رہتی تھیں اور اپنی گھنی سیاہ ڈاڑھی اور سرخ پگڑی سے دُاکو معلوم ہوتا تھا۔ اس کے افعال سے بھی اُس کی وضع کی تصدیق ہوتی تھی۔ وہ دشمن کا گلا کاٹنے کے لئے اس قدر بے پروائی سے اُترتا تھا کہ جس طرح کوئی انگریز اپنا دستاں اٹھا کر کے لئے ایک مرتبہ جب وہ ایمیل کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا ایک مری بلوچی گولی کھا کر زمین پر گرا۔ قبل اس کے کہ ایمیل دخل دے۔ اعتبار نے اس کا سر کاٹ ڈالا اور اُس کے سر کو اٹھا کر بے پروائی سے کہنے لگا۔

”میں اسے خوب جانتا ہوں یہ فیض اللہ خاں ہے کسی زمانے میں ہم اور یہ بچے دوست تھے“
دوسرا خیری عبد اللہ خاں ایک حسین نوجوان تھا جس کی سیاہ کالیں اعتبار خاں کا انتقام | شاخوں پر پڑی رہتی تھیں اور آنکھیں سرگیں تھیں۔ وہ تمام دلیہ دُاکوؤں کا دوست رہ چکا تھا۔ اُن کے اڈوں سے واقف تھا۔ اور اعتبار کے ساتھ مری دُاکو

گنتی پہاڑیوں کے درمیانی مقامات میں ہماری رہنمائی کرتا تھا۔ ان دونوں خیرلوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ نفشک کی لڑائی کے بعد وہ میدان میں گئے اور جتنے مری ملے اُن کے سر کاٹ ڈالے۔ اُن کا قول تھا کہ موٹے حساب سے اُن لوگوں نے یہ عمدہ خدمت اُس قبیلہ کے ایک سو تینتیس بلوچیوں کے لئے انجام دی۔

اُن کو اس پر بڑا ناز تھا اور اعتبار واقعی نہایت سنجیدگی ظاہر کرتا تھا۔ جب اپنے ایک پرانے دشمن کا زخمیوں میں پانے کا ذکر کرتا تھا۔ جس سے اُس کو مدتوں سے تلبی عداوت تھی ایک شخص بیبت خاں ایک مشہوری مری قبیلہ کا سردار تھا جو نہایت سخت لڑائی کے بعد ہماری توپوں سے زخمی ہو کر گرا تھا۔ اعتبار خاں جب اُس قریب لمرگ بہادر کے پاس گیا تو اُس کی خونخوار آنکھیں خوشی سے پلمک رہی تھیں۔ وہ اُس سے کہنے لگا۔ "بیبت خاں تم مجھے پہچانتے ہو کچھلی بارہم سے اور تم سے ملاقات پھولاجی کے پھانک پر ہوئی تھی اور اُس وقت تمہارا پاؤں میرے بھائی کے جسم پر تھا۔ تم نے اُس وقت وہ کیا تھا جواب میں تمہارے ساتھ کروں گا" علاوہ ان وحشیانہ افعال کے اعتبار اور عبداللہ سے بے شک ہم لوگوں کو بڑی مدد ملی۔ واقعی اب وہ وقت آگیا تھا جب کہ ہماری کارروائیوں پہاڑی بلوچیوں کے مقابلہ میں نہایت ہی کامیاب ہو چکی تھیں۔

میجر بلور کی ماتحتی میں سرکاری فوج گنتی پہاڑیوں تک داخل ہو گئی۔ **بی برگ سے معرکے** | وہاں کے سردار بی برگ کو گرفتار کر لیا تھا۔ اُس کے قبیلہ کو کئی خونخوار معرکوں میں شکست دی تھی اور اُن کے اس مشہور زعم کا جو ہر ایک شخص کی زبان پر تھا خاتمہ کر دیا تھا۔ دُعا بی برگ کو درہ میں مضرت نہیں پہنچا سکتا، ہماری فوج کا ہن بھی گئی نئی جو مریوں کا قلعہ ہے جنھوں نے شاید ہمارے ایک بیک پہنچ جانے سے گھبرا کر جس کی نسبت گمان غالب ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہمارا مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن ان سب کامیابیوں سے بڑھ کر قلات کا زوال اور محراب خاں کا مارا جانا ایسا امر ہوا جس سے پہاڑی قبیلے خوفناک ہو گئے۔

بجارت آکر جو غلامہ اس کے کہ ہمیشہ اس کا تعاقب کرتے تھے جو کچھ تھوڑا لکھا اس مہوسہ ان اضلاع میں ہوتا تھا جہاں وہ جاتا تھا اسے بھی صرف کرڈالتے تھے، اطاعت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ شاہ پور کے سید کی وساطت سے اس نے اپنا ارادہ لغتنت پوسٹس پر ظاہر کیا۔ اس نے صرف یہی شرط کی کہ اس کی جاں بخشی ہو۔

بجارتوں کی گرفتاری | بہر جنوری کو مشہور بجارتوں اور اڑتالیس سردار دیکھیں اور چکرائیوں کے مع بنی برگ بگتی کے ہمارے قبضہ میں آئے۔ اب وہ وقت تھا جب کہ ریگستان کے ڈاکوؤں کو ہمیشہ کے لئے دفع کر سکتے تھے اور سندھ کے اس و بانی داغ کو مٹا سکتے تھے۔ ہم کو اختیار تھا کہ دو تدبیروں میں سے چاہے سختی سے کام لیں یا نرمی سے۔ ہماری غرض کے لئے ان میں سے کسی علاج کا کام میں لانا یکساں مناسب تھا۔ مگر ہمارے پولیٹیکل افسر نے دونوں دواؤں کو اس بیہودہ طور پر آپس میں آمیز کیا کہ ایک نے دوسرے کا اثر زائل کر دیا۔ یہاں نہایت ہی مشہور ڈاکو اس ملک کے اکٹھا تھے جن کے نام سے ان کے وطن میں اسی قدر خوف لوگوں پر طاری ہوتا تھا جس قدر ہمارے ملک میں راہن بڈیا راہب راہی کے نام سے۔ ان کے بغیر یہ امر برسوں کے لئے ناممکن تھا کہ جوڈاکو اب تک باقی تھے وہ اس ملک میں تسلط قائم کرنے کے لئے ہماری تدبیروں کو کسی موثر طور سے

لے اس افسر پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے اس بلوچی سردار کو دھوکا دیا کہ اس نے پروانہ آزادی دیدیا تھا جس پر بعد کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ الزام محض بے بنیاد ہے جو ڈاکو بجا کر کو دیا گیا تھا وہ زبان فارسی میں تھا اور جس میں میں نے خود اس سے گفتگو کی ہے اس میں صرف اس کو جان کی امان دی گئی تھی۔ پس ان کی جانب سے غلط فہمی نہیں ہو سکتی تھی یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں میں کوئی اور خبر مشہور ہو ہو ہمیشہ ہماری بنامی کی باتوں کو مشنہر کرنے پر آمادہ رہتے تھے بلکہ یہ زیادہ اغلب ہے معلوم ہوتا ہے کہ مریوں نے یہ خبر سنی تھی جنہوں نے اس کا ذکر اپنے خط میں معبر براؤن سے کیا جو کابھن میں کمانیہ تھا۔ ۱۲

روک دیں۔ لیکن اگر اس سے زیادہ ہم کرتے اور اُن کو اپنے مخالفین میں سے علیحدہ کر کے ملا لیتے اور اپنے ساتھ کارروائی کرنے پر آمادہ کرتے تو کل معاملہ فوراً طے ہو جاتا۔

مجھے یقین ہے کہ کسی سکھ گورنر نے کل جماعت کو بلا کسی زیادہ تکلف کے پھانسی دیدی ہوتی۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے یوروپین بہادروں میں سے بہتیروں نے بیسے والنسٹین یا کرافیل جن کی ہمارے دوست کارلائل پرستش کرتے ہیں ایسا ہی کیا ہوتا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اوٹرم یا ایک دوسرے شخص نے جس کا نام بتا سکتا ہوں، بجار اور بی برگ کو پکا دوست سرکار انگریزی کا بنا دیا ہوتا اور اُن کی طبیعت میں وہ اعتبار پیدا کر لیا ہوتا، جس کے ذریعہ سے اُن وحشی قبیلوں پر حکومت کی جوتی جو انھیں سردار کہتے تھے۔ مگر اس وقت کیا کارروائی ہوئی۔ اسے سنئے وہ ان باتوں میں سے ایک بھی نہیں تھی بلکہ ایک نہایت عمدہ چال ملی گئی جو اپنے طور پر نہایت سہل اور موثر تھی۔ یعنی ریکچہ کو اچھی طرح پھنسا یا اور پھر زنجیر علیحدہ کر دی۔

قیدیوں کی اہانت و رملائی | واقعی کل جماعت بجز بجار اور بی برگ کے پاکبلاں ہو کر مثل معمولی مجرموں کے کشاں کشاں پھرائی گئی۔ ان کی اہانت کی گئی۔ ان کو اشتعال طبع دلا یا گیا۔ وہ جانی دشمن بناتے گئے اور پھر اس کے بعد ہم سے انتقام لینے کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ یہ بات جماعت میں اس قدر بڑھی چڑھی ہے کہ مشکل سے لوگوں کو اعتبار ہوگا مگر یہ بالکل لفظ و حرفی درست ہے۔ ایک مثال اُس تدبیر کی یہاں بیان کی جاتی ہے جس سے ان ڈاکوؤں کی اصلاح کی کوشش کی گئی تھی۔

جانی کی خوزیریاں | اُن میں ایک شخص کا نام جانی جو قمبر کا لڑکا تھا۔ اپنی خوزیریوں بے باکاں جرات اور بے رحمی کے لئے نہایت مشہور تھا۔ وہ جکرانی قبیلہ میں درجہ اول رکھتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں جکر اسندھی تھے مگر اپنی دلیرانہ حرکتوں سے بلوچیوں کے برابر ہو گئے تھے۔ میں نے اُس کے حالات اس قدر سنئے تھے کہ جب سرداروں نے اطاعت قبول کی تو میں نے

اُس کی تلاش پہلے کی۔ اُس کی شناخت میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اس کا اس گروہ سے منتخب کر لینا آسان تھا۔ بہت سے زیادہ بلند قد اور قوی لوگ تھے۔ لیکن کوئی ان میں ایسا نہ تھا جس کی صورت سے بد معاشی اس قدر عیاں تھی۔ اُس کی بڑی بڑی بے باک چمکتی ہوئی آنکھیں اور مضطربانہ حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنی رائے سے وہ یہاں نہ آیا تھا۔ اُس کا قبیلہ بجا رکامفلد تھا۔ اور اُس کو بہ مقابلہ اپنے سرداروں دیا خاں اور ترک علی کے ترجیح دی تھی۔ ان کی خواہش کے مطابق جانی نے اپنے کو انگریزوں کے قبضہ میں کر دیا تھا۔ لیکن جو کچھ اسے ان سے نفرت تھی اُسے وہ چھپانے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ اُس کی تلوار اب تک خون سے قبضہ تک سرخ ہو رہی تھی اور اُس کے پیچ میں جو کئی دندائے ہو گئے تھے وہ ان میں انسان کے بال چھٹے ہوئے تھے اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس کام میں وہ لائی گئی تھی اُس نے اُس کو نہ چھپایا بلکہ منہس کر اُسے دکھا دیا اور دھبہ کی کیفیت بھی بیان کی۔

دو یا ایک دن قبل سواروں کا ایک دستہ جانی کا قبضہ کر رہا تھا جانی کا حملہ و گرفتاری کہ اُن میں سے ایک کا گھوڑا ریگستان میں مر گیا۔ پارٹنر زمین اور اسباب کے لانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔ جانی جس کی مشکلی مادیان اپنی تیزی کے لئے مشہور تھی اُن کے سر پر تھوڑے سے بلوچیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ ہمارے سوار بھاگے مڑے۔ بھاگتے میں مارے گئے اور چوتھا بچ گیا۔ لیکن اُس کے گھوڑے کے ٹھٹھے پر جو ایک کاری زخم لگا تھا اُس سوار کے خطرے کی کیفیت ظاہر تھی۔ اس خوفزدہ دیر جانی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا جس نے ہمارے آدمیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ پہلے یہ بخونہ ہوئی کہ وہ عمر بھر قید رکھا جائے۔ چنانچہ مجھے حکم دیا گیا کہ اُسے پاب زنجیر کر کے سڑک پر اُن قیدیوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے جو شکار پور میں قید تھے بھیج دیا جائے۔ میں نے اُسے بلا کر اس کی سزا سنا دی۔ ان لوگوں کے لئے جو اُس کے پاس کھڑے تھے یہ بہتر ہوا کہ اُس کی تلوار اُس سے لے لی گئی تھی اُس نے ایک زبردست کوشش بھانگنے کی اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے بھی دو ایک

ضرب رسید ہوتی ر ناحق کیونکہ سزا میں نے نہیں دی تھی، اگر تین پار آدمی اُس کو چمٹ نہ گئے ہوتے۔ اُسے لوگ لے گئے لیکن وہ جنگلی جانور کی طرح زور کرتا جاتا تھا اور پابہ زنجیر تھا۔ ہر روز جانی کو مشقت کرنے کے لئے جاتے تھے اور ہر روز حوالدار مجھ سے آکر کہتا تھا کہ جانی کام نہیں کرتا۔ بہ عوض کام کرنے کے ایک قیدی اُس کے لئے ایک کپڑا لے جایا کرتا تھا کیونکہ اُس کے نام کی ہیبت ایسی ہی تھی جس پر انسپکٹر کے رعب داب سے بیٹھتا تھا اور دوسرے لوگ کام کرتے تھے۔ میں نے اُس نافرمان کو بلایا اور سمجھایا۔ مگر دل میں اس شخص کی لہری کی تعریف کرتا تھا،

جانی کی رہائی | میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم کام نہ کرو گے تو کوئی امید تمہاری سزا کے کم ہونے کی نہیں ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ”مجھے پھانسی دے دو یا جس طرح جی چاہے مار ڈالو مگر میں تمہاری غلامی میں کام کو ہاتھ نہ گاڑ گا۔ یہ عجیب ہی قسم کا جواب تھا جس سے میں سخت گھبرایا کیونکہ ایسے شخص پر سختی کرنے سے کیا ہو سکتا ہے جو کسی شے سے ڈرتا ہی نہ ہو۔ ایسے آدمی کے لئے دوسری تدبیر کرنی پڑے وہ تدبیر جو میں نے بخوشی کی ہوتی اور جو بالآخر عمل میں لانی گئی مگر بے وقت۔ بہت عرصہ تک قید رکھنے کے بعد میرے پاس ایک خط آیا جس کی پشت پر لکھا تھا کہ ”جانی کو رہا کر دو اور جہاں وہ چاہے جائے دو“ الفاظ کا لکھنا آسان تھا مگر ان کے ہر ایک حرف کے لئے ایک شخص کی جان گئی۔ اُس کی زنجیریں کاٹ دی گئیں، نصیحت کر دی گئی اور وہ رہا ہو گیا۔

جانی کا خاتمہ | لیکن تین ہی دن کے اندر اُس نے ایک دفعہ دار اور ہمارے آٹھ سواروں کو مار ڈالا۔ اُس کی توبہ کا یہ پہلا ثمر تھا۔ لیکن اُس کا خاتمہ بھی قریب تھا جو اُس کے لئے نہایت موزوں تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے فسق و فجور کے لئے مشہور تھا اور لہری کے سردار بلوچ خاں کی بیوی سے اُس کو محبت تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ اُس عورت کے پاس گیا ہوا تھا بلوچ خاں کو خبر اپنی بے آبروئی کی معلوم ہوئی۔ جانی مسلح تھا اور اُس پر حملہ

کرنا خطرے کا کام تھا مگر یہ معاملہ آہستگی کے ساتھ طے ہوا۔ مکان کے دروازے بند کر دیئے گئے اور چھت علیحدہ کر دی گئی اور اوپر سے پتھر اس سوتے ہوئے جوڑے پر برسائے گئے جس سے وہ ہمیشہ کے لئے سوتے رہ گئے۔ لیکن جس طور پر جانی کے ساتھ ہمارے ہاں سلوک کیا گیا اُس سے مجھ کو اس قدر رنج نہ ہوا جس قدر اُن تدبیروں سے جو اُس کے ہمراہی قیدیوں کے ساتھ کی گئیں وہ ایک ظالم بے رحم بد معاش تھا اور اُسے اپنے جرائم کی سزا ملی۔

بجرا اور بنی برگ کا رویہ | مگر بجار کے گھرانے کے لوگ اور قسم کے تھے۔ البتہ وہ ظالم اور اس کی خونریزیوں کی جانب سے بے پروا تھے اُن کے مذہب اور اُن کی سماجی

یا غیر شائستہ حالت نے جس میں عمدہ باتوں کے اجزا تھے، خود بجار میں بہت سی باتیں اچھی تھیں اور اُس کے بجائی منڈ و خاں اور اُس کے بیٹے وزیر خاں اور اُس کے خاندان کے اور لوگوں میں بھی۔ اگر اُن کے ساتھ حکمت عملی کا برتاؤ ہوتا تو مجھے پکا یقین ہے کہ اُن لوگوں نے ہم کو دھوکا نہ دیا ہوتا۔ مگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں مستحکری ڈولوانا اُن کے اسلحہ اور گھوڑوں کو بیچ ڈالنا اور تب انہیں رہا کرنا سراسر غلط تھا۔ ان قیدیوں کے ہتھکڑی ڈالنے کا جو حکم آیا تھا وہاں پھر لکھا گیا۔ لیکن جب تاکید حکم آیا تو کوئی بند توقف کی باتی نہ رہی۔ پہلے بجار سے ملازمت کے لئے کہا گیا اور تنخواہ تین ہزار روپیہ مقرر کی گئی تھی۔ مگر اب زمانہ پلٹ گیا ایک دن اُس نے مجھ سے کہا کہ صاحب قسمت من چنن است۔ بنی برگ نے اس قدم پر نہ کیا اُس کو حکم دیا گیا تھا اپنے بیٹے اسام خاں کو حاضر ہو جانے کے لئے لکھے۔ مگر اُس نے بالکل انکار کیا اور اپنی ناراضگی و شکایت بہ آواز بلند ظاہر کی۔ یہ بنی برگ ایک عجیب ہی قسم کا بوڑھا تھا۔ مجھے جب موقع ملتا تھا تو اُس سے گفتگو کر کے اُن مجھے عجیب و غریب جوابوں سے لطف اٹھاتا تھا۔ ضعیفی میں وہی ایک شخص تھا۔ جو میرے تجربے میں جوان نظر آتا تھا۔ واقعی کسی پری نے اُسے تربت آب حیات پلا دیا تھا جس سے وہ پالیس برس سے زیادہ سن کا معلوم نہ ہوتا تھا اُس کے بال نہایت لمبے تھے اور سیاہ تھے اور اُس کی سرگیں آنکھیں مثل الماس کے درخشاں تھیں۔

قیدیوں کے اسلحہ و مویشیوں کی فروختگی | ۸۔ فردری کودکی اور جکرائی قیدیوں کے اسلحہ اور جانور بک گئے۔ بجز بجا اور دیا خاں کے سب نہایت

ہی اونٹن درجہ کے جاتور شکار پور میں ساتھ لائے تھے وہ سب دراصل بدرو چھوٹے چھوٹے یا بوبہر سوار تھے جو مضبوط اور تیر بہت تھے مگر اس قدر پستہ قدم اور کمزور تھے کہ ان کے سوار ہار سواروں کے مقابل نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے ہتھیار توڑے دار ذلیل بند و قیس گینڈے کی کھان کی ڈھالیں اور چڑی چوڑی چوڑی تیز تلواریں تھیں۔ بلوچی تلوار کے بڑے دھنی ہوتے ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ ان کے یہاں ایک معمولی کرتب یہ ہے کہ ایک دار میں بھیڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتیں۔ بجا خاں اور جکرائی سب دار کی گھوڑیاں جیم اور قوی تھیں۔ چنانچہ پہلے شخص کی دو دس۔ دس بیہ میں فروخت ہوئی اور دوسرے کی چار سو سو پیہ میں بجا کی گھوڑی بڑی شائستہ تھی چنانچہ وہ بمبئی نسل بڑھانے کے لئے بھیج دی گئی۔

مگر دوسری گھوڑی نہایت ہی تیز اور شریر تھی۔ اُس پہلے ایک افسر نے نہایت پسند کر کے مول لیا۔ لیکن کبھی اُس کی چال دیکھنے کی بہت ذکر سکا۔ کچھ دنوں تک اُسے بہر نکال کر مشق کرائی باقی تھی۔ اور چمک کر وہ راہ پر لائی جاتی تھی مگر سب بے سود تھا۔ اس کے خراٹوں یا مال کی ترچھی استاد کی اور غضب ناک صورت سے صاف صاف معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کہہ رہی ہے کہ میں وحشی جانور وحشی سوار کے لئے موزوں ہوں۔

آخر کار الف خاں ترین نے جو شریر جانور کو نہایت پسند کرتا تھا اُس کی خریداری پر آمادگی ظاہر کی۔ معاملہ فوراً طے ہو گیا اور دیا خاں کی گھوڑی کو پھر ایک سوار اپنی پشت پر محسوس ہوا۔ مگر یہ بھی بڑی حکمت سے سوار ہو سکا۔ وہ اُسے ایک تنگ گلی میں دیواروں کے درمیان لے گیا جہاں سے وہ نکل نہ سکتی تھی۔ اور اس وقت اُسے پٹیہ پر بوجھ معلوم ہوا۔ وہ الف ہو گئی اور پشت کیکن چلائی شروع کیں اور دو تین بار اچھلنے کے بعد اس زبردست شخص کو آگے پھینک دیا۔

ہر چند کہ اسے چوٹ لگی مگر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پیٹھ پر جا بیٹھا اور اس مرتبہ گھوڑی نے شاید یہ سمجھ کر اس کی قوت کی آزمائش ہو چکی سکوت اختیار کیا۔

واقعی وہ جانور اسیل تھا اور الف خاں اس کی شرارتوں سے خوش ہوتا تھا اور اکثر کہتا تھا کہ "جب میں اس گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں کا غرور میری رائے کے نیچے ہے۔ مگر جب دریا خاں رہا ہوا تو وہ گھوڑی الف خاں سے لے کر اس کے والد کی گئی۔ اور اس کی قیمت گورنمنٹ سے واپس ملی۔"



باب

معرکہ ستراف

کلاڑک کی مہم | انگلستان کے لوگوں کو ماہ مئی کا ایک عمدہ خیال ہے اور اُس لفظی
سے اُن کو سبز کھیتوں اور بچوں کا سرخ و سفید پھولوں کو جن سے دل فر

خوشبو آتی ہے جمع کرنے کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس میرے دل سے ایک مدت
ہوئی کہ یہ تو ہمت خارج ہو گئے ہیں۔ اب مجھ کو اس بات کی نصیحت کرنے کے لئے میرا
مئی کا مہینہ قدیم انگلستان کے خوش نما مئی کے مہینے سے جدا ہے خود کو لڑتے ہوئے نکلے
کی ضرورت نہ تھی جسے ایک بوڑھا سیہ نام شخص پگڑی باندھے کھینچتا تھا نہ تاریک
اور ہوا سے نکلے کی لگا تار گردشوں کی۔ میں بے بسی سے چھیا لڑے وہ جب کی گرمی میں عرق
عرق ہو رہا تھا کہ ایک لا نبالو جوان افسراندر داخل ہوا اور مجھ سے باتھ ملایا۔ میں نے
اُس سے کہا کہ "کیوں کلاڑک! تم کس لئے ایسے نامعقول موسم میں باہر نکلے؟ جس سے
انسان کا دماغ پگھل رہا ہے چاہے وہ فولاد یا سنگ خارا سے کیوں نہ بنا ہو؟" اُس نے
جواب دیا "مجھے مری کی پہاڑیوں میں رسد کی حفاظت کے لئے جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں بالکل
تندرست نہیں ہوں کیونکہ تین دن سے بخار آرہا ہے اور نہ میری کام کی باری ہے مگر میں
اس کی نسبت کچھ نہ کہوں گا۔" اُس نے رہنما طلب کئے۔ اور میں اُس کو دیئے اور وہ رخصت ہوا۔

سرتانف کی لڑائی | چند روز کے بعد میں بخار میں مبتلا اور کھلوں کے لوجھ سے دبا ہوا کانپ رہا تھا کہ میرے کمرے کا پردہ ہٹا کر مجھ سے یہ کہا کہ نہ خبر نہایت خراب

ہے۔ کلارک اور اُس کے کل آدمی مارے گئے اور ان میں سے ایک متنفس نہیں بچا۔ واقعی یہی ہوا اور وہ بہادر دل جو اس قدر زیادہ تڑپ رکھتا تھا اس وقت موت سے سرد ہو گیا تھا۔ بہت دنوں کے بعد مجھے اس کی کل کیفیت عبداللہ اور دوسرے لوگوں سے جو موجود تھے، معلوم ہوئی۔ انھوں نے بیان کیا کہ کلارک نے چند بلوچیوں سے کہا کہ میں کاہن کو جانتا ہوں۔ اگر دو دامری مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ یہ پیغام نا عاقبت اندیشی کا تھا خبر طیکہ واقعی وہ بھی گیا۔ لیکن مجھ کو اس مقام پر راوی کی صداقت پر شک ہے کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ کلارک کام کا آدمی تھا اور ڈینگ مارنا اُس کا شیوہ نہ تھا۔ بہر حال مریوں نے ہماری فوج کو راہ میں کاہن سے واپس آتے وقت ردکا جس کے ساتھ معمول کے مطابق ایک بڑی قطار ادنیوں کی تھی۔ کلارک نے آگے پیچھے کی پہاڑیوں کو آدمیوں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ اپنا آخری کھانا کھانے کے لئے بیٹھا۔ اور اُسی اطمینان کے ساتھ کھایا کہ گویا کوئی دشمن مقابلہ میں نہیں ہے اور پھر مرنے کے لئے اٹھا۔ اُس نے اپنے لوگوں کو ایک جگہ ڈھکان پر اکٹھا کیا جو سرتانف کہلاتی ہے غالباً یہ لفظ سر آب ہے جس کے معنی پانی کے چشمہ کے ہیں، جہاں سے اُس نے کئی بار بلوچیوں کو جو خونخواری کے ساتھ حملہ کرتے تھے پسپا کیا۔

کلارک کا قتل | مگر آخر کار ایک گروہ اُن لوگوں کا اُس کے عقب میں ایک اور اوپنے مقام سے آگیا۔ اور ایک بہادرانہ مقابلہ کے بعد وہ زمین پر گر دیا گیا

اور اُس کا گلا اس قسم کی ایک چھڑی سے کاٹا گیا جو تمام بلوچی اپنی کمر میں اس قسم کے نیک کا مول یا اپنے معمولی معروفوں کے لئے رکھتے ہیں۔ اس کی کمان میں جو فوج قریب ایک سو ساٹھ آدمیوں کے تھی، اُن میں سے صرف بے قاعدہ سوار تیس یا چالیس کے درمیان اور چھ سات سپاہی، جن میں سے زیادہ لوگ زخمی تھے، جان سلامت لے کر آئے۔ مہینوں کے بعد

ایک سندھی میرے دوست کی کنجیاں اور کچھ اور چیزیں اور اس کا پتلون خون آلودہ جو ایک چٹان کے جوف میں تھا میرے پاس لے کر آیا۔ یہی پہلا محنت نقصان ہم لوگوں کو مع شکست کے جب سے کہ ہماری فوج سندھ دریا کے پار اُتری تھی ہوا۔ اس کا اثر زیادہ ہوا اور مری اپنی کامیابی سے نہایت خوش ہوئے۔ چنانچہ اُس وقت سے کوئی دستہ بغیر خطرے کے پہاڑیوں میں نہ جا سکتا تھا۔ سپاہیوں کو جب اُس طرف روانہ کرنے تھے تو وہ یہ تصور کرتے تھے کہ گویا اُن کو سیدھا راستہ ملک الموت کے ملک کا بتایا گیا ہے۔

جگر بکٹی اور مری قبیلوں کے حملوں کا خطرہ | سرتاف کے معرکہ کے ساتھ ایک اور بھی ناموزوں واقعہ ہوا۔ ایمیل کو یہ خبر ملی کہ جگر بکٹی قبیلہ حملے جو مری قبیلے کے ملک کی مشرقی پہاڑوں پر آباد اور مشہور ڈاکو ہیں، ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس نے ان کا تعاقب کرنا چاہا اور قریب اتنی سواروں کو جو اس کے لفٹیننٹ وارڈن کے زیرِ کمان تھے اور یا مد کو سا کو بطور رہنما کے ساتھ لے کر شام کو اُس طرف روانہ ہوا جہاں ڈاکو مع اپنے اسبابِ غنیمت کے ٹھہرے ہوئے بیان کئے گئے تھے۔ وہ لوگ تمام رات چلتے گئے۔ جب صبح ہوئی تو دشمن نظر نہ آئے بلکہ ایک وسیع شیطان کی آنت سا ریگستان دکھائی دیا۔ وہاں دن اس قدر آہستہ چال سے نہیں چلتا جس طرح اور عمدہ ملکوں میں وہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا ہے۔ وہ یک بیک سرخ و خوں خوار اور ناقابلِ برداشت ہو کر ریگستان میں پھٹ پڑتا ہے۔ سوائے ریگستان کے ڈاکوؤں کے اور کوئی اس آتشی آزمائش کو نہیں برداشت کر سکتا۔ چونکہ وہ انھیں خشک جگہوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ طفلی ہی سے تکاں اور تشنگی کے برداشت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے۔

تمام لوگوں میں بلوچی عرصہ تک پانی کی خواہش کو روک سکتے ہیں۔ جب وہ بہت دور ڈاکے ڈالتے ہیں تو صرف ایک ہی بار پانی پیتے ہیں اور دن کی تپش میں کبھی نہیں پیتے۔ دراصل وہ ایک قسم کی نہایت ہی سخت مشاقی کرتے ہیں اور جو ان کا مقابلہ کرنا چاہیں وہ بھی اسے حاصل کریں۔ مگر کوئی یوروپین اپنی طبیعت کو اس قدر تبدیل کرنے کی امید نہیں کر سکتا کہ سخت جانی میں ان کا ہم پلہ ہو۔ بلوچی لگاتار پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ بلکہ شتر میل تک بغیر کسی جگہ ٹھہرنے کے چلے جاتے ہیں۔ ان کی چند یا کھلی رہتی ہے صرف ایک لمبی پیٹی وچیل پشانی کے گرد پٹی رہتی ہے۔ سواری کے لئے زین کا ٹھکڑا کا ایسا سخت ہوتا ہے جس سے درد پیدا ہو جائے۔ گھوڑا وہ جو قدمیں چھوٹا دُبلّا بد رو مگر قوی۔ گھوڑی ایسی جس کا قدم بجز اس وقت کے جب وہ بگڑی ہوئی ہو چھوٹا اور مجھدا نہیں پڑتا ہے۔

ایک موقع پر جب کہ ایک مختصر جماعت سر جان کین کی فوج کے شریک ہونے کے لئے جاتی تھی اور آدھے آدمی شکار پور اور پرشوری کے درمیان اس وجہ سے ضائع ہو چکے تھے کہ بلوچی رہنا ان کو ایک ہی بار نہت دور تک لے گیا تھا۔ جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ تو نے ان بد نصیبوں کو کیوں کوئی جگہ ٹھہرنے کی نہ دکھائی۔ جب کہ کئی ایک راستہ پر موجود تھیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ: کیونکر میں کہہ سکتا تھا۔ میں اور میرا جالڑا اب تک تازہ دم ہیں اور میں سمجھا کہ ان کو چلنا ناگوار نہیں ہے۔ مگر وہاں ان کی جان پر آہنی۔

ایمیل کے سواروں کی بھی جب دن نکل آیا تو آگے بڑھنے کی قوت جاتی رہی۔ ہر طرف پانی کی پکار تھی۔ بعض راستے بھول گئے یا پیچھے رہ گئے اور مصیبت سے مرے۔ عزیمت کی غرض فراموش ہو گئی۔ اب یہی

لے مگر وہ بھنگ پینے کے بڑے عادی ہیں جو خون کو نہایت جوش دیتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مثل افیون یا شراب کے نشہ اتر جاتے پر کسی قسم کی سُستی نہیں لاتی۔ ۱۲

خیال ہوا کہ کسی قدر جان لے کر واپس چلے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ سب لوگ یارور ہنما کے قبضہ میں تھے۔ اگر وہ چلا گیا ہوتا یا اُس نے دو ایک گھنٹہ تک اور لوگوں کو رگستان میں رکھا ہوتا تو ہر شخص کی تضا آجاتی۔ مگر شاید یارور اپنے اگلے دوستوں بگیتوں کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم اُس کی یہ خواہش نہ تھی کہ گورنمنٹ سے جو تنخواہ ماہوار ملتی ہے اُسے ضائع کرے۔ وہ ایمیل کو ایک گندے تالاب پر لے گیا جو رگستان کے ڈاکوؤں ہی کو معلوم تھا اور اس پانی کے لٹنے سے وہ دستہ بھر اُس جگہ واپس آ سکا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ پانی کو دیکھ کر جو سیاہ گدلا اور بہبودار تھا اکل جماعت انسان اور جانور منہ کے بل دوڑ کر اُس پر جا گرے اور آپس میں اُس قیمتی شے کے لئے لڑنے لگے۔

اس طور پر یہ کوشش ناکام ہوئی اور چند دن کے بعد تین گھوڑے اور اُن کے سوار رگستان میں چند ہی میل پر شکار پور کی سرحد سے مُردہ اورانیٹھے ہوئے پائے گئے۔ یہ ناکامی کی افسوسناک یادگار تھی۔ اور لوگ جو اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑے تلاش کئے گئے اور مجنونانہ حالت میں لائے گئے۔ جیسا کہ ایسی حالتوں میں معمول ہے۔

تمام لوگ یارو کے خلاف شور کرتے تھے۔ وہ شکار پور میں قید کر کے یارو کے خلاف مقدمہ بھیج دیا گیا اور اُس کے پھانسی دیئے جانے کی درخواست کی گئی۔ میں اُس کے خلاف بیان لینے پر تعینات ہوا اور مجھے اس امر سے خوشی بھی ہوئی کہ یہ کام میرے سپرد ہوا کیونکہ مجھے اس کی نسبت کوئی تعصب نہ تھا۔ غور کیجئے تو ہمارا یہ حدت زیادہ امید کرنا نہیں ہے کہ جو لوگ ہماری ملازمت اختیار کریں ہم اُن سے یہ درخواست کریں کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو گرفتار یا ہلاک نہ کریں۔

جب شہادت لی گئی تو کوئی بات ایسی معلوم نہ ہوئی جس سے ثابت ہو کہ یارو بالقصد ہمارے آدمیوں کو راہ سے علیحدہ لے گیا تھا۔ جو کچھ اُس سے کہا جاتا تھا اس کا ایک لفظ بھی وہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ اُس نے ڈاکوؤں کی خبر نہ دی تھی اور یہ ظن غالب ہے کہ اگر اُس

نے ہزار کوشش کی ہوتی تو اُن کو نہ پاتا۔ اُس نے خود کہا کہ واپسی کا حکم جس وقت دیا گیا اُس وقت دو تہائی بھی اُس مسافت کی طے نہ کر چکے تھے جہاں ڈاکوؤں کی موجودگی کی امید تھی۔ خلاصہ یہ کہ یا روہری ہو گیا اور بعد میں اُس نے اعلیٰ خدمت انجام دی۔

بلوچی سرداروں کی اطاعت | مسئلہء کی گرمی کا موسم اب بخوبی آگیا تھا اور ایک بڑی تبدیلی ہماری حالت میں دریا سندھ کے پار ہو گئی تھی۔

سال ما قبل ہمارے کابل کی عزیمت کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا تھا شاہ اپنے مورثوں کے تخت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ قندھار کے سردار اور اُن کا زبردست بھائی دوست محمد بھاگ گیا تھا۔ محراب خاں قلاتی نے ہمارے ساتھ عداوت کرنے کا کفارہ اپنے خون سے دیا اور بالآخر ڈاکو بلوچیوں کے سرداروں نے سمجھ کر ہماری اطاعت قبول کی تھی اور اس وقت ہماری قید میں تھے۔ ہم لوگوں نے ایک وسیع ملک کو فتح کر لیا تھا۔ مگر اُس کو قبضہ میں رکھنے کا کام جو اس سے زیادہ وقت طلب تھا وہ ہاتی رہ گیا تھا۔ اگر جوشیاری کی ہوتی تو بے شک ہم لوگ اُس کو قبضہ میں بہ آسانی رکھ سکتے تھے۔

مگر اب ہر ایک قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ہم لوگ پولیٹیکل میٹری پر صرف اسی لئے چڑھ گئے تھے کہ دکھادیں کہ کس پھرتی سے ہم نیچے اتر سکتے ہیں۔ اولاً ہم نے اپنی فوج بہت جلد ہٹائی اور جو پلٹیں رہ گئیں اُن میں جس نے خانگی کام کے حیلہ سے رخصت چاہی ملی۔ افغان اور بلوچیوں نے ہماری تھوڑی تعداد کو شمار کرنا شروع کیا۔ اُن کو شرم آئی کہ تھوڑے سے لوگوں سے دب کر رہیں۔ اس پر سرسرتانہ میں زک ملی جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے فوجی دتے پہاڑیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایک دستہ کلارک کی ماتحتی میں بالکل ضائع ہوا اور پلٹوں کی ضرورت تھی۔ مگر وہ سندھ میں کہاں مل سکتی تھیں تا وقتیکہ ہم لوگوں نے سکھ اور شاہ کا پٹو کے مستقروں کو چھوڑ دینا منظور نہ کیا۔

سیاسی افسر کی لا پرواہی | اس درمیان میں ہمارے پولیٹیکل افسر بالاشملہ کی مرد ہواؤں

کا لطف معرکہ جنگ کو سوں دور بیٹھے ہوئے اٹھا رہے تھے۔ مگر وہاں سے مثل ایک دیتا کے اس دنیا کے معاملات کی نگرانی بھی کر رہے تھے جو اسسٹنٹ ایجنسی کا انچارج تھا، اسے ہر ایک ضروری امر میں اپنے غیر حاضر افسر سے دریافت کرنا ہوتا تھا اور ہفتوں میں اس کا جواب آتا تھا۔ اس کے سوا وہ زبان سے بالکل ناواقف تھا اور ہر بات کی اطلاع کے لئے اسے اپنے چلتے پھرتے منشی پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ سچ ہے کہ وہ ایک لائق افسر تھا اور اس میں عمدہ خلقی اوصاف تھے مگر اس کی کلی روش کی بنا کچھ ایسے اصول پر تھی جس سے وہ کسی امر سے خوش ہی نہ ہوتا تھا۔ دوسرے جو شخص روزانہ ایک دین سے لے کر دو درجن تک بیر شراب لٹکا دیتے وہ ہمیشہ عمدہ طور پر نہایت باریک تفریق مصلحت اور خلاف مصلحت امور میں نہیں کر سکتا۔

محاصرہ کاہن | اس حالت میں اس بات کے جاننے کے لئے کہ مصیبتیں سر پر آنے والی ہیں کچھ البسام کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے جو قلات میں تیس سپاہیوں کے ساتھ تھا مدد کے لئے لکھنا شروع کیا اور کاہن کو دشمن نے گھیر لیا تھا۔ میں نے بہت سے خطوط بہمنی کے سکرٹریٹ کے دفتر میں روانہ کئے جس میں میں نے حتی الوسع غلطیاں اور ان کی تدابیر دکھلائیں۔ سب نے فاش غلطی ہماری یہ تھی کہ ایک مشہور دغا باز اور مرتد کو کچھی کے صوبے کا حاکم مقرر کیا تھا۔ انگریزی حکومت انصاف کا نمونہ ہے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے نہ کسی کی رعایت۔ سب لوگ برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں۔ کسی عہدے کے لئے کوئی نا قابلیت نہیں سمجھی جاسکتی۔ تاکہ لوگ اسے محض زبانی جمع خرچ نہ تصور کریں۔ اس کی مثال دکھا دینی چاہئے اور ایسی مثال تجویز کرنی چاہئے جس پر فوراً خیال رجوع ہو۔

صوبہ کچھی پر محمد شریف کا تقرر | انگریزوں نے ایک نیا صوبہ کچھی کا برائے نام شاہ کے لئے قلعہ کب۔ لیکن سچ پوچھئے تو وہ اپنے لئے تھا۔ غیر اسے

جائے دیجئے۔ کیونکہ انہیں ایک نیا صوبہ ملا تھا۔ پس ایک نئے حاکم کی ضرورت تھی چنانچہ مذکورہ بالا اصول کچھ ثابت کر دکھائے اور اس امر کے اظہار کے لئے کہ کسی شخص کا حق ترقی نظر انداز نہ کیا جائے گا انہوں نے ایسے شخص کو منتخب کیا جس کے حقوق کمتر ہی نہیں تھے بلکہ قطعی طور پر نفی کے برابر تھے۔

کیا کسی نے پوچھا بھی تھا کہ محمد شریف کون شخص ہے؟ جس وقت وہ کبھی کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اگر پوچھا گیا ہوتا تو صداقت خود بول اُٹھتی کہ وہ ہرند اور واجل کے اضلاع کا حاکم محراب خان قلاتی کی جانب سے تھا اور انہیں رنجیت سنگھ سے سازش کر کے حوالہ کر دیا۔ وہ ایسا شخص تھا جس سے لوگ اسی قدر نفرت کرتے تھے جس قدر خوف سے۔ اُسے کسی آقا کی خدمت کرنے میں غدر نہ تھا کیونکہ وہ سب کے ساتھ دغا کرتا تھا ورنہ اُسے تنخواہ کی کچھ پروا نہ تھی۔ کیونکہ چاہت تنخواہ کم ہو یا زیادہ جن پر وہ حکومت کرتا تھا اُن کے کپڑے تک اُتروا لیتا تھا۔ وہ اپنا سلسلہ خاندانی حضرت محمد سے قائم کرتا تھا اور اُس کا دعویٰ صحیح بھی تھا کیونکہ آنحضرت کی طرح اُس نے ایک معجزہ بھی دکھلایا۔ انہی لوگ اُس پر اعتبار کرنے لگے۔

محمد شریف کی مطلق العنانی | ایسے شخص کو ضبط کے باعث لوگوں نے سرکار کی جانب سے کبھی کا حاکم مقرر کیا۔ اُس کے ساتھ کوئی یوروپین افسر اُس کی کارروائی کی نگرانی کے لئے تعینات نہیں ہوا۔ اس کو بذات خاص مطلق العنان کر دیا کہ من مانی عیاریاں کرے اور اُس نے تھوڑے ہی دن میں اُس وسیع بغاوت کی بنیاد ڈالی جس سے شاہ نواز کو قلات سے مفرور ہونا پڑا۔ کوڑے مارا گیا اور کبھی لٹ گیا۔ وہ اوائل میں ایک مرتبہ ایجنسی میں لٹنے کے لئے آیا تھا جہاں مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ صورت سے وہ وجہ لمبا اور سجمیل جوان تھا اور اُس کی سیاہ داڑھی نہایت اچھی تھی۔ مگر وہ شاذ ہی لوگوں سے نگاہ ملا کر ہم کلام ہوتا تھا اور جب ایسا کرتا تھا تو اُس کی نگاہ

سے ایک بد نما اثر ظاہر ہوتا تھا۔ البتہ اس کے الفاظ بڑی طاقت کے تھے جس سے بیڈلنگز میں اس کا رسوخ بہت جلد زیادہ ہو گیا۔

اس کے اور خاص شئی تربیہا سہائے کے درمیان لگاتار خط و کتابت جاری تھی۔ یہ ظاہر تھا کہ دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں اور آخر میں اسی کشتی میں دونوں ڈوب مرے۔ میں نہیں جانتا کہ انھیں حضرات کی رائے سے یہ کیا گیا۔ یا کسی اور کے مشورہ پر کہ تمام جاگیریں جو لوگوں کو اگلی سرکاروں نے خدمات کے صلہ میں دی تھیں۔ انگریز سرکار نے کبھی لینے پر ضبط کر لیں۔

بروہی سرداروں کی جاگیروں کی ضبطی | اتفاقاً وہ زمانہ خشک سالی کا تھا۔ پس ایسی کارروائی کی نسبت لوگوں کے کیا خیالات تھے؟ وہ تصور کئے جاسکتے ہیں۔ جن لوگوں کی اراضیات ضبطی میں آئیں ان میں شاہ نواز خاں کا بہنوئی کمال خاں ایقازمی و رحیم خاں منگل جس کا باپ قدرت کے دھاوے میں مارا گیا تھا وہی خاں منگل و عطا خاں اور بروہیوں کے چند اور بڑے زمین دست اور بار رسوخ سردار بھی تھے۔ ان میں سے بعض شکار پور ہو کر سکھر گئے۔ تاکہ اپنے حقوق کی واپسی کے لئے درخواست کریں۔ میں ان کی آمد اور غرض سے واقف تھا۔ چنانچہ جس قدر مجھ سے ہو سکا میں نے پرزور خط ان کے حقوق کی تائید میں لکھا۔ مگر ان کو کئی دن تک یوں ہی ٹھہرا رکھا گیا اور آخر میں کچ خلق کے ساتھ انکا کر دیا گیا۔

بروہی سرداروں کی ناراضگی | مجھے ذرا بھی شک اس امر میں نہیں ہے کہ محمد شریف کے یہ کانٹے بوئے ہوئے تھے اور اس طور پر وہ ایک جماعت

ناراض سرداروں کی ہمارے خلاف تیار کرنا چاہتا تھا۔ اگر اس کی یہ غرض تھی تو بخوبی پوری ہوئی۔ کیونکہ جب وہ لوگ ناامید اور افسردہ ہو کر اپنے پہاڑوں کو واپس گئے اور جاگیروں کی واپسی کی درخواست کی سماعت نہ ہوئی تو ان لوگوں نے کئی ہزار بلوائی اکٹھا

کرنے۔ لیکن ہماری حکمت عملی یہیں تک نہ تھی کہ بناوٹ کی آگ مشتعل کریں بلکہ اُس کے قایم رکھنے کے لئے ہم نے سامان بھی فراہم کر دیا۔

ان حصوں میں سرکاری مال گزاری جنس کی شکل میں وصول ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت کچھ ذخیرہ اناج کا محمد شریف نے گنڈوا کوڑواور ڈاڈر میں جمع کیا اور یہ مقامات بلوایوں کے موقع کے تھے جو آگے بڑھے آتے تھے کیونکہ بعض جگہ مثل ڈاڈر کے بالکل فوج نہ تھی یا تھی بھی تو نہایت مختصر۔

اس درمیان میں جب یہ واقعات یہاں ہو رہے تھے تو **پولٹیکل ایجنٹوں کی نااہلی** | اس درمیان میں جب یہ واقعات یہاں ہو رہے تھے تو پولٹیکل ایجنٹ لوگ کیا کر رہے تھے؟ میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ خود میری حالت نہایت افسوسناک تھی۔ یعنی میں شطرنج کا کھیل دیکھ رہا تھا جس میں اچھی اور بُری دونوں چالیں چلی جاتی تھیں۔ لیکن زبان نہیں ہلا سکتا تھا۔ ہمارے فرائض منصبی بھی اس قدر زیادہ اور مختلف قسم کے تھے کہ ہم لوگوں کو بجز اتفاقہ نہایتش کے اور موقع اپنے افسر بالاکو لکھنے کا نہ ملتا تھا۔ ایک بڑے خزانے کی نگرانی اور محبس کی حفاظت جس میں بے شمار لوگ تھے۔ اور ڈاک خانہ کا کام جس سے سیکڑوں خطوط اور پارسل روزانہ ہوتے تھے۔ انسان کو زیادہ خیالات پر زور دینے کا موقع کم دیتے تھے۔

میری نگرانی کے کاموں میں یہ کام بھی تھے کہ ایک لمبی چوڑی **سندھی لغت کی تیاری** | رپورٹ شمالی سندھ کے تمام موضوعوں کی تیار کروں جس میں مالکان کے نام اور تعداد مال گزاری وصول شدہ کی ہو۔ اور ایک نرخ نامہ شکارپور کے بازار کی اشیاء فروختی کا بھی انتہی رہے اور ایک ڈکشنری سندھی زبان کی دست کروں جس میں چار پانچ ہزار الفاظ ہوں اور کئی منشیوں سے ایک ایک لفظ پر بحث کی جائے لغت کے تیار کرنے میں مجھے خواہ مخواہ حرفوں کو بھی سیکھنا پڑا جس میں یہ تخصیص ہے کہ

صرف ابتدائی حروف شمسی باستثنائے چند کے لکھے جاتے ہیں اس وجہ سے تحریر میں سخت وقت واقع ہوتی ہے کیونکہ فقط حروف قمری ظاہر کئے جاتے ہیں اور شمسی کو جیسا موقع بہ لحاظ معنی کے آپ دیکھیں ویسا کام میں لائیں۔ مثلاً لفظ پیرتین جس کے معنی پیارے کے ہیں ٹھیک اسی طور پر لکھا جاتا ہے جس طرح پرے جس کے معنی آگے ہیں کیونکہ حروف (پ) اور (ر) ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اسی طور کا جس میں محذوف حروف رہیں۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خود وہاں کے باشندے اُن مختصر عجیب و غریب خطوط کے جو ان کے پاس آتے ہیں، اپنی مرضی کے معنی نکالتے اور سخت غلطیاں کرتے ہیں۔

ایک سوداگر کے پاس ایک خط راجہ تانہ سے ایک دوست کے ہاں سے آیا تھا جہاں اُس کا لڑکا چلا گیا تھا۔ چونکہ وہ کتابت جلد نہ پڑھ سکتا تھا اس لئے اُس نے شتاب سے خط پڑھوایا اور پڑھنے والے نے اس طور پر اُس کی تفسیر کی کہ وہ اُس کے فرزند کی موت کی خبر سمجھی گئی۔ بے چارہ باپ سر پہ خاک اڑانے اور زور سے چلانے لگا۔ اور ایک بھیڑ اس کے گرد جمع ہو گئی۔ وہ رورور کرتا تھا کہ "افسوس! وہ میرا کھوتا لڑکا تھا!"

تماشا یوں میں سے ایک شخص نے اُس کی حالت پر افسوس کر کے خط دیکھنے کے لئے مانگا۔ اُس نے کہا کہ "اس میں تو تمہارے لڑکے کے مرے کی خبر کہیں بھی نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس نے اپنا بیاہ کر لیا۔" باپ نے کہا کہ "اب میری حالت اور بھی خراب ہے اور نہ میں رو سکتا ہوں نہ ہنس سکتا ہوں۔"

ایک اور شخص کا ذکر ہے جس نے کاتب کو کچھ اجرت بھی دی تھی۔ جب خط اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو کوئی شخص بحیر فرسندہ کے نام کے ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ واپس آیا اور فرسندہ غصہ میں آکر لکھنے والے کے پاس لے کر گیا کہ خط نہ پڑھے جانے کی وجہ سے واپس آیا۔ کاتب نے کہا کہ "ہاں! یہ ممکن ہے کیونکہ میں خود نہیں پڑھ سکتا۔ تم نے مجھے لکھنے کی اجرت دی تھی نہ خط کے پڑھنے کی۔ یہ کیفیت کچھ دعوتیا پر شاہ و مردوں کی

سی ہے اور جسے اس لطف کے دیکھنے کا شوق ہو وہ شکارپور شریف لے جائے۔

چونکہ ہمارے لئے روزانہ بازار کے اصل نرخ کا جاننا نہایت ضروری
مالیہ میں اضافہ تھا میں نے حرفوں کے پڑھنے کی دقت پر قابو حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا
 اور براہ محنت کرنے لگا حتیٰ کہ میرا ہندوستانی محاسب مجھ کو دھوکا ندے سکتا تھا۔ ایک
 نمبر اس کا یہ حاصل ہوا کہ جہاں کمپنی کا نقصان دس فی صدی قندھار کی ہندویوں پر ہوتا
 تھا وہاں شکارپور کی ہندویوں میں ایک فی صدی کا فائدہ ہونے لگا اور یہ فائدہ سال میں
 کئی ہزار روپیہ کا ہوا۔



باب

کا، سن پر قبضہ

ولی اللہ کی اہمیت و توقیر | ولی کس کام کے ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد تو ان سے کوئی مفید نہیں نکلتا۔ مگر مشرق میں ولی زندہ اور مردہ دونوں قسم کے ہوتے ہیں اور جو زندہ رہتے ہیں۔ وہ کام کے ہوتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ کسی سوداگر کو کسی خطرناک اور دور دراز ملک میں جانا ہے اور وہ اپنے لڑکے کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اور چھوڑ جانے میں بھی خوف لگا ہوا ہے۔ نہ راہِ حق نہ پائے ماندن۔ ایسی حالت میں وہ فوراً کسی پیر کو تماشش کر کے اپنی لڑکی اس کی بیویوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور پھر بے تردد سفر کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے خوب معلوم رہتا ہے کہ کوئی پیر کی حرم سرا میں نہیں جاسکتا۔ یہی کیفیت مال کی ہے کہ اگر کسی پیر کے سپرد کر دیا جائے تو حفاظت سے رہے گا اور کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے گا۔ پس مشرقی ولی آج کل یونان کے ڈیلیفی اور المپا کا درجہ رکھتے ہیں۔ یا جو کیفیت خانقاہوں کی ہمارے آباد اجداد کے وقت میں تھی۔ یہ سچ ہے کہ یہ لوگ ایسے مہاجن ہیں جن سے کچھ سود نہیں وصول ہوتا۔

گمردہ آپ کا اصل بھی نہیں ہضم کر جاتے۔

پیر محی الدین سرہندی سے ملاقات | ایک دن میرے پاس ایک حسین فارسی کتاب لائی گئی اور لائے والے نے کہا کہ سرہندی کے پیر نے آپ کے لئے بھیجی ہے اور وہ آپ سے شناسائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے سلام کہلا بھیجا اور وہ میری ملاقات کے لئے آئے۔ پیر صاحب جن کا نام خدائے محی الدین خلیفہ حضرت ابو بکر کی نسل سے تھے جو حضرت پیغمبر اسلام کے چار اصحاب میں سے تھے۔ اُن کی روش سے ایک ایسا وقار پایا جاتا ہے جو نمائش سے بالکل مبرا تھا اور جو خود پویش کے شایاں تھا۔ وہ ہندوستان میں رہ چکے تھے اور ہماری طرز حکومت کے مداح تھے جس میں خوشامد کو دخل نہ تھا اور سندھیل اور افغانوں کے طور طریقہ اور تاریخ کے بارے میں بہت اچھی طرح گفتگو کرتے تھے۔ یہ محض تعصب ہے کہ اگر کوئی خیال کرے کہ مذہب اسلام کے یہ پیشوایان دین اکثر راست باز اور اپنے نور تہذیب و لیاقت کے مطابق ارادہ کے درست نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی تہذیب کی روشنی ہر چند کہ دھندلی ہوتی ہے تاہم بعض وقت زیادہ نور شعاعوں کی بہ نسبت جو ہم پر پڑتی ہیں عمدہ ترین کام میں لائی جاتی ہے۔

ان پیروں میں سے ایک شخص جو مذہب کے نہایت پابند مشہور تھے حیدر آباد پابند شرع پیر | کے امیروں کے پاس چند سال قبل ہم سے ملے گئے تھے۔ اُن کے روبرو کوئی حرکت ایسی کی گئی جو قرآن شریف میں ممنوع ہے وہ فوراً اُس مکان سے چلے گئے۔ اپنا بوریا بندھنا سنبھالا۔ اور اپنے وطن کو واپس روانہ ہوئے۔ امیروں نے پینامات اور تحائف بھیجے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ اپنے آقاؤں سے کہہ دو کہ میں پھر اُن کے مکان

۱۵ رومن کیتھولک عیسائیوں میں پوپ پیشوائے دین سمجھا جاتا ہے۔ جسے امام یا مجتہد العصر تصور کر سکتے ہیں۔ ۱۲

میں قدم نہ رکھوں گا۔ چاہے وہ میری واپسی کے لئے اپنی تمام کائنات بخش دیں۔
 میرے پاس بے پیر صاحب کے چلے جانے کی تھوڑی ہی دیر کے بعد
 ایک ضعیفہ کا دادیلا | ایک ضعیفہ آئی۔ جو نہایت روتی چلاتی اور اپنے بالوں کو نوچتی تھی۔
 اور تمام نبیوں اور ولیوں کا نام لیتی تھی کہ میرا انصاف کیا جائے۔ میں اپنا نام اُس کے شور و
 غل کی آواز کے ساتھ سن کر نہایت شرمندہ ہوا جسے وہ اس طرح لیتی تھی کہ تعریف کے بالعکس
 تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ بہتر ہوا کہ اس وقت پیر صاحب تشریف نہیں رکھتے ورنہ وہ
 بہت تعجب کرتے۔ نہ معلوم میں نے ایسا کیا کیا ہے جس سے وہ بوڑھی عورت اس قدر مجھ
 سے ناخوش ہے۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ میں نے اُس کا منہ کس چہرہ کبھی دیکھا ہو۔ جس شخص کو
 ہندوستان میں تقدیسات کے سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ مستغیث سے اصل ماجرا
 دریافت کرنا کس قدر دقت طلب ہے۔ دوسرے ملکوں میں لوگ اس کو مناسب سمجھتے ہیں کہ
 مجرم اپنی صفائی بیان کرے مگر خود مستغیث اپنی تکلیف کو بیان نہیں کرنے پاتا۔ آخر کار مجھے معلوم
 ہوا کہ ایک بڑھئی نے جو میرے یہاں نوکر تھا ایک درخت اُس ضعیفہ کا کاٹ ڈالا تھا۔ اُس کا بیان
 تھا کہ وہ درختوں کا جد امجد تھا اور اُسے اپنی آنکھوں کی طرح پیارا تھا۔ جس کے نیچے وہ شب
 کو سوتی تھی اور دن کو دھوپ سے پناہ لیتی تھی۔ اور اُسے اُس نے اپنے سینہ سے لگا لیا تھا تاکہ
 کاٹا نہ جائے۔

میں بڑھئی پر نہایت خفا ہوا اور اُسے بلوا کر سخت گھڑکا۔ بڑھئی نے لگا اور مجھ سے کہا
 کہ چل کر دیکھئے۔ میں نے ضعیفہ کو روپے دیئے اور شام کو اُس کے پیارے درخت کو دیکھنے کے لئے
 گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ محض ایک خشک لٹا ہے جس کی جان عرصہ سے نکل چکی تھی اور جو
 صرف اس لئے کارآمد تھا کہ اُس کی بدولت فرنگی سے روپیہ وصول ہو۔ میں نے بڑھئی سے
 کہا کہ ”اچھا بڑھیا کے پاس روپیہ رہنے دو کیونکہ اُس نے نقل عمدہ کی۔ مگر وہ تکلیف دہ بوڑھی
 سندھی عورت بمقابلہ اُن بلاؤں کے جو ہمارے بعض ماتحتین تھے کم مصیبت تھی۔ اگر آپ کو

اُن سے ڈبھڑ کر لوی جلتے پھر دیکھئے تماشا۔

ماحتوں کی حیرت | مثلاً ایک ہم عصر پولیٹیکل افسر نے مجھ کو لکھا کہ مسٹر فلاں - فلاں دن اپنے دفتر جانے کے لئے شکار پور سے ہو کر جائیں گے۔ آپ اُنہیں رہنے کی جگہ اور جو کچھ سفر کے لئے درکار ہو دیدیں۔ جب وہ شخص آیا تو اُس نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھے اُس کی صورت اور ظاہر داری سے اُس کی نسبت اچھا خیال پیدا ہوا۔ اُس کا طور و طریقہ اُس کے موجودہ رتبہ سے بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔ میں نے اُس کی چیزیں منگوا بھیجیں اسے ایک خیمہ دیا اور ایک رسالہ دار سے ملاقات کرائی جو ایک دستہ سواروں کا افسر اور قریب ہی خیمہ زن تھا اور جس کے کچھ لوگ دوسرے دن اس نوباد شخص کو بحفاظت پہنچانے والے تھے۔ شب کو بہت کچھ شور و غل مچا اور لوگ برابر ادھر ادھر پھر رہے تھے میں نے دو تین بار درجہ دریافت کرائی۔ صبح کو رسالہ دار منہ بنائے آیا اور کہنے لگا کہ جو صاحب کل شب کو آئے ہیں وہ بیہودہ عادتیں رکھتے ہیں۔ خیمہ میں جا کر انہوں نے کئی گھنٹہ تک شراب پی اور اس کے بعد برہنہ تلوار لے کر نکلے اور خانہ زن کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ قہر کہ جب وہ خیمہ کی رسیوں سے الجھ کر گر پڑے تو چند سواروں نے کسی طرح ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ میں نے شب کی کیفیت لکھی اور خود اُس جنوڈا اُن شخص کے ہاتھ اُس کے افسر کے پاس روانہ کر دی۔ میرے دوست کا خیال تھا کہ وہ سدھر جائے گا مگر وہ اصلاً راہ پر نہ آیا بقول سعدی سے

خوئے بد در طبیعت کہ نشست الا

چنانچہ انہوں نے ایک مہینے کے امتحان کے بعد مایوس ہو کر واپس بھیج دیا یعنی دست بستہ سکھر۔ ورنہ کیا کیونکہ اُس نے ہندوستانی خزاہنی کے بازو کو دانتوں سے زخمی کر دیا تھا جس سے اُس عہدہ دار کا تحمل جاتا رہا اور وہ نہایت ہی دردناکی اور غم گینی سے چلانے لگا۔

شکار پور کی شدید گرمی | ہولائی کے مہینے کی سخت گرمی اب آگئی تھی۔ میں سوتا تھا تو پٹکھا میرے سر سے کچھ ہی اونچا کھینچا کرتا تھا اور پٹکھا کھینچنے والے پر کبھی

نہند کا غلبہ ہوتا تھا تو میری آنکھ فوراً کھل جاتی تھی۔ ایک شب کو تھوڑی سی دیر تک ٹھہر ٹھہر کر نیند آنے کے بعد میں اُٹھ بیٹھا اور ایک ہندوستانی ملازم پر جو میرے قریب زمین پر پڑا تھا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ میں نے اُس سے مایوس ہو کر پوچھا کہ کہیں ہوا بھی ہے تو اُس نے جواب دیا کہ شاید ہو مگر مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ میں باغ میں گیا کہ وہاں جا کر دم لوں۔ دو انگریز افسروں میں سے جو میرے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے ایک سبز باغ کے اندر گھس کر بیٹھا تھا کہ اپنے کو سردی پہنچائے اور دوسرا چند درختوں کے نیچے ٹھہر رہا تھا۔ ہم میں سے کوئی بقیہ رات نہیں سویا۔ کرہ ہوا اس قدر گندا ہو رہا تھا کہ چاقو سے کانٹے کٹ سکتا تھا اور میری چاہتا تھا کہ محض دشمنی سے اُسے کانٹے کڑے کڑے کر ڈالوں۔ ایک پلٹن جس کو ٹسکار پور ملنے کا حکم صرف بیس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ سے ہوا تھا۔ وہی شب۔ استہ میں رہ کر اتر ہو گئی۔ چند لوگ ہنروں میں جا گئے۔ کتنے پاگل ہو گئے اور بہتروں کو بخار بنے بغیر لیا۔ اسی وقت ہمیں ہماری اس خلاف مصلحت سلوک کا ثمرہ ملا جو ہم لوگوں نے بردہی اور پہاڑی بلوچیوں کے ساتھ کیا تھا۔

۲۴ جون کو سیالکوٹ پر لگھڑوں نے حملہ کیا مگر مع ساتھ لگھڑوں کا سیالکوٹ پر حملہ | آدمیوں کے نقصان کے پیچھے ہٹ دیئے گئے۔ ایک جماعت

جس میں میں سپاہی اور ایک حوالدار لفٹیننٹ لوڈے کے فمشی غلام حسین کو پہنچانے جاتے تھے۔ اُن پر حملہ ہوا اور ایک شخص بھی زندہ بچ کر نہ آیا۔ قلات سے لفٹیننٹ لوڈے اور دونوں بھائیوں شاہ نواز خاں اور فتح خاں کے خطوط میرے پاس اس مضمون کے آئے کہ جن سرداروں کی زمین ہم لوگوں نے چھین لی تھی اُن کی پیشوائی میں قبیلے باغی ہو گئے اور خود ہم لوگوں کی جماعت میں دغا بازی کا خوف ہے اور تا وقتیکہ مدد نہ کی جائے گی غالباً قلات جلد دشمنوں کے قبضہ میں ہو گا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس خبر سے مجھ کو رنج بہت ہوا۔ لیکن تعجب ذرا بھی نہ ہوا جس

وقت سے ۳۱ رجسٹ جو قلات میں تعینات کی گئی تھی کہ شاہ نواز اُس بغاوت کو نبرد کر سکے گا جو بعلبت ترقی کر رہی تھی۔ میرا پہلے ہی سے خیال تھا اور اب بھی ہے کہ شاہ نواز کو مقرر کرنا اچھا ہوا باوجودیکہ اُس کی اس بارے میں بہت کچھ مذمت کی گئی ہے۔

قلات کے لئے لینے اور محراب خاں کے مرجانے کے بعد اُس شاہ نواز خاں اور امانت قلات کے بیٹے کو تخت پر بٹھانا کیا بڑی ڈھٹائی کا کام نہ ہوتا۔

ایران میں یہ ہو سکتا تھا کہ کسی ظالم بیج کی زندہ کھال کھجوائی جاتی۔ اور اُس کے جانشین کے لئے اُس میں بھس بھردا کر نشست بنائی گئی ہوتی۔ مگر مجھے اس بات کا پکا یقین نہیں ہے کہ لڑکے اور زیادہ وفادار اور غیر خواہ اس طور پر بنائے جا سکتے ہیں کہ ان کے باپ کو گولی مار دی جائے۔ تمام شہزادے اُس نیک شہزادی میری کی تقلید نہیں کرتے جو اپنی طفلی کی خوشی میں اس محل میں دوڑتی پھرتی تھی۔ جس سے اُس کا باپ ہمارے شاہ جیمز ثانی نکال دیئے گئے تھے۔ عقلاً یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ نصیر خاں نے اُس تلوار کو یاد رکھا ہوتا جس نے اُسے تاج حاصل ہوا۔ نہ کسی شخص کو اس بات پر یقین کرنا چاہیے کہ جب کئی خوں ریز مجادلوں کے بعد ہم لوگوں نے اُس کے ملک کو چھوڑ دیا تو نصیر خاں ہم سے بخندہ پیشانی پیش آیا۔ البتہ وہ ہم کو دشمن نہ سمجھنے لگا۔ لیکن شاہ نواز کے بارے میں ہم سے یہ غلطی نہیں ہوئی۔ کہ اُسے تخت پر بٹھایا بلکہ یہ کہ اس کی مدد اُس وقت نہ کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایسی مدد سے ہمارا بہت صرف ہوتا اور جب تک شاہ نواز اپنے بل سے نہ قائم رہ سکتا تو اُس کی رعایا اس سے خوش نہ ہوتی۔ تو ہم لوگوں کو مناسب تھا کہ اُس کی آزمائش عمدہ طور پر کی ہوتی اور اُس کی حکومت میں صوبہ کچی کو علیحدہ کر کے ایک ایجنٹ اور تھوڑے سے سپاہی اس کے دارالسلطنت میں تعینات کر کے بل نہ ڈالا ہوتا۔ اس کے سبب سے وہ ہمارے ساتھ ارتباط رکھنے کے باعث بدنام ہوا۔ اور اُس کو اس ارتباط کا کوئی مقبول فائدہ نہ ہوا بلکہ ہم لوگوں نے اس سے بھی بدتر فعل کیا جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے کہ خود شاہ نواز کے خاندان

میں اُس کے دشمن اُس کے بہنوئی کمال خاں التازی کی جاگیر چھین کر پیدا کر دیے۔
 دراشت کے خیال سے شاہ نواز کا حق قلات کے تخت کی نسبت نصیر خاں کے
 مساوی تھا۔ دونوں کے باپ اُس کے لئے اس طرح جھگڑ رہے تھے جس طرح اب بیٹے
 لڑتے تھے اور شاہ نواز کو بے دردی اور دغا بازی سے محراب نے مار ڈالا تھا۔ شاہ نواز کو
 شاہ شجاع نے بھی پسند کیا تھا جو اہل مالک تھا اور جسے سندھ کے امیر ہمیشہ ایسا ہی تصور
 کرتے تھے کیونکہ اُس کی جلا وطنی کی حالت میں انھوں نے اُس کی کفالت کی اور بطور بادشاہ
 کے برتاؤ کیا۔ خیر یہ سب کچھ ہوا ہماری انگریز گورنمنٹ نے شاہ نواز خاں کو قلات کا حاکم بنادیا
 اور اس کو وہیں چھوڑ دینا اعلیٰ درجہ کا احمق پن تھا۔

برطانوی حکومت کی غلط پالیسی | مشرق میں جس امر سے ہماری قوت میں زیادہ زوال آ گیا
 ہے۔ وہ اس اعتقاد کے باعث سے ہے۔ جو روز بروز
 پکڑتا جاتا ہے کہ انگریز دوست صادق نہیں ہیں۔ اور بہادر دشمن کو ان سے زیادہ وصول
 ہو سکتا ہے بہ نسبت کسی مطیع دوست کے لاڈلے بننے اس امر کو دریافت کیا اور اُس
 نے بھادل خاں کو مورد انعام کر کے ہمارے حق میں اُس سے زیادہ بہتری کی جو بیس خونریز
 لڑائیوں سے ہوتی۔ ہماری سلطنت کا قیام ہندوستان میں اُسی طور پر ہو سکتا ہے جس طور
 پر وہ حاصل ہوئی۔ اور جس طور پر روم دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ یعنی ان کو قوی بنانا جو ہماری
 امداد کریں اور انھیں تمام مخالفتوں سے سلامت نکال لے جانا۔

مسلمانوں کی بنیاری | مگر بجز بھادل خاں کے اب وہ لوگ اور کہاں ہیں جو کچھ عرصہ ہوا
 کہ ہمارے دوست تھے۔ شاہ شجاع الملک، شاہ نواز خاں کدھر،
 میرستم اور میر صوبہ دار کس طرف ہیں اور وہ سرفار کس جگہ ہیں؟ جنھوں نے ہمارے شریک
 ہو کر اپنے ہی قبیلوں پر تلوار کھینچی تھی۔ سب مارے گئے یا جلا وطن ہوئے اور ان کی جگہ وہ لوگ
 ہیں جو شروع ہی سے مخالف تھے۔ دراصل یہ خیال بہت دل پسند نہیں معلوم ہوتا مسلمان

بھی اپنے جی میں کہہ سکتا ہے کہ سور ہونا بہتر ہے مگر فرنگی کا دوست ہونا اچھا نہیں۔
 بچارے لوڈے نے مجھ کو لکھا تھا کہ مجھے خوب یقین ہے کہ میں اور میرے لوگ مارے
 جائیں گے۔ مگر میں بالقصد چاہتا ہوں کہ چاہے مر جاؤں مگر اپنی جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ میں نے
 ایجنٹ متعینہ سکھر کو لکھا اور درخواست کی کہ ایک پلیٹ گندہ دھ سے فوراً روانہ کر دی جائے۔
 اُس نے جواب دیا کہ بغیر چیف سے دریافت کئے جو مسئلہ پر ہیں کوئی شخص فوج کی نقل و حرکت
 کا حکم نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا کہ اس کی ذمہ داری میں اپنے سروں کا۔ اگر آپ میسری
 درخواست کی تائید بریگیڈیر جرنیل سے جو کہ میرے کریں۔ اس کا کوئی جواب نہ آیا اور موقع
 جو ہمارے ہاتھ سے اب نکلا جاتا تھا آخر کار نکل گیا۔ اور ناسحق ہم نے پھر اُس کے روکنے
 کی کوشش کی۔

۱۰۔ اس وقت عبداللہ خیری جو پہاڑی مہموں میں ہماری رہنمائی
 عبداللہ خیری کی منجبری کرتا تھا میرے پاس ملے آیا۔ اُس کو کاہن کے محصور ہو جانے کی
 خبر معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے کہا کہ ”مری قبیلے والے اُس راستہ میں لہری اور نقشت میں موپے
 تیار کر رہے ہیں۔“ میں نے پوچھا کہ اُن کے ساتھ کچھ جماعت بھی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ اُن
 کی جماعت اس قدر کثیر ہے کہ وہ آپ کے پانچ سولوگوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ البتہ اگر ہزار آدمی
 بھیجے تو وہ کامیاب ہو سکتے ہیں مگر تب بھی سخت جنگ ہوگی۔“ اُس نے اُن سرداروں کے نام
 بتائے جن کو اُس نے سنا تھا کہ کاہن کی رہائی کے روکنے کے لئے جمع ہیں۔ میں فوراً عبداللہ
 کو ایک دوسرے پولیٹیکل افسر کے پاس لے گیا۔ اور جو الفاظ اُس نے کہے تھے اُن کا اعادہ کرایا میں
 کسی شخص کو ایسا نہ پاتا تھا۔ جو اس خبر کا اعتبار کرے۔ ہر شخص ہنستا تھا کہ مری قبیلے والے ایک پلیٹ
 سے کیا لڑیں گے۔

۲۴ جولائی کو سخت بارشیں بجنی اور گرج کے ساتھ ہوئی۔ اور اس سے کسی قدر ہوا
 خشک ہو گئی۔

برگیڈیر اس کا انتقال

اگست کے شروع میں سکھر میں گیا۔ میں نے برگیڈیر اس کو سرسام سے مرتا ہوا پایا۔ پلسترے کسی قدر بوجھ کم ہو گیا تھا۔ اُسے لوگوں نے بستر پر بٹھا دیا تھا اُس نے کہا کہ جب میں اچھا ہو جاؤں گا تو مجھے نہ معلوم شملہ یا کراچی جانا پڑے گا۔ کیوں ڈاکٹر کون سی جگہ میرے لئے موزوں ہوگی؟ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ شاید کراچی۔ جب کمرے سے ہم لوگ باہر آئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ وہ صبح نہ ہونے پائے گی کہ مر جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن شام کے وقت میں اُس کے جنازے کے ساتھ دفن کئے گیا۔ وہاں کی کیفیت غم ناک تھی کئی افسروں کی قبریں اُس مقام پر تھیں جہاں وہ دفن ہوا۔ گیڈروں نے اُن میں سوراخ بنادیئے تھے تاکہ لاش تک پہنچ جائیں۔ باڑھ داغنے والوں نے کسی عجیب غلطی سے بجائے تابوت کے اوپر سلامی اتارنے کے دوسری جانب کو بندوبستیں داغ دیں۔ ایک افسر نے دہلی زبان سے جلدی جلدی دعا پڑھی۔ اور انجیل کے فرسٹ کارٹینینس کی اُس عمدہ عبارت نے پاس کے استاد لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر نہ پیدا کیا۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ خدا کرے کہ میری موت اپنے وطن میں آئے اور کفار میں نہ مردوں جو حضرت عیسیٰؑ سے کوئی امید نہیں کھتے

۱۲ اگست کو میں شکار پور واپس آیا۔ ہماری ایک کی فوج جس

فوجی دستوں کی روانگی

میں ایک پلیٹن گرینیڈیرس کے ڈھائی سو سوار گرنیڈیرس کی لائٹ کمپنی اور کچھ توپیں تھیں۔ کاہن جاتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ جو نیزہ کی گئی کہ اُس کے ساتھ دو کمپنی گوروں کی اور ایک پورا بازو گرنیڈیرس کا بھی بھیج دیا جائے۔ جس وقت ہم لوگ انجینی کے زینہ پر کھڑے تھے تو میں نے اُس سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ آپ انھیں لیتے جائیں کیونکہ لڑائی سخت ہوگی۔ مگر انھوں نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت مجھے نہ ہوگی کیونکہ بلوچی ہمارا مقابلہ نہ کریں گے۔

میں نے ایک درخواست لکھ کر روانہ کی کہ مجھے اُس فوج کے ساتھ جانے کی اجازت ملے جس کا جواب آیا کہ جہاں میں ہوں وہیں میری ضرورت ہے۔ میرے دل میں اُس طریقہ کو دیکھ کر وہم پیدا ہوا جس کے مطابق دشمن کو لوگ حقیر تصور کرتے تھے اور فوج کے ساتھ لمبی قطار اونٹوں کی

جاتی تھی۔ افسروں میں ایک آئرلینڈ کے رہنے والے تھے جو بڑے گرانڈیل جوان چھ فیٹ پانچ انچ لمبے اور فہل تن تھے۔ اُن کا مزاج نہایت گرم تھا۔ اُنھیں چند اونٹ درکار تھے۔ میں نے شکار پور کے داروغہ کو اُن کے پاس دریافت حال اور اُن کی احتیاجات کے رفع کر دینے کے لئے بھیجا۔ وہ پستہ قد ایرانی میرے پاس کا پتا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا۔ واہ صاحب آپ نے مجھے عفریت کے پاس بھیجا تھا وہ تو دیوت آدمی نہیں ہے۔ براہ مہربانی آپ ہی اُن کے لئے اونٹ منگوا دیجئے اور مجھے خوشگین شیر کے پنجے سے نجات بخئیے۔

۴۴ | **قلات کے فتح ہونے کی اطلاع** | ۴۴ کو مجھے ایک خط لوڈے کا ملا جس میں سخت مقابلے کے بعد قلات کے فتح ہونے کا حال درج تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ اگر دوسو سپاہی خان اور اُس کے بھائی کے ساتھ ہوتے تو انھوں نے ساری بلا مال دی ہوتی۔ مگر اُن کو اُنھیں کے لوگوں نے دغا دی۔ شاہ نواز نے بڑی دلیری ظاہر کی تھی اور حملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا تھا۔

۴۵ | **وادر وانگی کا حکم** | اب مجھے وادر جانے اور راہ میں ہر ایک مقام پر ایک مسافر خانہ تیار کرنے اور کنوؤں کے صاف کرانے کا حکم ملا تاکہ فوج کی پیش قدمی کے وقت اُن کے ٹھہرنے کے مقامات پر پانی تو مہیا رہے۔ میرے ساتھ جانے والے کاریگروں کو چند روز کی فرسٹ ملی۔ تاکہ وہ اپنا انتظام سفر کر لیں۔ اور اس درمیان میں میں نے حبیب کا کوٹ میں قیام کیا۔ جہاں سرہند کے پیر رہتے تھے۔ وہ ایک نہایت ہی آسائش کے مکان میں رہتے تھے جس میں ایک باغ تھا جو سندھ کے لئے نہایت حسین تھا انھوں نے مجھے چاندی کے ظروف میں بہت مزے دار کھانا کھلایا۔ مجھے خاص کر لمبے پشادری چاول بھلے معام ہونے جو معمولی چاول سے تگینے ہوتے تھے اور جس کی اس قدر قدر کی جاتی ہے کہ رنجیت سنگھ پشاور کے محاصل میں ایک جزو اُن کا لیتا تھا اور اُسے بطور تحفوں کے بھجوتا تھا۔

کھانے کے بعد ایک شخص نے صاف میٹھی آواز سے سہراب اور رستم کی جنگ کی کیفیت

شاہنامے سے بڑے شد و مد سے پڑھی۔ اُس کے بعد ہم لوگ باغ میں سیر کرتے لگے اور شکار پور میں آدمی رات کو واپس آیا۔ رات نہایت اندھیری تھی چنانچہ بھامک سے گزرتے وقت میری پیشانی کسی کیل سے ٹکرا گئی جس سے میں اونٹ کی پیٹھ پر چت ہو گیا۔ مگر قسمت سے نہ گرا۔ اور میرے سر پر ایک انگریزی گھوڑ پڑھی ٹوپی تھی۔ جس میں رونی خوب بھری ہوئی تھی پس اُس کی بدولت میرا سر پھٹنے سے بچا۔ دوسرے دن مجھے حیدر آباد کے وزیر امراہم شاہ نے قاضی کے باغ میں ایک محفل ناچ و رنگ میں مدعو کیا۔ سندھ کی طوائفیں ہندوستان کے اور مقامات کی طوائفوں سے کمتر درجہ کی ہوتی ہیں۔ ایک جس کا نام مہتاب تھا کسی قدر حسینہ تھی۔

۲۵ اگست کو میں آدمی رات کو شکار پور سے روانہ ہوا اور دوسرے شکار پور سے روانگی | دن سچ کو پانچ بجے ایک مقام پر جو بیس میل کے فاصلہ پر تھا پہنچا۔ یہ جاتی درہ کہلاتا ہے اور جہاں ایک قلعہ نیم مہار ہے۔ اُس کے آس پاس ایک وسیع میدان ہے جو کوسوں تک اس موسم میں ایک قسم کے بڑے اناج کی فصل سے ڈھکا رہتا ہے جسے جوار کہتے ہیں۔ دنیا کے کسی حصہ میں یہ پودے اس قدر اونچے نہیں ہوتے کہ یہاں اونٹ پر سوار ہونے پر بھی میں نے اُسے کئی فٹ سر سے اونچا پایا اور بہتیرے مقامات میں وہ زمین سے بیس فٹ بلند ہوگا۔ ایسی جگہ جہاں سات یا آٹھ میل تک یہ پودے ہوں ڈاکوؤں کی خوب کمیں گاہ ہوتی ہے۔ جس کا مجھے تھوڑے ہی دنوں میں ثبوت مل گیا۔

درہ جانی | جاتی درہ میں صرف ایک ہی بہت بڑا درخت ہے جو ظاہر اپنی گرد و لواح کی چھوٹی چیزوں کو دیکھ کر بڑی شان سے کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اس اکیلے درخت میں سینکڑوں پرند بسیرا لیتے ہیں۔ میں نے اُس پر بے نیکی باڑھ مار دی اور دو فرس قریب چوراہی گیر یوں کے مارے۔ یہاں بعض وقت ایک سخت بادِ سموم ریگستان سے آتی ہے۔ بے قاعدہ رسالہ کے کمانیر نے جو وہاں تعینات تھا مجھ سے کہا کہ ایک مرتبہ اسے دو روز تک کھانا دستیاب نہ ہوا۔

کیونکہ ہوا قلعہ کے مکانات کے چھپڑوں کو اڑا لے گئی اور اس قدر خاک اڑتی تھی کہ کسی چیز کا پکانا ناممکن تھا۔ کسی زمانے میں ریگستان میں بہت دور تک جانی درہ سے آگے نہر بن گئیں۔ اُس وقت کاشت کاری بہت ہوتی تھی اور بہت سے گاؤں تھے جن کے نام اس وقت فراموش ہو گئے ہیں اور خود دُھس کے گرد ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی جگہ پر اب دفن ہے اور بہت سی قبریں ہیں۔

قلعہ خان گڑھ کی تاراجی | میں نے لوگوں کو مسافر خانہ بنانے کے کام میں لگا دیا اور دوسرے دن گیارہ میل آگے خان گڑھ گیا جہاں ایک قلعہ ہے جس میں اُس وقت جب لارڈ کین کی فوج افغانستان گئی تھی تو دو سو آدمی خاص کر کوہ سا قبیلے کے رہتے تھے۔ اُن میں سے بعض کی نسبت مشہور تھا کہ ہمارے اسباب کو لوٹ لے گئے مگر اور سندھیوں کا بیان ہے کہ یہ لوگ بے قصور تھے۔ اور یہ فعل ناشائستہ جبرانیوں نے کیا تھا۔ اس کی صداقت چلبے جو کچھ ہو مگر یہ صحیح ہے کہ پانچویں نمبر کی بمبئی کی ہندوستانی پلٹن نے اُس پر حملہ کیا۔ اُن کے ساتھ توپیں تھیں۔ مگر ہلکی اور اس کے سوا ان سے عمدہ طود پر کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ پہلا گولہ دُھس میں نہ لگا اور اُس کے محافظوں نے طنز کا نعرہ مارا۔ اس درمیان میں اندر کے لوگ نافلہ دیتے۔ ایک توڑہ دار بندوق کی گولی سے پلٹن کا صوبہ دار مارا گیا۔ اور کچھ اور لوگ بھی کام آئے۔ اُس پلٹن کے دو نو جوان افسر جنھوں نے کبھی لڑائی آنکھوں سے نہ دیکھی تھی۔ دلیری کے ساتھ قلعہ کے پھانک تک گئے۔ اور اُس لکڑی کو جس سے وہ مسدود ہو رہا تھا ہٹا دینا چاہا۔ ایک زخمی ہوا مگر اُن کی کوشش کامیاب ہوئی۔ اور راستہ بن گیا۔ بہت سے بلوچیوں کو سیلگینیں بھونک کر مارا جن کی تعداد ایک سو تیس بیان کی گئی ہے اور بقیہ قید ہو کر شکار پر بھیجے گئے جہاں بعد کو انھوں نے رہائی پائی۔ اگر واقعی کو قبیلے والے اُس لوٹ کے مجرم تھے جو اُن سے منسوب کی گئی تھی تو اُن کو سخت سزا دی گئی کیونکہ وہ جگہ بالکل ویران کر دی گئی اور آج تک دیرانے کی شکل میں پڑی ہوئی ہے۔

مسافر خانہ کی تعمیر | معماروں کو کام میں لگا دینے کے بعد میں پھر روانہ ہوا کسی تازہ کھیت اور نئے رہنے کی تلاش میں نہیں بلکہ تازہ ریگستان کی جستجو میں جہاں رہنے بہت کم بلکہ بالکل ہی نہ تھے۔ راستہ میں چند ہرن ہم کو دور سے نظر آئے۔ انھیں ہلوں کو میں نے دریائے سندھ کے مغرب میں دیکھا حالانکہ معلوم ہے کہ ہندوستان میں یہ جانور بھرے ہوئے ہیں۔ راج کوٹ میں یہ میرا معمول تھا کہ صبح کو سوار ہو کر ان کے پیچھے گھوڑا دوڑایا کرتا اور خوف زدہ ہو کر متواتر میرے گھوڑے کے سامنے سے گزرتے تھے۔ اگر وہ سپیدے جاتے تو نگاہ سے جلد غائب ہو جاتے۔ مگر اس ترکیب سے میں نے اکثر قریب قریب ان تک گھوڑا پہنچا دیا ہے۔ مگر جہاں میں اس وقت تھا وہاں کوئی موقع اس قسم کی مشاقی کا نہ تھا پس وہ خوف زدہ جانور اپنی راہ چلے گئے۔

INALI BOOKS

باب ۹

مری قبیلے کے معرکے

انگریزی سپاہ کی شکست کی اطلاع | اس وقت میرا رخ داور کی جانب تھا لیکن مجھے جانی قدہ

واپس آنا پڑا تاکہ اپنی منزل مقصود تک پہنچوں۔ میرا
خیمہ کھڑا ہونے ہی پایا تھا کہ میرا منشی ایک بیبت زدہ شکل سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ۔

”صاحب! عجیب و غریب خبریں مشہور ہو رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کل دن بھر توپ کی آواز

سنائی دیتی رہی۔ کلنیرن صاحب سے ایک جنگ مری قبیلہ والوں سے پہاڑیوں میں ہوئی۔

کمپنی کا ستارہ اس وقت دھندلا ہوا ہے اور بلوچیوں کے گانوں میں ان فرنگیوں کے

کان بھرے ہوئے ہیں جو لڑائی میں مارے گئے۔ میں نے کہا کہ ”منشی! یہ آج تم کو کیا ہو گیا

ہے کہ ایسی روایت پر اعتبار کرتے ہو۔ یہاں مری پہاڑیوں کی توپیں کیونکر سنائی دیں گی۔

جو سومیل کے فاصلہ پر ہے اور کسی کو کیونکر خبر اتنے فاصلہ کی لڑائی کی جو کل ہی ہوئی آج مل

سکتی ہے۔ وہ تمہیں احمق بنا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے منشی کو رخصت کیا اور اس کے ساتھ

جنگ کے جملہ خیالات کو بھی اور وہاں سے اپنے مسافر خانے کی تعمیر دیکھنے کے لئے چلا گیا۔

سندھی مزدوروں کی کاہلی | تمام سندھیوں کا اصول ہے کہ انسان کام میں غفلت نہ کرے۔

چنانچہ جس دن میں نہ آیا ایک کام بھی نہ ہوا۔ جو مستری اور دل کا

سردار تھا اُس نے دیکھا کہ چند کارگر پیشگی لے کر چل دیئے جس پر اُس نے اوروں کو جوروہ گئے تھے گالیاں دینی شروع کیں اس وقت آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ اور یہ جھگڑا دیر تک اس وجہ سے قائم رہا کہ جھگڑنے والے اپنا وقت حقہ کے پینے اور امر متنازعہ فیہ پر غور کرنے میں صرف کرتے تھے۔ اُن حضرات کو خیال تھا کہ ایک دن کام ختم ہونے سے کوئی نقصان اُس صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ مابواہر خواہ برا بر ملتی جاتی ہو۔ اسی وجہ سے ہمارے سندھی مہربانوں نے سب کچھ غور و فکر کرنے کے بعد جو معمول کام کے قبل ہوا کرتی ہے خود کام سے کنارہ کشی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اُن کو مستری سے رنج تھا اُن لوگوں نے جی میں ٹھان لی تھی کہ مکان کا بنانا جس کے لئے وہ خواہ پاتے تھے ایک عمدہ بات ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سامان پر غور کیا ہو گا جس کی نسبت بہت کچھ بحث کی گئی تھی نہ تھی کیونکہ جو کچھ اسباب ٹھہرا ہو سکتا تھا سامنے موجود تھا۔ اُس وقت اُن لوگوں نے ارادہ کیا ہوا کہ لیکن ارادہ کرنا اور اُمیر محیر ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو قلعہ دیکھئے۔

غرض کہ میں نے اپنے سندھی مہربانوں کو اسی حیص بیض میں جس طرح بچے پہیلیاں بوجھنے میں غور کرتے رہتے ہیں۔ آپس میں یہ تجویز کرتے پایا کہ آیا انھیں تعمیر شروع کرنی چاہئے یا نہیں۔ چنانچہ میں نے فوراً یہ ارادہ کر لیا کہ دو ایک دن رہ کر اُن کو اپنی نگرانی اور ہمت دہی کا فائدہ بخشوں گا۔ میں نے اُن سے کام لینا شروع کیا اور ہر چند کہ میں اُس احتیاط پر نہایت گھبرا یا جس کے ساتھ وہ لوگ پانچ سیر کی ایک لکڑی بہت دیر میں اٹھاتے تھے اور دوسرا انھیں رکھ کر آتا تھا۔ تاہم کام شروع ہو گیا اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہی پہلی کارروائی غنیمت تصور کی جاتی ہے۔

ان وجہوں سے مجبوراً ٹھہر جانے سے بعد کو میں نہایت خوش ہوا **بیجبر کلنیرن کی شکست** کہ یہاں مجھے دیر ہوئی کیونکہ دوسرے دن میرے پاس سرکاری فوج کی شکست کی خبر مقام نفشک ایسے وسیلہ سے ملی کہ اب کوئی اُسے جھٹل نہیں سکتا۔

میں نے اس خبر پر کوشہ رپور پہنچا دیا اور اُس کے جواب میں یہ ہدایت آئی کہ میجر کلنیرن کو کھد بچیوں کو وہ لہری یا پھول جی میں پہنچا دی کے نیچے کمرے نہ پہنچے تک ٹھہر جائیں۔ مگر انھوں نے اپنی فوج کی حالت کو ایسی نہ خیال کیا کہ ٹھہر سکتے۔ منجملہ چار توپوں کے تین توپیں اُن کی جاتی رہی تھیں اور اُن کے چار سوانٹ مع کل اسباب دفزانے کے چھن گئے تھے۔ پس ایک توخمہ وغیرہ نہ تھا دوسرے طبیعتیں مایوس تھیں۔ تیسرے ایک تہائی آدمی زخمی تھے۔ اس سے انھوں نے جہاں تک جلد ممکن تھا شکار پور پہنچ جانے کا قصد کیا۔ علاوہ بریں ایسی فوج کو دیکھ کر جو کچھ دن سوئے کہ نہایت زخم اور سرگرمی کے ساتھ روانہ ہونی تھی کہ اپنے محصور بھائیوں کو جو کامن میں تھے نجات بخشے۔ اور اب شکست کی ہر ایک علامت کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ اُن لوگوں کو جن پر ہم شمالی سندھ میں حکومت کرتے تھے۔ ہماری عمدہ حالت کا کوئی قوی خیال نہ ہوتا۔ اس بنید پر پولیسکل افسروں نے خیال کیا کہ یہ امر قریب مصلحت ہوگا اگر میجر کلنیرن اپنی شکست متی اوسع چھپائیں اور ٹھہر جائیں۔ تاکہ اُس درمیان میں اُن کی فوج کچھ دستی پر آ جائے۔ خاص کہ اس لئے کہ اس شکست کے باعث سے لہری اور شکار پور کے درمیان کا کل ملک ڈاکو بلوچیوں کے لئے کھل جائے گا۔

شکست خوردہ فوج کی حالت | مگر مجھے زیادہ دیر تک اس فکر میں رہنا نہ پڑا کہ کس طریقہ کو جو پسندیدہ ہو یا نہیں اختیار کیا جائے گا جانی درہ میں متفرق لوگ آنے لگے جو راہ کے مارے پیٹے تھے۔ اور صورت سے وہ اندر کی برستی تھی جو شکست کی علامت ہے۔ اس کے بعد اصل فوج ایسی حالت میں آئی جو اس سے بہت مختلف تھی جس تیاری سے وہ گئی تھی۔ ایک ہی خیمہ رہ گیا تھا جس میں ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ افسروں میں ایک تہائی لوگ مارے گئے تھے اور جو بچ گئے تھے اُن میں سے کئی زخمی تھے۔ گفتگو جیسا کہ تصور ہو سکتا ہے۔ اسی جنگ کی تھی۔ اُس کی کیفیت

یہ تھی کہ وہ لوگ لہری سے جب روانہ ہوئے تو کوئی امید نہ تھی کہ دشمن مقابلہ کرے گا۔ تین پار منزل تک کوئی دشمن نظر نہ آیا پھر کچھ بلوچی دکھائی دیتے۔ پہاڑیوں کا راستہ نہایت وقت طلب تھا۔ اونٹ چھوٹے لگے اور لچر مر گئے۔ ان کے اسباب معمول کے مطابق دوسروں پر لا دیے گئے جو پہلے ہی سے اپنے بوجھ سے دب رہے تھے اس وقت بل چل چکی کیونکہ دشمن زیادہ نظر آئے۔ اور انھوں نے حملہ کرنے اور آگے بڑھنے سے۔ دیکنا شروع کیا۔ کئی معرکے پیش آئے جن میں سے ایک میں جو افسر پونا کے رسالے کا کمانڈر تھا دو قوی بلوچیوں سے تلوار سے اکیلا لڑا اور دونوں کا کام تمام کیا۔ پھر بھی دشمن 'ا' ہوصاتی ظاہر کرتے گئے اور کچھ اسباب بے گئے۔

آفتاب کی گرمی آن دنوں بھی کہ اگست کا یہ زمانہ تھا اس قدر گرمیڈیرس کی موت زیادہ تھی کہ کئی شخص مر گئے جن میں وہ قادیان افسر گرمیڈیرس

کی پلٹن کا تھا جس نے شکار پور میں داروغہ کو اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا۔ پچھنی فوج کے لانے کا کام اُس کے ذمہ کیا گیا تھا۔ راستہ میں اس قدر بھیڑ تھی کہ آخری توپ ٹھہرنے کی جگہ پر تین بجے کے قریب دن میں پہنچی۔ اُس دن کی محنت سے وہ قوی شخص مر گیا۔ جو کمزور تھے۔ وہ بچ گئے اور وہ شخص جس کا زبردست ہاتھ ایسا تھا کہ ساند کو مار کر گرا دیتا ایک لمحہ میں مر گیا اور کوئی علامت معلوم نہ ہوئی کہ موت نے اُس پر کہاں اثر کیا۔

دوسرے کوچ میں فوج ایک ڈھلوان اور پیچیدہ پہاڑی پر پہنچی۔ دراصل راستہ تو دیا گیا تھا۔ اُس کی چوٹی پر دشمن بہت سے جمع تھے اور کچھ میل کے فاصلہ پر آگے بڑھ کر کاہن تھا۔ نہ بجائے رفتن نہ پائے ماندن ایسی جگہ پر ٹھہرنا جہاں پانی نہ تھا ناممکن تھا۔ اور واپس چلنا جب کہ عزیمت کی غرض قریب حصول کے تھی خیال سے کوسوں دور تھا۔

ایک دستہ تیار ہوا کہ پہاڑی پر دشمن کو توڑ کر نکل جائے اور انگریز سپاہ کی پیش قدمی ان کا راستہ صاف کرنے کے لئے توپیں لگائی گئیں۔ مگر گولے

بہت ہی دُور گرے اور جوہنی چڑھائی کرنے والی فوج جس میں چالیس سوار تھے اور چڑھنے لگی تو اُس پر توڑہ دار بندو توں کی تیز بوچھاڑ پڑنے لگی۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ایسے موقعوں پر توڑہ دار بندوق ٹوپی والی بندوق سے زیادہ مہلک ہے۔ کیونکہ اول تو اس کی گولی دُور تک جاتی ہے اور دوسرے جو لوگ اُن کو چلاتے ہیں وہ بہ نسبت ہمارے سپاہیوں کے عمدہ نشانہ کرتے ہیں۔

قبیلہ مری سے جنگ | سپاہی جلد جلد کام آئے لگے اور جو افسران کو لے جاتا تھا وہ بے طرح زخمی ہوا مگر پھر بھی آگے بڑھتا گیا۔ وہ اور ایک سپاہی مری

دو ہی آدمی پہاڑی کی چوٹی تک پہنچے۔ کیونکہ جس وقت وہ دستہ قریب نصف فاصلہ کے جا چکا تھا مری قبیلہ والے نیچے بڑھے۔ اور جس طرح پہاڑ کا پانی زور شور سے آتا ہے وہ بھی ہر ایک چیز کو اپنے سامنے صاف کرتے چلے گئے۔ اُس دستہ کا ہر ایک افسر بجز ایک کے مارا گیا۔ اور اسی نے دور و زقبل دو بلوچیوں کو ایک مقابلہ میں مارا تھا۔ اب اُس کے زخمی ہونے کی باری آگئی تھی۔ وہ زخمی ہو کر گر پڑا تھا مگر اُس کی جان اُس کے ہندوستانی اردلی نے بچائی جس نے دوسرا وار جواش پر ہونے والا تھا روکا اور حملہ کرنے والے کو گولی سے مار ڈالا۔ اور پھر اپنے افسر کو کھڑا ہو جانے میں مدد دی۔ مگر اُن کا خطرہ پھر بھی باقی تھا کیونکہ ایک قوی بلوچی نے اُن کا تعاقب ویسی ہی زخمی حالت میں پہاڑی کے نیچے اُس مقام تک کیا جہاں کہ پلٹن مری شکل میں بن گئی تھی۔ اُن میں اس قدر قوت باقی رہ گئی تھی کہ وہ ایک توپ کے قریب پہنچ گئے اور وہاں بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ایک گولا انداز انھیں مُردہ خیال کر کے بندوق فیر کرتے وقت اُن کے جسم پر کھڑا ہو گیا۔

قبیلہ مری کی دلیری | جو لوگ پہاڑی پر حملہ کرنے گئے تھے اُن میں سے میں آدمی بھی باقی نہ رہے اور فتح مند بلوچی ایک ہاتھ میں ایک بڑا پتھر اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے ہوئے توپ کے مہرے تک آئے۔ انھوں نے پتھر ہمارے لوگوں کے مُنہ پر

مارے جن کا بیان تھا کہ حملہ کرنے کا یہ طریقہ اس قدر خوفناک ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ مریوں کے ایک مشہور سردار نے واقعی اپنی ڈھال ایک ٹوپ کے منہ پر اس وقت لگا دی جب کہ وہ عنقریب چلنے والی تھی۔ اور اُسی کے ساتھ اڑ گیا۔ اور لوگ سپاہیوں کی بندوبستیں تمام لیتے تھے اور سنگینوں پر گر پڑتے تھے۔ وہ لوگ مثل پاگلوں یا جنگلی جانوروں کے لڑتے تھے۔ اور ہماری فوج کو خطرہ اس قدر زیادہ تھا کہ جو میجر کلینبرن نے لکھا تھا کہ "آخر میں جو قسمت سے گرا آپ کا گولہ مارا گیا تو اُس کے باعث سے کل پنن برباد ہو جانے سے بچی ورنہ اور طریقہ پر ممکن نہ تھا۔"

انگریز فوجی دستہ کا صفایا | جب دشمن ہٹ گئے تو یہی خیال تھا کہ کس طور پر جس قدر جلد ممکن ہو واپس چلیں لیکن لوگ پیاس سے مر رہے تھے۔ رہنماؤں نے بیان کیا کہ پانی قریب وجوار میں مل سکتا ہے مگر گمان غالب ہے کہ یہ انھوں نے دروغ بیانی کی جس کی وجہ کچھ معلوم نہیں ہوئی کیونکہ اگر وہ دشمن کے قبضہ میں پڑتے تو وہ بھی مار ڈالے گئے ہوتے۔ مگر ایک دستہ چشمہ کی تلاش میں گیا جس پر بلوچیوں نے حملہ کیا اور تمام لوگوں کو بھڑ بھاتاؤں کے مار ڈالا۔ اعتبار خاں میجر کلینبرن کے ایک فقرہ کھڑے پر سوار ہو کر گیا تھا اور اُسی پر بھاگ آیا۔ مگر اُس نے اپنے بیان کے مطابق اُس واقعہ کا جو پہلے حملہ کے بعد ہوا تھا قبل اس جماعت کے ساتھ جانے کے فائدہ اٹھایا اور گھوم گھوم کر تمام بلوچیوں کے جو گرے تھے سر کاٹ لئے تھے جن میں ہیبت خاں ایک مشہور سردار تھا جس سے اُس کا جھگڑا چلا آتا تھا۔

بے چارے مرنے والوں کے کپڑوں میں آگ بھی لگ گئی تھی جو مثل بارود کے جلتے تھے اور اس سے ان میں اور بھی تکلیف تھی۔ جب میجر کلینبرن نے دیکھا کہ جو جماعت پانی کے لئے گئی تھی واپس نہ آئی تو اُس نے اگلے دن ٹھہرنے کی جگہ پر چلنے کا حکم دیا۔

انگریز فوج کا تعاقب | اُدھر جاتے وقت اور چار دن لہری پہنچنے تک ہماری فوج کا تعاقب

کیا گیا۔ جوارگ چھوٹ گئے تھے وہ مارا لے گئے اور باقی اسباب چھین لیا گیا۔ جاتی درہ میں بھی ان کی جان نہ بچی۔ جس وقت ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے ایک سپاہی اندر گھس آیا جس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تھا۔ اُسے اُسی وقت زخمی کیا تھا۔ وہ خیمہ کو دسے دو چار سو گز کے فاصلہ پر گیا تھا کہ دو تین بلوچی اُس کے سر پر آ پہنچے۔ وہ بھاگا اور جوں ہی اُس نے اپنا سر بچانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ایک نے ایسی تلوار ماری کہ ہاتھ دو ٹکڑے ہو گیا۔ تلوار کی تیزی کا یہ ثبوت کافی تھا کہ زخم میں ذرا بھی ناہمواری یا کجی نہ تھی۔ وہ بے چارہ نہایت تکلیف میں تھا اور ہم لوگ سب باہر نکل پڑے کہ دیکھیں بلوچی کیا ہوئے۔

کئی آدمی جو ہمارے آس پاس تھے، سوار ہو کر جوار کے کھیت کے کنارے کنارے گئے۔ مگر کوئی ڈاکو نظر نہ آیا اور وہ فوراً واپس آئے۔ انسان ایک جننے والی مخلوق ہے۔ چنانچہ بلوچوں اس شکست کے ہم لوگ ڈاکٹر صاحب پر بہتے تھے جنھوں نے نفشک میں چند گولہ اندازوں کے مرجانے پر ایک توپ کے بھرنے میں نہایت مردانہ اعانت کی۔ انھوں نے نہایت زور کے ساتھ پھیلی بارود وغیرہ کی گزت توپ میں بھر دی۔ لیکن ہزار قوت دکھائی مگر گز باہر نہ نکلا۔ یہ وقت غنیمت تھا کیونکہ بلوچی پھر حملہ کرنے والے تھے اور توپ کے قریب آ چکے تھے۔ ڈاکٹر نے بے انتہا کوشش کی۔ لیکن گز ڈالنا تک نہیں۔ جو افسر اُسے فیر کرنے والا تھا اُس نے بہ آواز بلند کہا کہ "اُسے نکال لومیاں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "میں اسے نکال نہیں سکتا۔" اُس نے کہا "تو اچھا اپنی خبر لو۔" ورنہ ڈاکٹر کو ایک طرف رہنے کا موقع مشکل سے ملنے پایا تھا کہ توپ چل گئی اور گز اور جو لوگ ان کے قریب آ گئے تھے سب اڑ گئے۔

دوسرے دن کلینبرن کی فوج جاتی درہ سے شکار پر کورڈا میجر کلینبرن کے خلاف تحقیقات

ہوتی۔ چند لوگوں کو شاید سپاہی نہ تھے، راستہ میں ایک بڑا ذخیرہ بیر شراب کا ملا۔ جو پھولا جی اور لوزا ریگستان کے دوسرے محصور مقامات کے متعینہ پیا سے لوگوں کے لئے جارہا تھا۔ انھوں نے سڈنی کے اعمول کے خلاف عمل کر کے

اور یہ سمجھ کر کہ میری ضرورت تیری ضرورت سے زیادہ ہے: جس قدر شراب تھی بمیائیوں کے لطف اور شکوری کے ساتھ لندھائی۔ قسمت سے میرے پاس بیر نہ تھی ورنہ میری ذرا بھی شاید اسی طرح چلی جاتی۔ اس طور پر کاہن کی رہائی کے لئے ہماری کوشش کا یہ نچا ہوا۔ میجر کلینبرن کی نسبت تحقیقات باضابطہ کی گئی۔ امدان کی رائے کی نسبت مجوزین نے کسی قدر نہایت مخالف فیصلہ کیا۔ اُن لوگوں سے دوبارہ غور کرنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اس طرح میری رائے میں سب نامنصفانہ طور پر غلطی میں پڑے۔ میں یہی کہوں گا کہ خوش قسمتی سے کوئی پولیٹیکل افسر ساتھ نہ تھا ورنہ تلویلو کی بلا بندہ کے سر ہوتی۔ اس غریب کو اس بدنامی کا بار اٹھانے کے لئے جو اُس کی نسبت عامہ کی جاتی بڑی قوت درکار ہوتی۔ ریگیڈ میجر فلاں نے اس قدر منہ بنا کر جس سے اُسے خود تکلیف ہوتی کہا ہوتا کہ یہ انھیں بد معاش پولیٹیکل افسروں کے باعث ہوا: جیٹن فلاں نے اس میں اُن میں اُن لاتی ہوتی اور کل فوج میں ایک ناموزوں شور و غل مچا ہوتا کہ انھیں بد معاش پولیٹیکل افسروں کے باعث ہوا۔

واقعی مجھے تو ایک حسرت کا خیال آیا جو اپنے موضع کے کسی دین دار شخص کو بیمار یا پریشان حال یا کسی حادثہ میں مبتلا دیکھ کر ایک فقرہ ایسے موقع پر یہ کہا کرتے تھے کہ "یہ سب اسی نامعقول مذہب کا باعث ہے۔"

جانی مہ سے چلنے کے پیشتر میرے پاس رحمان ڈاکو آیا جو اس وقت برڈی قبیلہ کا حملہ لنگی پہنچے تھا اور ہماری ملازمت میں عارضی طور پر نیک چلن ہو گیا تھا۔ چونکہ میں نے دیکھا کہ اس کی مشکلی گھوڑی ساتھ ہے۔ میں نے دو ایک دن کے لئے عارضی طلب کی۔ اُسے یہ درخواست نہ بھائی مگر وہ راضی ہوا اور دوسری مرتبہ جب میں سوار ہوا تو وہی گھوڑی میری سواری میں تھی۔ وہ ایک نہایت قوی مادیان تھی اور اس میں شک نہیں کہ بہت دور تک دھاوے کر سکتی تھی۔ لیکن اُس کے قدم اچھے نہیں پڑتے تھے اور اُس میں

ایک بد نما عادت رُک جائے اور ایک جانب سر کر کے گویا کان لگا کر سُن رہی ہے۔ استادہ ہو جانے کی تھی اور جب تک وہ اپنی طبیعت بھر نہ لیتی تھی آگے نہ بڑھتی تھی۔

رحمان کو اُس کے واپس پانے کی بڑی فکر تھی اور اس سے فریب کرنے کی گفتگو ہی روا نہ رکھتا تھا۔ پس میں نے اُسے گھوڑی واپس کر دی اور وہ فوراً ہی تعجیل کے ساتھ چلا گیا۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ دوسرا دن وہ اور دوسرے بڑی ڈاکو ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کر چکے تھے۔ جسے اُن لوگوں نے انجام کو پہنچا یا اور بہت سے مویشی لے گئے۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ وہ بد معاش اپنے جانور کے لئے اس قدر متروک تھا۔ جن گھوڑوں پر دیسی لوگ سوار ہو چکے ہوں انھیں یورپین کم پسند کرتے ہیں۔ وہ لوگ اُن کے منہ اور قدم خراب کر ڈالتے ہیں اور اُن کو اچھل کود کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ نمائش ظاہر تو اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر سوار کی اس میں موت ہے۔ تا وقتیکہ وہ دیسی سواروں کی چوہنی زمین کے عادی نہ ہو چکے ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے اُس بے حد اچھل کود سے جو ایک نوجوان اور وجیہ افغان سوار اپنے گھوڑے کا دکھا رہا تھا بہت عورت ہوئی۔ میں نے چنانچہ ویسا ہی خیال کیا کہ میں بھی اسی طرح آزمائش کروں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ لگائی اور گھوڑے کی ہاگ کھچی ہوئی رکھی۔

لیکن دو یا تین جست کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ میری زین برگ گل یا مغل کی نہیں ہے۔ چنانچہ گھوڑے کو روکنا چاہا مگر اُسے یہ دل لگی زیادہ پسند آئی اور جس قدر میں اُسے روکتا تھا وہ اور زیادہ اُچھتا تھا۔ ایک نہایت ہی باریک شب خواہی کا پابامہ میرے جسم اور ایسی سخت لکڑی کے بیچ میں مائل تھا جو انسان نے کبھی دوسرے انسان کی آرام بلکہ تکلیف دہ بے آرامی کے لئے بنائی ہوگی۔ آخر کار جب میں گھوڑے سے اُترا تو میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ ایسے زمین سے ضا بجھے اگر انسان فولاد کا بنا ہو تو اس پر بیٹھ سکے۔

برد ہی قبیلہ کے حملہ کا خطرہ | جب میں روجان سے چلنے والا تھا تو میرے پاس ایک خط درڑوں نے لکھ ہوا رسالہ کا ایک افسر اور بات میں نعمیات تھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ برد ہی قبیلہ والے بڑی جماعت سے گندواورے سے اتر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ کئی ہزار سوہرا اور بڑی بھیڑ پیدلوں کی ہے۔ روجان جس کا تلفظ ذرا بگاڑ کر کہنے سے روجان یعنی جان جائے ہو سکتا ہے میں ایک دن ٹھہرا تا کہ کنوؤں صاف کرادوں۔ جیسا پانی اُس میں تھا اُس کی گندگی پر ناب والوں کے پانی کو بھی رشک ہوتا۔ جب وہ ایرانی پکر کے دوریہ سے باہر نکلا گیا تو اُس کی بدبو سے کوئی قریب نہ جاسکتا تھا۔ شاید کئی جانوروں کی لاشیں جو اُس کے اندر سے برآمد ہوئی اُس بدبو کا باعث تھی۔ جس کے سبب سے اُس کے قریب جانے کی تمام کوشش بیکار جاتی تھی۔ مگر چوبیس گھنٹوں تک لگاتار نکالنے کے بعد پانی کی بدبو اور اُس کا پہلا ہرانگ دفع ہو گیا۔

جمالی قبیلہ کے سردارے گفتگو | میں نے کچھ باتیں جمالیوں کے سردار سے کیں جو روجان میں رہتا ہے۔ اُس کا بیان تھا کہ اُس کے قبیلہ کو بے ڈھب طور پر چکر بگتیوں نے ایک شبخون میں مارا اور خود اُس کو کئی زخم لگے۔ دوسری شب کو میں ریگستان سے گذرا جو بالکل سخت اور مسطح تھا اور رہنا نہ ہوتے تو سمندر کی طرح یہاں بھی قطب نما کی ضرورت پڑتی۔ روجان سے کچھ فاصلہ پر ایک سید کا مزار ہے وہی ایک نشان تیس میل کے فاصلے میں ہے۔ جس وقت ہم لوگ قریب نصف راہ کے ریگستان سے گذر چکے تھے ہم لوگوں نے چنگاریاں اڑتی ہوئی دیکھیں جن سے معلوم ہوا کہ توڑے دار بندوقیں قریب ہیں۔ میرے جمالی قبیلہ کے رہنما آگے دیکھنے بھاننے کے لئے گئے۔ لیکن پھر فوراً لوٹ کر آئے اور کہا کہ دو افغان سیاح جاتے ہیں۔ جب ہم لوگ اُن کے پاس تک پہنچے تو دیکھا کہ اُن لوگوں نے اپنے اونٹوں کو

بٹھا رکھا ہے اور بندو تون کو ان پر ٹیکے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ استادہ کئی بلوچی ڈاکو ہمارے قریب آگئے تھے کہ تم لوگوں کے آجانے سے سن۔
گئے۔ اور ان لوگوں نے ہماری جماعت کے ساتھ چنے کی اجازت ب کرنے کی گفتگو
نے بہ خوشی دے دی۔

موضع برشوری میں قیام | قبل صبح ہونے کے ہم لوگ برشوری پہنچے جو ایک نہایت
ای ذلیل موضع ہے اس کے نام کے معنی "قریب نمک"

کے ہیں اور یہ اسم بامسمیٰ ہے۔ کیونکہ واقعی وہاں کا پانی شور ہے۔ مگر یہاں بھی ایک
سردار رہتا ہے جس کا اصول یہ ہونا چاہیے کہ "دوزخ میں شاہی کرنا جنت میں
خدمت گاری کرنے سے بہتر ہے۔" کنوؤں کا حال دریافت کرنے پر مجھے چند ذلیل غار
دکھائے گئے جن میں ایک یا دو فٹ پانی تھا۔ اور نیچے کھودنے سے اس تہ کے پار
پہنچ جاتے جس پر پانی تھا ہوا تھا۔ اور اس طور پر وہ ذخیرہ بالکل ضائع ہو جاتا۔

سندھی ٹوپی پہننے کا انجام | میں نے ایک بنگلہ کی تیاری کا حکم دیا۔ اور ایک جھونپڑی
کے نیچے اس قدر رعب و اب سے اصل سندھی پوشش

سر کی پہنے ہوئے بیٹھا جس قدر ممکن تھا۔ یہ ایک شہسوار سی ٹوپی تھی جس کے اندر
اوپر کی جانب خوب روئی بھری ہوئی تھی۔ اور ملل کی ایک پگڑی تقریباً بنیں گئے
لمبی اس کے گرد لپیٹی ہوئی تھی۔ تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا میرا دماغ پک رہا ہو
اور پسینہ برابر ہر ایک رونگٹے کی جڑ سے نکلتا تھا۔

برشوری میں عمارت کی تعمیر | میں نے چند کاریگروں کو عمارت کے بنانے کے لئے
چھوڑ دیا اور اس عمدہ جگہ کو جہاں ایک گھنٹہ کا ٹھہرنا

برسوں معدوم ہوتا تھا چمڑا۔ گران ویرانے مقامات میں بھی سبزہ اُگ سکتا ہے۔ بشرطیکہ دریائے سندھ سے نہر نکال دی جائے۔ پہلے زمانے میں واقعی دو بڑی بڑی نہریں موجود تھیں۔ ایک جس کا نام مہر واہ تھا حیدرآباد سے علاقہ رکھتی تھی اور دوسری جس کا نام مرا واہ تھا وہ خیروپور کے امیروں کی ملک تھی۔ رفتہ رفتہ قابلِ مرمت ہوتی گئیں اور ملک کی اہتر حالت سے ان کا از سر نو قائم ہونا موقوف رہا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے یک خط اپنے افسر بالا کو روانہ کیا جس میں ان نہروں کی حالت اور جس سمت سے وہ گزری تھیں اور اُن کی مرمت کی تجویز درج تھی۔ جو بلوچی میرا خطے جانے والے تھے انھوں نے مجھ سے روپیہ بھگ خریدنے کے لئے مانگا کیونکہ اُن کا قول تھا کہ ہم لوگ ریگستان کا سامنا بغیر کسی نشہ کے جو ہماری ہمت کو قائم رکھے نہیں کر سکتے۔ میں نے انھیں نقد دیا۔ اُس وقت اُن لوگوں نے کہا کہ اب ہم راستہ بھرا لپتے جائیں گے۔

برشوری سے روانگی | برشوری سے روانہ ہونے پر میں ریگستان میں بارہ میل چل کر میرپور پنہا۔ میں نے راستہ میں بجز دو انسانوں کی دو کھوپڑیوں اور چند سمار موضوعوں کے اور کچھ نہ دیکھا۔ میرپور قدیم ایک بہت بڑا گاؤں ہے مگر زیادہ تر ویران ہو رہا ہے۔ اُس میں ایک باغ عمدہ درختوں کا ہے جس کے مایہ میں میں نے اپنا نیمہ استادہ کیا۔ جس وقت نہایت ہی گرم رات کے گزرنے پر میری آنکھ کھلی تو مجھ سے لوگوں نے کہا کہ ایک گروہ سواروں کا آ رہا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ یہ بروہی قبیلے کے لوگ ہیں اور اگر وہ لوگ ہوتے تو میں نے چار سپاہیوں اور اسی قدر سواروں سے اُن کا خفیف مقابلہ کیا ہوتا۔ مگر ظاہر ہوا کہ باغ کا قاضی اسی آدمیوں کے ساتھ وارڈن کا فرستادہ آ رہا ہے جس نے سخت التھاک ہے کہ جو کچھ فوج جمع ہو سکے اُس کے ساتھ پہنچوں، کیونکہ بروہی قبیلے والے کئی سرداروں کی ماتحتی میں باغ سے چند ہی

منزل پر ہیں۔

مجھے اپنی فوج کو جس میں کل نوٹے آدمی تھے۔ دیکھ کر خواہ مخواہ ہنسی آئی۔ قاضی بھی اس قدر کمک کو دیکھ کر نہایت افسردہ ہوا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھ کر آیا تھا کہ کم سے کم میرے ہمراہ نٹو آدمی ہوں گے۔ دراصل ہمارے افسر بالائے جو کبھی بغیر کئی سو سواروں اور پیدلوں کے ایک میل کا سفر بھی نہیں کرتے تھے۔ مجھے صرف ایک حوالدار کی جماعت کے ساتھ محفوظ تصور کر لیا تھا۔ ہر چند کہ میرے پاس کئی ہزار روپے کا رگیدوں کو دینے کے لئے تھے میں نے فوراً بروہی قبیلے کی چڑھائی کی اطلاع سکھ اور سرخانہ بھیج دی۔ اور قاضی کے ساتھ باغ کو روانہ ہوا۔ ہم لوگ ایک موضع میں ایک گھنٹہ میں پہنچے جس کا نام قاسم کا جھوک تھا۔ اور شاہ کی کانٹھٹ فوج کے ایک افسر کاؤرنگٹن نے بہت خوب کہا کہ وہ جگہ قاسم کے لئے دل لگی کی ہو تو ہو مگر میرے لئے کوئی دل لگی نہیں ہے کیونکہ رسد کیاب ہے۔ اس گاتوں کا مالک اوزر میندار قاسم خاں ہم سے ملنے آیا۔ یہ ایک خوش رو جوان تھا جس کی سیاہ ڈاڑھی بہت عمدہ تھی۔ اس کے ساتھ محمد خان آبرا آیا جو ایک نیک مزاج شخص کسانوں کی دشت کا تھا۔ اسے میں نے اپنا خیمہ بالفعل سونپا۔ شب کو دو بجے ہم لوگ باغ پہنچے۔ اور اس درمیان میں منجملہ ان دیسی سواروں کے جو قاضی کے ساتھ میرپور میں آئے تھے فقط وہی رہ گیا اور بقیہ کسی نہ کسی حیلہ سے چل دیئے۔

جس وقت ہم لوگ شہر کے پھاٹک کے قریب پہنچے تو باغ میں درون سے ملاقات | قاضی کو خیال آیا کہ ایسے بے وقت آنے پر ایسا نہ ہو کہ

۱۱ انگریزی میں لفظ جوک کی معنی مذاق یا دل لگی کے ہیں۔ ۱۲

۱۳ یہ ابرا لوگ کاشتکار اور نہایت صلح پسند گولانداز کے ہیں مگر سرچارلس نیپئر کو جو پھر خبر میجر کلینبرن نے دی ریلویک صفحہ ۴۴۲ ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے مقابل میں پانچ ہزار آدمی لے کر آئے والے ہیں۔ ۱۲

سازش کرنے کے لئے مشہور ہو رہا تھا۔ اس معقول خبر کے سننے پر میں نے یہ تجویز کی کہ ہم لوگ شہر کے خاص خاص سرداروں کو بلا کر ان کی رائے دریافت کریں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ایک مجلس شوریٰ بلائی اور وہاں کے برغنوں نے جن میں غلام بنی مغیری اور حیدر خاں ابراہیم خاص لوگ تھے صاف صاف کہا کہ اگر ہم لوگ اُس جگہ پر قبضہ رکھ سکیں تو بہتر ہے ورنہ وہ لوگ خان قلات سے ضرور صلح کر لیں گے۔ کیونکہ ان کی جائیداد تلف ہو جائے گی اور خود ان کی زندگی پر حرف آئے گا اگر ہم لوگ انہیں نہ بچ سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کے خیالات ہماری جانب سے پختہ تھے۔ لیکن انہوں نے ہمارے شرف کو دیکھا اور محمد شریف کی بد ذاتی کو خوب جانتے تھے کہ وہ بروہیوں کو دروازہ کھول کر بہرہ ور دستوں کے بلائے گا۔

مقامی باشندوں کی عداوت۔ مقامی باشندوں کی عداوت کا ثبوت چند روز قبل ہو چکا تھا۔ ایک حوالدار اپنی جماعت کے ساتھ وہاں آیا تھا جس وقت وہ شہر میں گھوم رہا تھا کسی شخص نے پیچھے سے آکر اُس کا سر کاٹ لیا جو کئی گز کے فاصلہ پر اُس کے جسم سے پڑا ہوا تھا۔ بروہیوں کی بغاوت کی اس قدر کم امید تھی کہ مجھے گندوا میں ایک کنواں انہیں ایام میں کھودنے کا حکم ہوا تھا جس وقت کہ کمال ناں کی فوج نے اُس پر قبضہ کیا۔ چونکہ باغ میں ہمارے پاس بہت بڑا ذخیرہ غلہ کا تھا۔ اس لئے اُس شہر کو محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ اس لئے رات ہوئی کہ میں اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کو درون کے ساتھ چھوڑ کر پھولا جی کو جو قریب تھا جوں اور وہاں سے کچھ مدد لانے کی کوشش کروں اور چاہے کامیاب ہوں یا نہیں درون کے اندر باغ کو واپس آؤں۔

باغ سے روانگی۔ باوجودیکہ میں رات کو چلنے کے باعث تھک رہا تھا پھر بھی ایک ساندنی پر سوار ہوا اور پھولا جی چلا۔ ریگستان کے اٹھارہ میل

ٹے کر کے میں چاچہ پاپی یہ موضع دریائے لہری پر واقع ہے۔ اور اس کے ارد گرد
 ہوا۔ ی کی فصل کوسوں تک لگی ہوئی تھی۔ وہاں سے میں ورتہ گیا جو مشہور بجرخان
 دلی کا گاؤں ہے اور جو بعد کو اس نے مشہور ہوا کہ اس کا قبیلہ سرچارلس سٹورٹ
 نے کیا تھا۔ گزرا اس وقت سکھر میں قید تھا۔ چارمیل اور چل کر میں نیہ میں پہنچا۔
 یہ ایک قلعہ دیکھوں کا ہے جس میں بجرخان کے عیال و اطفال رہتے تھے۔ میں یقین
 کرتا ہوں کہ میرے لئے یہ اچھا ہوا کہ میں بلوچیوں میں بدنام نہ تھا کیونکہ اس وقت
 حسب انتظام اسی اونٹ پر ہوا۔ قلعہ بجرخان سے مطیع ہونے پر لیا گیا تھا
 اور تنہا تھکا ہوا اسی رات کو اس کے قبیلے کے قلعہ میں پہنچا۔

مبارک خاں سے ملاقات | بجرخان کا بیٹا وزیر خاں اور اس کا بھائی مبارک
 میرے پاس آئے۔ اور ان کے ساتھ ایک یا دو درجن

ان کے بلوچی آدمی تھے۔ انھوں نے فوراً اونٹ کو پہچان لیا اور اس کا نام لے کر پکارا
 اور وہ مجھے بھی خوب جانتے تھے کیونکہ جب وہ شکار پور ہو کر گئے تھے تو میں نے کئی
 بار ان کی دعوت کی تھی۔ اسی وقت انھوں نے ایک بھیڑ اور شراب منگوائی۔ او
 ہم لوگ ایک عمدہ عشاء کھائے گئے۔ یہاں بھیڑ میں بہت عمدہ اور نہایت فریب ہوتی
 ہیں جن کی دم بڑی ہوتی ہے۔

ہم لوگوں میں تشنگ کی لڑائی کی گفتگو ہوتی رہی اور ان لوگوں نے مجھ سے
 کہا کہ اس علاقے کے تمام بلوچی مریوں کی مدد کے لئے گئے ہیں اور انھوں نے جنگ
 میں شرکت کی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کتنے لوگ کام آئے انھوں نے بیان کیا کہ
 دو سو انگریز اور انٹی بلوچی۔

نقریباً ایک گھنٹہ استراحت کرنے کے بعد میں پھر روانہ ہوا اور مبارک خاں
 میرے ساتھ جنگل کے چھ میل طے کر کے پھولا جی تک گیا۔ یہ ایک اچھا موضع مری

اور گنتی پہاڑیوں کے دامن سے قریب ہے۔ یہ پہلے قاتروں نے ہماری ملازمت کی اور اجڑ
اس کے پھولاجی اور قرب و جوار کے اضلاع واپس پائے۔

گنڈوا کا تاراج | باغ سے پھولاجی تک کی لمبی مسافت میں کچھ پورا وقت حالت موجودہ
غور کرنے اور اس کے سوچنے کا ملاکہ اب کیا کرنا چاہیے۔ حالت یہ تھی۔

سکھر کے ختام کو اب تک لاٹھی اُس ٹوفان کی بربت تھی جو اس قدر قریب تھا کیونکہ میر
خطوط آن کو نہیں ملے تھے۔ بددی قبیلے والے دو بڑے بڑے دستوں میں کچھ پر اثر رہے تھے۔
جو کمال خان کی ماتحتی میں تین یا چار ہزار کی تعداد میں تھے اور گنڈوا میں پہنچ گئے تھے اور اُس
نے اُسے لوٹ لیا تھا اور جو نصیر خاں کی ماتحتی میں پانچ یا چھ ہزار کا تھا وہ اب بھی کئی منزل
دور سے تھا۔ تین منزل کے بعد کمال خان باغ میں پہنچ گیا تھا۔ اُس کے مقابلہ کے لئے
کوئی فوج وہاں بجز چند بے بقاعدہ سواروں کے نہ تھی اور وہاں کو حاکم محمد شریف خاں
برہمپوں سے ماہوا تھا۔ باغ پر قبضہ کرنے سے کمال خاں نے غلہ کے ذخیرہ پر قبضہ پایا ہوتا
اور داور دونوں جانب کی درمیں پڑ جاتا۔ اس کے علاوہ اس نے کچک کے لوگوں اور مری اور
گنتی پہاڑیوں کے بلوچیوں سے سلسلہ خط و کتابت جاری کر لیا ہوتا۔

باغ کی تاراجی کا خطرہ | یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ اُس وقت داور ہمارے ہاتھ سے
نکل جاتا۔ اور ہماری فوج کام آجاتی، کیونکہ اگر اُس کو کسی قدر
وقت نصیر خاں کے مقابلہ میں تھی تو کیا اُس کا اس وقت سامنا کر سکتی تھی جب کہ اُس کے
شریک کئی ہزار آدمی اور ہو جاتے اور جیسی کچھ تو ہیں باغ میں تھیں وہ ان کے ہاتھ آتیں۔
میرے نزدیک یہ بات مناسب معلوم ہوتی کہ جس قدر زبردست فوج ممکن ہو۔ باغ
کو لے چلوں اور پیدلوں کو وہاں چھوڑ کر جس قدر سوار ہو سکیں ان کے ساتھ برہمپوں پر گنڈوا
میں چڑھائی کر دوں۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے افسر بالست کچھ ہدایت نہیں ملی تھی۔ لیکن اگر میں
حکم کا انتظار کرتا تو قبل اس کے کہ کوئی حکم آتا باغ لٹ جاتا۔

مجھے خاص خاص زمینداروں سے مدد کی امید تھی مثلاً حیدر خاں ابرا اور امام بخش نند اور غلام حیدر منیری اور احمد خاں منیری جو مجھے کئی سو سواروں سے مدد دیتے بلکہ دشمن کی ہر ایک نقل و حرکت سے مطلع بھی کرتے رہتے۔ ان کی وفاداری کی ضمانت یہ کس قدر تھی کہ ان کی اراغیات اور فصل استادہ اس وقت محفوظ تھی۔ لیکن اگر کئی ہزار بلوچی سوار آپڑتے تو بالکل ضائع ہو جاتی۔ ہم لوگوں نے ایک ہزار سوار ہر قسم کے جمع کرنے ہوتے جو کمال خاں کو پہاڑیوں میں بھٹکا دینے کے لئے کافی تھے اور اُس وقت داور کی فوج کو حملہ کرنے کے قابل کر دیا ہوتا بجائے اس کے کہ وہ اپنے ذخیرے کا نقصان کرتے جو اس کے سامنے چلایا گیا۔

جوہنی میں پھولا جی پہنچا تو دو سو پیدل اور اسی قدر سوار لہری **ایک فوجی دستہ کی کمک** جاتے ہوئے لے اُن سے مجھے معلوم ہوا کہ ایک بازو پیدلوں کا اور دو توپیں اور کچھ سوار بہت جلد دادر کو جانے والے ہیں مگر مانع ہو کر نہ جائیں گے کیونکہ جو بلا اُس پر آنے والی تھی اُن کی کچھ کیفیت لوگوں کو معلوم تھی۔ میں نے لہری جانے اور وہاں کے کمانیر کو باغ کی طرف سے جانے پر آمادہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں پہنچ کر ہم لوگوں کو کافی وقت بروہیوں کے لئے جو گنڈوا میں تھے کسی تدبیر کے کرنے کا بہت عرصہ قبل اُس کے ملتا جب کہ دادر میں امداد کی ضرورت ہوتی۔ کیونکہ دراصل اٹھارہ دن گزرنے کے بعد نصیر خاں نے دادر پر حملہ کیا۔

لہری جانے کے قبل میں نے بھر خاں اور بی برگ سے ملاقات **بی برگ اور بھرت ملاقات** کی جو پھولا جی اس لئے لائے گئے تھے کہ وہ جلد رہا کر دیئے جائیں گو کہ اب بھی وہ حراست میں تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور دیر تک ہم لوگ تمام امور پر جو حال میں ہوئے تھے گفتگو کرتے رہے۔ بی برگ ایک عرصہ تک قید رہنے سے نہایت بے صبر ہو رہا تھا اور صاف صاف اُس گھڑی کو کوستا تھا جس دن اُس نے اطاعت کی تھی۔ مگر بھر جو زیادہ تنہیب کا مہوار تھا صرف اس قدر کہنے لگا کہ افسوس

صاحب! اگر میری قسمت میں آپ کے بھائی کا مطیع ہونا ہوتا تو انھوں نے ہمارے ساتھ دوسرا برتاؤ کیا ہوتا اور ہم لوگوں کو انھوں نے انگریزی سرکار کا دوست بنا لیا ہوتا۔ پیدلوں کے افسر میں خود میرا ایک رشتہ دار تھا۔ اور باتوں کے ذکر میں کجک کے قلعہ کا بھی ذکر آگیا۔ میں نے کہا کہ۔ وہاں ایک اچھا معرکہ پیش آئے گا۔ وہ کہنے لگا کہ۔ تو بھئیجے یہ لوگ ہماری توپوں کے مقابل کیا کر سکتے ہیں وہ کبھی لڑنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ میں نے اس سے کہا کہ۔ وہ ضرور لڑیں گے یاد رکھو۔ اور میں رخصت ہوا۔ دو مہینے نہیں گزرے تھے کہ یہ لڑاکا مارا گیا جس وقت وہ دلیری سے کجک پر حملہ کرنے والوں کی پیشوائی کر رہا تھا۔ یہ حملہ گو کہ تین بار کیا گیا مگر ہر بار شکست ہوئی۔

لہری پنہنے پر مجھے وہاں وہ فوج ملی جو اتنے غصہ تک کاہن میں محصور مری قبیلہ کی اعلیٰ ظرفی | رہ چکی تھی اور جو کچھ ان کے ساتھ برتاؤ مری قبیلہ والوں نے کیا۔

اس کے حالات سن کر مجھے ہنایت لطف آیا۔ اس عالی ظرف قبیلہ نے صرف ہماری فوج کو بے روک ٹوک چلے ہی نہ آنے دیا بلکہ میرانی کے ساتھ رحم بھی کیا۔ جب سپاہیوں میں ایک شخص تھک کر گر پڑا تو مری رہنما اُسے اپنے ٹو پر سوار کر کے لے آیا۔ سردار دودلے یہ قابل یادگار پیغام دہاں کے کمانیر کے پاس بھیجا تھا کہ۔ صاحب سے کہہ دو کہ جتنے لوگ مریوں نے قتل کئے وہ لڑائی میں مارے گئے۔ رہا بھیر دزخمی و قیدیوں کا مارا جانا اس کے ذمہ دار بگتی فرقتے والے ہیں۔ ہم نے اپنے ہاتھ ایسے لوگوں کے خون سے نہیں رنگے جنھوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ بہادر اور جری لوگوں میں مریوں کو جو اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے برابر رتبہ نہ دے وہ منصف مزاج مورخ نہیں ہے۔ ان کی عورتیں بھی اس جنگ کی ہمت کھتی ہیں۔ وہ زخمیوں کے لے جانے میں مدد دیتی ہیں اور سخت معرکوں میں جہاں یہ قبیلہ زیادہ گھر گیا ہے انھوں نے لڑائی میں شرکت کر کے اثر پیدا کیا ہے۔

مری قبیلہ کی دلیر خواتین | جیسا کہ بلوچیوں میں قائم ہے ہر شخص کے ایک ہی زوجہ ہوتی

ہے اور اُن کی پاک دامنی ضرب المثل ہے۔ اگلے زمانے میں جب افغان شکستہ پور میں واقع تھے ایک گورنر نے متواتر کوشش ایک مری بلوچی کی بیوی کو پھنسانے کی جس نے اُس کے یہاں نوکری کر لی تھی۔ جب دیکھا کہ زر کا طبع دکھانے سے کام نہیں چلتا تو اس نے خاندان کو کہیں بھیج دیا۔ اور تن تنہا اُس کے مکان پر زبردستی کی کارروائی کرنے کے لئے گیا جب شام ہوئی تو گورنر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس کی تلاش شروع ہوئی اور آخر کار اُس کے ملازموں میں سے ایک شخص جو اپنے آقا کے عشق سے واقف تھا اُسی مکان پر گیا۔ اُس نے کنڈی بلائی مگر صدائے برنخاست۔ آخر الامر اُس نے دروازہ توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ گورنر کے منہ میں کپڑا ٹھونسنا ہوا ہے اور ہاتھ پیر بندھے ہیں۔ اور اُس نے اس قدر مار کھائی ہے کہ بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ بات ٹھیک نہ معلوم ہوئی کہ یہ واقعہ کیونکر ہوا۔ لیکن کسی طور پر یہ سننے میں آیا کہ وہ عورت اپنے عشق سے تنہا زبردست نکلی اور خوب زور و کوب کرنے کے بعد اُس نے اُس رشتہ محبت کے بدلے دوسری رمی سے باندھ دیا اور اپنے خاندان کے پاس چل دی جو پھر شکا۔ پور لوٹ کر نہ آیا۔

جب میں نے فوجی افسرانے سے یہ کیفیت بیان کی تو اُس نے میری چاچڑ میں قیام رائے کی معقولیت کو فوراً دریافت کر لیا اور باغ کی جانب روانہ ہونے پر راضی ہوا۔ ہم لوگ اُسی رات کو روانہ ہوئے اور ڈھالی بجے شب کو چاچڑ پہنچے یہاں ہم لوگوں نے قیام کیا اور میں نے ایک جوار کے کھیت میں آرام کرنے کا افتخار حاصل کیا جہاں گنبد نیلگوں میری مسہری تھی جس سے پھر بے طرح آتے تھے اور میرا چنہ بہتر تھا۔ میں سردی سے ٹھنک کر اٹھ بیٹھا اور ایک خیمہ میں مٹھہ ہاتھ دھونے کے لئے تولیہ لینے گیا۔ اُس کے ایک نے کہا کہ "تولیہ چاہیے بہت بہتر! ارے کوئی آدمی تولیہ لاؤ۔" تو کرتے اپنے آقا کی شان کے لئے بڑی جستجو کی۔ میرے دوست نے پھر پوچھا کہ "او آدمی کیا کر رہا ہے؟" تولیہ کیوں نہیں لاتا؟ اس نے جواب دیا کہ "صاحب ایک ہی تولیہ ہے اور وہ آپ کے پاس ہے۔"

دوسرے دن ہم لوگ باغ پہنچ گئے اور چونکہ کچھلے چستیں گھنٹہ میں
بروہیوں کی پیش قدمی میں نے ایک سو بیس میل کی مسافت سواری پر سڑکی کی تھی مجھے

آرام ملنے سے مسرت حاصل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پہنچ جانا موقع سے ہوا کیونکہ بروہی گنڈوا
 سے کبھی کے جنوب میں تمام جگہ پھیل گئے تھے اور ان کے سواروں کے گروہ باغ سے چند
 میل کے فاصلہ پر نظر آتے تھے۔ محمد شریف حس کا برتاؤ نہایت ہی اچھا اُس وقت ہوا تھا
 جب میں دور و زقبل وہاں گیا تھا اُس وقت بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ مجھے ناشتہ کئے
 وہ نہ دئی تھی کہ دور سے بہت کچھ گردوغبار نظر آیا۔ ہمارے سوار اس طرف دیکھنے کو گئے
 اور توہیں فوراً کسی قدر بلند مقام پر پہنچ کر لائی گئیں جہاں ایک برج تھا اور ہمارے ساڑھے
 تین سو پیدل سپاہی تھے۔ وہ محض جھوٹا خطرہ نکلا اور صرف اس قدر ہمارا نقصان ہوا کہ
 الف خاں کا چھوٹا بیٹا گھوڑے پر سے گر پڑا جس سے اُس کا ہاتھ اکھڑ گیا۔ وہ محض لڑکا تھا اور اُس کا
 باندھل لڑکیوں کے گواہ اور اسی قدر کمزور بھی تھا۔ مگر اُس نے اپنی تکلیف دلیرانہ برداشت کی۔

اب میں نے اپنی رائے گنڈا پر چڑھ دوڑنے کی تجویز پیش کی تاکہ ہماری
مدافعت کے موثر انتظامات آمد کی خبر بروہیوں تک پہنچنے کے قبل اس کا انجام ہو۔ میری تجویز کو سب

نے پسند کیا اور میں نے ایمیل اور دوسرے رسالوں کے افسروں کو خط روانہ کئے جو گرد و نواح میں تھے اور ہماری
 شرکت چوبیس گھنٹہ کے اندر کر سکتے تھے۔ اس درمیان میں ہم لوگوں نے دروازوں کو بند رکھنے کا ارادہ
 کر لیا تاکہ دشمن کے پاس قاصد نہ پہنچنے پاتیں۔ مگر ہماری تدبیر بری ہو یا بھلی شدنی نہ تھی۔ میں نے
 یہ انتظامات کئے بھی نہ تھے کہ میرے افسر بالا کے پاس سے مجھے خط ملا کہ فوراً ان کے پاس سکھر
 پہنچ جاؤں۔ میرے لئے مجبزی تعمیل کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور پھر ایک مرتبہ میں شکار پور کی
 جانب روانہ ہوا مجھے اس امر سے کسی قدر تسلی ہوئی تھی کہ میں نے باغ کو بچا لیا جس کی ایک یا
 دو دن کے اندر گنڈا اور گنڈوا کی حالت بدلتی ہوئی۔ اور جسے لوگوں نے لوٹا اور ان جگہوں کی طرح
 شایہ خاک کر دالا ہوتا۔

باب معرکہ گنڈوا

بارغ سے روانگی | اراکتو برکو میں باغ سے روانہ ہوا اور چالیس میل چل کر طاہر کوٹ میں پہنچا جہاں سے چند گنڈہ آرام کر کے شاد پور کو مقام چتر سے ہو کر گیا ہو ایک بڑا قصبہ قاہرون کا تھا اور مثل پھولاجی کے دکیوں نے اُن سے لے لیا تھا۔ مگر ہم لوگوں نے پھر قاہریوں کے حوالہ کیا۔ میں نے شاد پور میں ایمیل اور ایک دوسرے افسر کو پایا جن کو نہایت افسوس ہوا کہ گنڈوا پر جو حملہ ہونے والا تھا۔ وہ موقوف رہا۔ ایمیل نے مجھ سے اپنے بہت سے قصبے ریگستان کے بیان کئے۔

جکراتی سردار ترک علی | بلوچوں میں جو ہماری ملازمت میں تھے کوئی شخص اس قدر مشہور نہ تھا جیسا کہ جکراتی سردار ترک علی۔ وہ ایک بڑا دہلا پتلا بوڑھا شخص تھا جس کی سفید ڈاڑھی بہ تائید سنت نبوی صرخ رنگ سے رنگی تھی کہ آنحضرت کی ڈاڑھی خون کی طرح صرخ رہتی تھی۔ ترک علی انسان کی زبان کی قدر اس سے بھی کم کرتا تھا جو ان ناشائستہ ملکوں میں معمولی طور پر ہونی ہر ایک دن ایک ہندو دکان دار ایمیل کو کچھ خریدنے کے لئے تنگ کر رہا تھا وہیسی پھیری کرتے تھے

بساطی نہایت موزوں طور پر بوجہ کہلاتے ہیں کہ ایمیل نے مذاقا کہا کہ "ترک علی اس شخص کو لے جا کر اس کی زبان بند کر دو۔" فوراً اُس خوشخوار بوڑھے بلوچی نے اُس بد نصیب بساطی کو پکڑا اور جب اُسے کھینچ کر لے چلا تو صرف اس قدم کہنے لگا کہ "میں اسے جلد چپ کر دیتا ہوں۔" مگر اپنے چہرے کی جانب بھی ہاتھ بڑھایا۔ ایمیل گھبرا کر دوڑ پڑا اور اُس ہندو کو ترک علی کے ہاتھ سے نجات دی۔ جس سے وہ نہایت متعجب اور ناخوش ہوا۔ جب میں شکار پور گیا تو میرے ساتھ جکرانیوں کا ایک گاڑو تھا۔ جو ترک علی کے آدمی تھے وہ نہ جانتے تھے کہ میں اُن کی گفتگو سمجھتا ہوں اور جس طور پر انہوں نے لارڈ کین کی فوج کو لوٹا تھا اُس کا ذکر کر کے ہنس رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ "فرنگی بڑی مردت کے لوگ ہیں۔" کیونکہ وہ اُس دنٹ کو پھر خرید لیتے ہیں جسے تم نے چوری کیا تھا۔ ان سے بہتر کون گا ہک ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ پھر مجھے شکار پور کا چارٹ لینا پڑے گا جو کبھی کے لئے آب ریگستانوں سے ایک عمدہ جگہ تھی۔

اپنے واپس آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں نے عبدالخالق نامی عالم سے ملاقات وہاں کے فاضل اجل سے ملاقات کی جن کا نام عبدالخالق تھا۔ وہ سوائے کسی مسلمان کے یروہین کے باں کبھی نہ جاتے تھے۔ چونکہ اُن کا میری ملاقات کو آنا ممکن نہ تھا اس لئے میں نے اُس رئیس کو ایک خوش رو بوڑھا پایا جس کی گفتگو سے ہر معاملہ میں مذہب حق کی بو پائی جاتی تھی۔ وہ ذرا بھی کفر کی حقارت میں کمی نہ کرتے تھے۔ اور باتوں میں اس کی بحث بھی نہ کی کہ مسلمان کو عیسائی کے ساتھ کھانا پچا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ امر قرآن شریف میں صرف ممنوع ہی نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ "صحیح ہے مگر تم لوگ اپنے قواعد کے پابند نہیں ہو۔ تم کو خوک اور غیزدیمہ کھانے کی ممانعت ہے۔ تم لوگ ان باتوں کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ جب تم لوگ اپنے قانون کے خلاف کرنے ہو تو کیسے امید کر سکتے ہو کہ ہم تمہیں سوائے کافر کے اور کچھ قصور کریں۔"

انہوں نے معمولی دلیل مسلمانوں کی حیثاتی مذہب
 کے نام تمام رہ جانے کی بیان کی۔ "خود تمہارے نبی نے

ایک دوسرے نبی کے آنے کی خبر دی ہے جو خاتم النبیین ہوگا۔ یہ حضرت تھے۔ ہم لوگوں نے
 نجوم کے معاملہ میں گفتگو کی۔ ایک شخص نے کہا کہ "بدیہ تحقیقات کوئی شے نہیں ہے کیونکہ
 تمام چیزیں پہلے ہی سے دریافت ہو چکی ہیں اور قرآن شریف میں موجود ہیں۔ میں نے کہا کہ
 "میں نے قرآن شریف پڑھا ہے مگر مجھے کوئی صحیح کیفیت سیاروں کی جہت یا ان کے
 دورے کی ذمہ داری سے معلوم نہ ہوئی۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ایمان کے نہ ہونے میں اندھا
 ہو رہا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ "اگر تم کو ایمان ہوتا تو جو کچھ جاننا چاہتے قرآن شریف سے معلوم
 ہو جاتا۔ کوئی شخص عالم اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ صحیح طور پر دوسرے عالم کے سوالات
 کا جواب دے۔ جب وہ اس کو لا جواب کر دے۔ تو اس کے سر پر دستار نفیلت
 باندھ دی جاتی ہے اور وہ ان کے پہلو میں بیٹھتا ہے۔ رئیس العلماء کا خطاب بالاتفاق ایسے
 شخص کو ملتا ہے جو شریعت کے معاملہ میں نہایت واقف کار اور متعصب ہو نہایت۔

جس زمانے میں میں کچی میں تھا ایک بڑی فوج سکھر
 برطانوی افواج کا سکھر میں اجتماع میں جمع ہو رہی تھی۔ جس وقت بروہی قبیلہ کے لوگ

ان غیر محفوظ میہ اڑوں میں اتر رہے تھے جو بالہ پہاڑ کے گرد مدہ گنڈ واسے درہ بوان تک
 ہیں ہمارے خاص خاص حکام اپنے دشمنوں کی جانب سے رہنمائی اور تیز بیر سے معمور ہو کر آئندہ
 جنگ کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اور ایک ہی وقت میں اس پر بھی بحث کرتے تھے کہ
 لڑ جو ان خان قلات کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اور دوسری فتح کیونکر ہوگی۔ لگاتار
 پٹنیں سکھر سے میدان جنگ کو روانہ ہو رہی تھیں۔ مگر پھر بھی سکھر بھرا پڑا تھا۔ آخر کار
 جب ہماری سیکڑا مکڑی کا سما جال بے طرح شکست ہوا اور کئی درجن پھند ٹوٹ
 گئے جن سے جا بجا بڑے بڑے رننے ہو گئے تو بڑی پولیٹیکل مکڑی اس طرف مٹی مل رہی اور

نہایت شان اور زہرے پر ہو کر ہر نکل آئی مگر اُس وقت جس دھیت مکھیوں نے یہ سب نقصان کیا تھا وہ اُڑ گئی تھیں۔

اس درمیان میں جن کاریگروں کو میں ہر شوری چوڑا آیا تھا | بروہی قبیلہ سے جھڑپیں | ان کو بروہی سواروں نے ریگستان میں بھگا دیا تھا اور

جب اُن کی ہاری آئی اور سرکاری بے قاعدہ سواروں سے تعاقب ہوا تو چالیسویں جہنت گوروں کی پلٹن تھی جو آگے بڑھ رہی تھی تو ان کو سخت شکست ہوئی اور ایک سو تیس مرد اور اس کا نہ لکھنا بہتر ہے، تین عورتیں کام آئیں۔ جب عورتیں مردوں کا لباس پہن کر اپنے خاوندوں کے ساتھ رات کو حملوں میں شریک ہوں تو کون تمیز کر سکتا ہے۔ یہی گنڈ میں اتفاق ہوا مگر ان عریضوں کو تلوار نے زیادہ سخت تکلیفوں بھوک اور پیاس اور خاوند۔ بھائی۔ بچوں کو اپنے خون میں لوٹے ہوئے دیکھنے سے نجات دی۔ اسی زمانے میں ورڈن کا جو باغ میں تھا ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے مقابلہ ہوا جن کے چالیس آدمی اُس نے مارے۔ اُس نے خود دو کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ ہر چند کہ وہ دیکھنے میں کچھ بڑا تنوار پنڈ نے والا نہ تھا۔ اُس نے کہا کہ مجھے سخت تعجب اس امر پر آیا کہ انسان کو مار ڈالنا اس قدر آسان ہے۔ وہ ایک کھنت کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر گیا جو پیدل بھاگا جاتا تھا اور تلوار کا ہولا دیا۔ وہ اُس کی پیٹھ سے داخل ہوئی۔ اور سینہ سے نکلی۔ اُس کھنت کی زبان سے بسم اللہ نکلا اور وہ مردہ گر پڑا۔ کس قدر طبیعت کا نپ اٹھتی ہے جب اپنے ابقائے بنس انسان کو اس قدر بے رحمی سے مار ڈالنے کا خیال آتا ہے۔ واقعی بروہیوں کی لڑائی محض ایک افسوسناک قناتی پن تھا۔ اس فرقے نے بمقابلہ افغانوں یا بلوچیوں کے خفیف مقابلہ کیا۔ جب اُن کی تعداد کئی ہزار تھی اُس وقت بھی انھیں سرکاری فوج نے دادر میں بہ آسانی ہٹا دیا۔ ہمارے صرف دو افسر اور بیس آدمی زخمی ہوئے تھے اور دو یا تین شخص مارے گئے۔ مگر بروہیوں نے اسبا لوٹ لیا اور میگزین میں اُگ لگا دی۔

چالیسویں رجمنٹ کی پیش قدمی | جب چالیسویں رجمنٹ گوروں کی آگے بڑھی تو کمال خان پہاڑیوں میں چلا گیا۔ اور کنڈوا میں آگ لگا دی۔

میرا دوست پوسٹمنس یہاں دوب ہی چکا تھا۔ اُس نے اپنا خیمہ رات کو ایسی جگہ نصب کیا تھا جو ظاہر ایک غار معلوم ہوتا تھا اور گھاس اُگی ہوئی تھی۔ سفر کے تکان کے باعث وہ فوراً سو گیا اور خواب دیکھنے لگا اس خیال نے اُسے انگلستان پہنچا دیا اور زندگی کے رجسٹر سے بیس سال قلم زد کر دیئے وہ اپنے نزدیک پھر بچہ تھا اور ریت پر سمندر کے کنارے گھوم رہا تھا اُسے معلوم ہوا کہ سمندر بڑھتا آ رہا ہے۔ اور جس قدر زیادہ وہ بھاگتا تھا اُسی قدر زیادہ وہ اس کا تعاقب کرتا تھا۔ نہانے والی عورتیں اُسے تیز بھاگنے کے لئے غل مچا کر کہہ رہی تھیں۔ اس مخمخہ کی حالت میں اُس کی آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہے کہ پاؤں پانی کے اندر ہیں اور بہت سے سپاہی اور افسر اُس کو پکار رہے اور تہقہہ لگا رہے ہیں کہ وہ تیر کر نکل آئے۔ ماجرا یہ تھا کہ اُس نے اپنا خیمہ ایک پڑاٹے پانی کے نالے پر استادہ کیا تھا۔ شب کو پہاڑیوں میں سخت بارش ہوئی اور اُس وقت پانی زور و شور سے اُس نالہ میں جوشیدہ گھنٹہ پشیر بالکل خشک تھا بہ رہا تھا۔

کمال خاں کی دلپسی | اب کہ کمال خاں کے آدمی مصرت کی راہ سے الگ ہٹ گئے تھے۔ ہماری فوج دادر پر بڑھی۔ چونکہ سواران کے پاس کم تھے اور یہ

لوگ سفر سے تھک رہے تھے جو ایسے وقت پہنچے جب خان کی فوج دلپس جا رہی تھی۔ بردہای فرقہ والوں نے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی ارادہ کر لیا تھا کہ جب ہماری فوج بڑھتی ہو تو اُس پر حملہ کریں اور ان کو امید تھی کہ سفر کے باعث وہ اتر ہوگی۔ مگر اس ارادہ کو ان لوگوں نے جلد فسخ کر دیا اور چند لوگوں نے انھیں تھوڑے ہی عرصہ میں بھگا دیا۔ ان کی پشت پر ایک بڑی پہاڑی تھی جس پر وہ کثرت سے جمع ہوئے اور اپنا خیمہ و سامان وغیرہ سب زمین پر چھوڑ دیا۔ اُس وقت سواروں کے حملہ کرنے کا موقع تھا کہ قبل اس کے کہ دشمن پہاڑی میں

پر پہنچے پائے اُن پر زو پڑے۔ مگر سوار اس وجہ سے روک دیئے گئے کہ وہ پیہلوں سے بہت آگے بڑھ آئے تھے اور یہ خیال کہا گیا کہ وہ بغیر گوروں کی مدد کے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ دیر لوڈے کی باعث ہلاکت ہوئی۔ جس وقت ہماری فوج خان کے خیمہ تک پہنچی تو ایک افسرناک کیفیت نظر آئی۔ قریب ہی برہنہ اور نہایت ہی لاغر مگر اس وقت تک گرم اور فوں چکاں جسم اُس بہادر لڑکے کا پڑا ہوا تھا۔ اس کا بایاں پاؤں ایک کجاوے میں زنجیر سے بندھا ہوا تھا اس کا سر مڑوٹا ہوا اُس کے داہنے کندھے کے نیچے تھا اور ایک زخم جو اُس کی پشت گردن پر لگا ہوا تھا اُس سے سارا حال معلوم ہوتا تھا۔

ایک ہندوستانی افسر کی روداد | ایک ہندوستانی افسر بھی پابن زنجیر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا جس کی سادہ حکایت نے اس کی وفاداری کا پُر اثر ثبوت دیا۔ اُس نے بیان کیا کہ جب خان مستنگ گیا تو لوڈے کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور جب سرداروں کی یہ رائے ہوئی کہ انگریزوں سے مصالحت ہو جائے تو اُس سے کہا گیا کہ کپتان جن کو لکھے۔ یہ اُس نے بہت تاکیدوں پر کیا۔ ایک اور یوروپین جو بروہیوں کے قبضہ میں گرفتار تھا اور چار سوار اس خط کو لے کر گئے۔ یہ لوگ واپس نہ آئے مگر کپتان جن کا خط آیا جس سے امیروں نے لوڈے کو مار ڈالنا اور ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر ایک مال دار ہندو سوداگر نے سرداروں کو دو ہزار روپیہ لوڈے کو زندہ چھوڑ دینے کے لئے ثبوت دیئے۔ اُس وقت وہ اپنے قیدی کو مستنگ میں چھوڑ کر آگے چلے گئے۔ چند روز کے بعد اُن کی فوج منتشر ہو گئی اور خان سو آدمیوں کے ساتھ لوڈے کو قتلالت لیتا ہوا چلا گیا۔

لوڈے آفیسر کا قتل | تھوڑے ہی دنوں کے بعد بروہیوں نے داؤد پر حملہ کرنے کا قصد کیا اور اُس وقت سے لوڈے کی توہین اور ظالمانہ برتاؤ کرنے لگے۔ دن کو اُسے نصف عریاں اونٹ پر سنبھ کرنا اور کھلے میدان میں سونا پڑتا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں میں بھاری زنجیریں ڈال دی گئی تھیں اور اُسے ایسا کھانا ملتا تھا جسے کتا بھی نہ لو پھنسا۔

اس طور پر اسے مقام بی بی ثانی تک لے گئے جہاں خان کی فوج میں بہت سے یہودی آکر شریک ہوئے جنہوں نے لوڈے کوراستہ میں پتھر مارے۔ ان میں سے بعض پتھروں نے اُسے سخت زخمی کیا۔ جب سرداروں نے دادر کو لوٹنے کے بعد مہجر اسکادین کی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو لوڈے کو محافظوں کے ساتھ خیمہ میں چھوڑ دیا۔ تھوڑے عرصہ میں چند سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ بڑا ہوا غورتیں جو اس وقت تک سر پر قرآن شریف رکھے ہوئے نفع کی دعائیں مانگ رہی تھیں چلا کر ادھر ادھر گھبراہٹ میں دوڑنے لگیں۔ ایک لمحہ کے بعد ایک سوار اندر آیا اور اس نے وہ ہلک زخم لگا یا جس سے ہمارے بد نصیب ہم وطن کے مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر دنیا میں کوئی شخص ایسا ہو جو ایسی حکایت کو بغیر رنج کے سنے تو میں اس کے خیالات پر رشک نہیں کرتا۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہیں۔ جولا ہردائی بلکہ حقارت سے ان مصائب کو سنتے ہیں جو ہماری فوج پر اس سال اور آئندہ سال میں پڑے۔ ایسے لوگ بہائم کے درجہ کو ابھی سے پہنچ گئے ہیں اور وہ چاہیں تو ان کے لئے موزوں بھی ہے۔ کہ اپنے نزدیک ان یہودہ بدنامیوں کا اعتبار کریں جو ان لوگوں کی نسبت گھڑی گئی ہیں جنہوں نے اپنے ملک کے معاملہ میں نہ شدنی تکلیفات جھیلیں۔

بیچارہ لوڈے کی نسبت میں بھی کہوں گا کہ وہ ایک دلیر مستعد اور

آفیسر لوڈے کا کردار | سرگرم افسر تھا۔ اور بہ غرض اس کے کہ اس کی نسبت دیونوں کے ساتھ ظلم کرنے کا الزام ناپید کیا جائے۔ وہ بلکہ میل جول کی طرف راغب ہو کر غلطی کرتا تھا۔ کیپٹن پائٹارڈنٹ مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے قلات میں ان بیانات کی صداقت کی نسبت تحقیقات کی تھی جو لوڈے کی نسبت مشہور تھیں اور معلوم ہوا کہ وہ بالکل بے بنیاد تھیں۔

شاہ نواز اور دوسرے برادریوں نے بھی مجھ سے یہی کہا اور مختصر یہ کہ بے چارہ لوڈے کی جان اُسی طرح گئی جس طرح شاہ نواز کا تخت گیا۔ یعنی کلیتہاً ہمساری ملکی

بد انتظامی کے باعث جو صوبہ کچی کے بارے میں ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے
مجبوراً ان بے شمار خطوط کو چھوڑنا پڑا جو اُس بد نصیب آدمی نے مجھ کو لکھے تھے۔
اور جن سے زیادہ وضاحت اس معاملہ کی ہوتی۔ اور اس کی کامیاب عزیمت کا حال
جو کمران میں ہوئی تھی اور اُس کی دلیرانہ کیفیت جو قلات کی محافظت کی معلوم
ہوتی۔

اس وقت میرنور محمد میدر آبادی کا انتقال ۳ رد سمبر کو ہوا۔
میرنور محمد کا انتقال چاہے ان کے خیالات ہم لوگوں کی نسبت اُس وقت جیسے
ہوں جب کہ لوگ پہلے پہل ملک میں داخل ہوئے تھے مگر مرنے کے قبل وہ ہمارے دوست
صادق ہو گئے تھے۔ جو پولیٹل افسران کے دربار میں مقرر کئے گئے وہ ایسے لوگ تھے
جن سے شناسائی ہونے ہی سے انسان کو اُنس اور خیال عزت ہو جاتا تھا۔ مرتے
وقت امیر نے ہمارے ریزیڈنٹ میجر اورٹم کو بلوایا۔ اور اپنے دونوں فرزند اُن کے سپرد
کئے۔ خاص کر چھوٹے کو جس کے لئے سرپرستی کی زیادہ ضرورت تھی اور جو واقعی اُس کا
پیارا اور اسی کے قابل تھا۔

۱۳ کو امیر کا فاتحہ شکار پور میں ہوا۔ گورنر نے مجھ سے شریک ہونے کے لئے
معرکہ گنڈوا کہا جسے میں نے قبول کیا۔ اس درمیان میں نصیر خاں ملاقات ہو
پہاڑیوں میں داد کے معرکہ کے بعد مارا پھرتا تھا۔ گنڈوا کے قریب کے میدان میں بہت سی
فوج سے نمودار ہوا۔ سکھر میں انگریزی حکام کے مجمع نے جو اپنے رنگ میں مصروف تھا
شاید اس دخل در معقولات سے نافوش ہو کر اُس نوجوان خاں کو راہ پر لانا چاہا اور
ایک قاصد مع مراسلہ کے ۲۵ رجمنٹ ہندوستانی پلٹن کے کمانیر کو بھیجا کہ وہ دشمن کی سرکوبی
کے۔ سکھر سے گنڈوا تک ایک سو تیس میل کی مسافت ہے جسے اُس افسر نے جو حامل مراسلہ
تھاٹے کیا اور لڑائی میں سواروں کی کسان لی اور پھر تین دن کے اندر فتح کی خبر سکھر میں

ے کر آیا۔ یہ اُس نے ایسا کمال کیا جس کے مقابلے میں کپتان براؤن کا اسی میل گھوڑے پر جانا جس کی ڈیوک آف ویلزلی بہت تعریف کرتے تھے کچھ بھی نہیں ہے۔

علی التذکرہ یہ بھی کہہ دیتا ضرور ہے کہ جسے لوگ بالعموم نہیں مانتے کہ ۵ ائمہ ہندوستانی پلٹن کا لغنت پانچواں اپنی خواہش سے کپتان براؤن کے ساتھ اس سفر میں گیا مگر جب لوگ اس سے اچھی طرح پیش نہ آئے تو فوراً بغیر ٹھہرے ہوئے واپس آیا۔ زیادہ تکان سے بیمار آگیا۔ جس سے اُس ہونہار لڑکھو افسر کا رشتہ حیات منقطع ہو گیا۔ یہی کیفیت والٹیروں کی جوا کرتی تھی۔ پس اس بارے میں اگر کوئی شخص بنگال کے سپاہیوں سے اتفاق کرے جو کسی ایسے کام کے کرنے کے لئے جب جانے لگتے ہیں ان کے مذاق کے موافق نہیں ہوتا اور ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم والٹیر ہو اور وہ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہم بلٹیر ہیں۔ لیکن خوشی سے نہیں جاتے تو اُس شخص کو معذہ رکھنا چاہیے۔

امیران معرکہ گنڈوا گنڈوا میں جو معرکہ ہوا اس میں بیان کیا گیا ہے کہ تین سو بروہی مارے گئے اور ایک سو تین گزفتار ہوئے جن میں ایک مشہور سردار باہر خاں اور اُس کا بیٹا مراد خاں طہری قبیلے کے تھے۔ یہ قیدی بکر کے قلعہ میں رکھے گئے۔ اور بعد کو انھیں اپنے لوگوں سے خط و کتابت رکھنے اور تحائف لینے کی اجازت دی گئی۔ جب میں نیپیر کے اس سخت اور بد نما لونڈے کو دیکھتا تھا تو مجھے اس وقت خیال آتا کہ محبت بھی خوب شے ہے۔ جو ان قیدیوں کو ہمارے قلعہ میں ان کی محبت کرنے والی مشوقاتیں اور بیویاں بھیجتی تھیں۔ سوائے محبت صادق اور واثق کے اور کون شے کسی کو ایسے ثقیل پتھروں کو کھانے پر راغب کر سکتی ہے۔ یہ نہایت ضروری سمجھا گیا تھا کہ ان قیدیوں کے پاس جس قدر خطوط آئیں وہ

سب پڑھ لئے جائیں اور یہ میرا ہفتہ وار کام ہوا۔ ایسی مشق کے بعد مجھے ہر وہیوں کی خط و کتابت کی نسبت رائے زنی کا حق حاصل ہے اور پتہ یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ خطوں میں بالعموم نانی دادی سے لے کر نواسی تک کی خیر و عافیت لکھی ہوتی تھی اور بعد سلام کے یہی لکھا ہوتا تھا کہ نقد زیادہ نہ ہونے کے باعث ہم لوگ بجنر پیور یا شیرینی یا خشک میوے کے اور کچھ روانہ نہیں کر سکتے۔ ہر وہیوں کا خاص شہابی خاندان والوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ حلب سے آئے تھے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ بلوچیوں اور افغانوں سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ وہ زیادہ پستہ قدر زیادہ سیدھ فام اور بد صورت بہ نسبت ان دونوں قوموں کے ہیں اور دونوں سے ذکاوت اور فوجی دہدہ میں کمتر ہیں۔

مقامی لوگوں کی خوشامد | چونکہ چند روز تک کام کی کثرت اس قدر زیادہ نہ تھی۔ پس مجھے شکار گاہ میں شکار کیلئے کی کچھ فرصت ملی۔ ہندوستان کے شکاری اس کو ایک سہل الوصول نسخہ کہیں گے۔ میں ان باتوں کو زیادہ نہ جاننے کے باعث دیسیوں کے ہمراہ گیا تھا اور وہاں پہنچنے پر انھوں نے مجھے قریب اُس جگہ کے کھڑا کر دیا جہاں سے دو تنگ راستے جنگل کو گئے تھے۔ جب شکار کھلانے والے دوسری جانب سے آگے بڑھے تو ایک بڑا بھیڑ بانگل کر بھاگا مگر چونکہ اُس نے مجھے کوئی اطلاع اپنی تشریف آوری کی نہ کی تھی وہ قبل میرے فیر کرنے کے نکل گیا اس کے بعد ایک موٹا سور جو بیشکر کھا کھا کر پلا تھا نکلا۔ اس مرتبہ میں اچھا رہا اور گولی اُس کے سر میں لگی اس پر بھی وہ کچھ دور بھاگ کر گرا۔ دیسی لوگ بھی دیسے ہی خوشامدی ہوتے ہیں جس طرح انگلستان میں امراء کے شکار کھلانے والے۔ جو اپنی آپ نے فیر کی وہ چلانے لگتے ہیں کہ۔ لگا لگا۔ خواہ گولی کیس بڑے درخت یا دریا کے کنارے میں جا کر گھس گئی ہو۔ شکار پور کے قریب شیر شاذی نظر آتے ہیں۔ گو کہ برد کھا کے جنگلوں میں

شمال کی جانب افراط سے ہیں۔

شیر کا شکار | ان اطراف میں کپین ہل نے جو انجیری سینہ کے ایک مشہور شکاری اور بہادر سپاہی تھے۔ ایک شیر کی خبر پائی اور ایک دوسرے افسر کے ساتھ اُس کے تعاقب میں گئے۔ پہلے اُن لوگوں نے اُس کا مقابلہ مردانہ وار کرنے کا معاہدہ کیا تھا جس کی ایسے مشہور شیر مارنے والے کے لئے جیسا کہ ہل تھا چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر جب وہ بہت گھنے جنگل میں گئے تو انھیں سانس لینے کی ایک بلند اور بھیاںک آواز سُنی دی۔ جیسے کوئی دیو دم کھینچ رہا ہو۔ اس آواز سے جو شیر کے نزدیک ہونے کی علامت تھی۔ ہل تو اور تیز قدم بڑھائے لگا مگر اُس کے ہمراہی کی صورت سے آثارِ افسوس اور تذبذب کے نمایاں ہوئے۔ ہل نے بھٹک کر اور جھاڑی کو بندوق سے ہٹا کر ایک بہت بڑا شیر تھوڑے ہی فاصلے پر دیکھا جس کے غرائے اور دم ٹپکنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جنگلیں ہو رہی ہیں۔ ہل نے کہا: کہ "اب پی! تم اپنے فیرو کے رہو اور میں پہلے اُس پر وار کرتا ہوں۔" مگر اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پتی نے اپنے فیرو دوسرے دن کے لئے روک رکھے تھے۔ اور کچھ منٹ سے سخت کوشش جو پہلے منے میں بھی نہ آتی تھی اس امر کی کر رہا تھا کہ جہاں تک اور معرکے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہو جاتے بہتر ہے۔ ایسے وقت میں کاندھی دینے سے چند ہی لوگ ہوں گے جو مزدور ہوں مگر ہل کے حواس فولاد کے بنے تھے اُس پر اس کے الگ ہو جانے سے کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس نے بخوبی نشانہ لے کر بندوق داغی اور شیر کو زخمی کیا جو اُس کے سر پر جست کر کے جنگل میں چلا گیا۔ چند روز کے بعد علی مراد نے اس زخمی شیر کا سراغ لگایا اور اُسے مارا مگر شیر نے بھی کئی شکار کھلائے والوں کو زخمی کیا اور ایک کو مار ڈالا۔

شکار پور کا گردوغبار | ہم لوگ اکثر اپنے گھوڑوں کو جو مڑیوں کے پیچھے چکر دیا کرتے تھے۔ جو شکار پور میں بہت نئے اور جن کو ہم لوگ تازہ کتوں سے شکار کرتے

تھے۔ ایک دن میں باہر گیا ہوا تھا کہ ایک تکلیف دہ حادثہ واقع ہوا۔ یہاں خاک اس قدر زیادہ ہے کہ چند ہی قدموں سے ایسا غبار اٹھتا ہے جس میں ایک چھوٹی فوج چھپ جائے۔ کراتہ ہوا کے اس غبار آلودہ حالت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو افسر جو زور سے گھوڑے دوڑا آتے تھے آپس میں ہلکے کھا گئے جس طرح قدیم نالیسی جنگ آزماؤں میں لوگ ایک دوسرے کو گھوڑے سے گرا دیا کرتے تھے ویسا ہی یہاں بھی ہوا کہ سوار اور گھوڑے ہر دو گرے۔ دونوں سواروں کو چوٹ آئی اور ایک کی توجان پر آئی۔ اُسے اس قدر صحت حاصل ہو گئی کہ کھانا کھا سکتا تھا لیکن اُس کا طریقہ عجیب قسم کا تھا اور تھوڑی سی شراب سے وہ جامہ سے باہر ہو جاتا تھا۔ اُسے خزانہ لے کر سکھر جانے کا حکم ہوا۔ راستہ میں اُس نے ایک غریب لکڑہارے کو گرفتار کر کے میرے پاس دست و پا بستہ ایک خط کے ساتھ بھیج دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ وہ مشہور ڈاکو دیتو ہے۔ دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سکھر میں پاگل ہو کر مر گیا۔ اُس کی بیماری گھوڑے پر سے گرنے کے صدمے سے ہوئی تھی۔

باب

معرکہ سی

روسی قیدیوں کی رہائی | دریائے سندھ کی جنگ سے انگریزی سلطنت مشرق میں اس قدر وسیع ملکوں پر پھیل گئی تھی کہ اس کا انتظام ہمارے زیر حکومت مستقل طور پر کرنا اور انہیں ہندوستان کے ساتھ مضبوطی سے نٹھی کر دینا ایسا کام تھا جس کے لئے نصف ندی تک ہمارے لائق سے لائق مدبروں اور جرنیلوں کی مستعدی درکار تھی۔ ہماری قوت نے جو لارڈ لیک کے زمانے سے مثل کسی ایسی بڑی مورت کے ساکت رہ چکی تھی جو خود اپنی جسامت سے وزنی ہو رہی ہو۔ یکا یک ایک قدم ایسا بڑھایا جس نے ہم کو وسط ایشیا میں پہنچا دیا۔ کاہلوں جس کی دلیل غلط ہو ا کرتی تھی اس بارے میں خواہ جو کچھ کہے مگر یہ ایک نخر کا کام تھا کہ ایک انگریز ادسٹا غمہ دار نے ان روسی قیدیوں کو رہائی دلوائی جنہیں ایک روسی فوج نہ چھڑا سکی تھی اور ہمارے ایجنٹوں کی قدر و عزت نہایت بخارا، کوکن اور خوارزم میں ہوئی اور اگر ہماری سرحد تین بڑی سلطنتوں چین، روس اور ترکی کی ہم سرحد نہ ہوئی تو عام طور پر لوگ اس کا باعث تحمل سمجھتے تھے نہ یہ کہ ہم میں قوت اس کے بڑھانے کی نہ تھی۔

ہم اس عروج کے درجہ سے اس لئے نیچے نہ گرے کہ اپنے لازم مقوم ملکوں کو توسیع دینا مشکل کام تھا یا یہ کہ مفسد فرقت جو اپنی ہی قوم کے بادشاہ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ غیر ملکوں کے لوگوں کے مطیع ہونے کے اور سی کم خواہشمند تھے یا یہ کہ سردی و گرمی نے اُس جھگڑے میں شرکت کر کے ہم کو کئی کڑی ضربیں رسید کیں اور ہمارے سخت جلد اور دبیز کھوپڑی والے دشمن پر رعایت کی بلکہ اس باعث سے کہ ہمارے خاص خاص لوگ جو دریائے سندھ کے آگے تھے وہ نالایق تھے۔ مسئلہ کے اختتام پر جس وقت کہ ہماری شکستوں سے جو مری پہاڑیوں پر ہوئیں اور شال اور قلات کے بلوؤں سے یہ بھڑائی مٹنے ہو چکا تھا کہ ہم لوگ ایک پوشیدہ آگ پر چل رہے ہیں اور ہمارے خاص خاص پولیٹیکل افسر حق الوسخ اُس باریک تہ کو دور کر رہے تھے جس نے ہم کو اُس آتشیں مادہ سے علیحدہ کر رکھا تھا۔

بی برگ بھگت اور دوسرے سرداروں کی رہائی | ہمارا سفیر متحینہ کابل اپنے موقع و محل سے مطمئن نہ ہو کر ہرات کے نفع کرنے پر مائل تھا حالانکہ

اُس کا موقع یہ تھا کہ وہ تندھار یا غزنی میں شاہ شجاع کے عہد حکومت میں لوٹ آتا۔ ایک تو اُس فوج کا جو اس نئے جواہر کو کابل کے تاج میں جڑ دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا اور دوسرے اس بارے میں شک باقی رہا کہ آیا لاہور کو پہنچے لینا چاہئے یا ہرات کو ہمارا سفیر ایک فارسی تمثیل کے مطابق ایک بڑا تر بوز دو لون مانتھوں سے لئے ہوئے تھا مگر پھر بھی اُس کے منہ میں دوسرے تر بوز کے لئے پانی بھرا آتا تھا، بلکہ تیسرے کے لئے بھی جو دوسرے سے بھی بڑا تھا جس سے وہ ابھی گھبرا رہا تھا۔ لیکن تقدیر نے ان غلط ارادوں کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور ہم کو ایسی مصیبت سے بچا یا۔ جو اُس سے بھی بڑھ کر تھی جس کا خاتمہ مسئلہ کے بعد ہوا کیونکہ اگر سکھ دربار سے پھوٹ ہو گئی ہوتی تو ہماری تکلیفات کا خاتمہ کہاں ہوتا۔ مگر مجھے کابل یا مجنونا نہ تجویزوں سے جو وہاں ہو رہی تھیں کوئی غرض نہیں ہے۔

مجھے شمالی سندھ سے کام ہے جہاں مسادی درجہ کی حماقت اور بد انتظامی ہوئی تھی اور وہی تخم بویا جا چکا تھا۔ اور چونکہ مدد قریب تھی اور مثل خیبر کے اس کی روک دروازہ اور قفل کے باعث نہ تھی ورنہ ہم لوگوں کو وہی مثرہ حاصل ہوتا۔ بنی بگ۔ بجز اور دوسرے سرداروں کو تنگ کر کے جانی دشمن بتا لینے کے بعد ہم لوگوں نے ایک ہبل صلح ان کے سامنے کی اور انھیں رہا کر دیا۔

اس وقت یہ قرین مصلحت خیال کیا گیا کہ شاہ نواز کے نکال دیئے جانے اور لوٹنے کے مارڈاے جانے کی جانب سے چشم پوشی کی جائے اور پُراٹے دشمن محراب خاں کے بیٹے سے صلح کر لی جائے۔ اس مجوزہ تدبیر کو مجھ سے بطور راز نہائی کے کہا گیا۔ ہر چند کہ ہر شخص بیک نگاہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سوا دوسری سبیل نہ تھی۔ رہے شمالی سندھ کے امیر۔ ان کو بہت کم حوصلہ مقابلہ کا تھا اور ہم لوگوں کی آواز اور مخالفت پہلے ہی سے اپنے ملک میں جائز رکھنے سے گویا پولیس کشتی میں خود چت ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ قصد ہوا کہ چونکہ وہ چت ہو رہے ہیں انھیں ٹھوکریں رسید کی جائیں اور حسب خواہ مشکیں باندھی جائیں جو ایک عمدہ طریقہ سبوت کی اس برا فوجی کے دور کرنے کا ہوگا، جو ان سے زیادہ قوی دشمنوں نے پیدا کر دی ہے۔

خیر پور کے سیاسی معاملات | خیر پور کا دربار اس وقت تین حصوں میں تقسیم تھا۔ اولاً میر ہستم کے بیٹے براستنائے تیسرے بیٹے علی مردان کے اور نصیر خاں میر مبارک کا بیٹا اور قائم مقام سب سے زبردست اور نمبر اول کی جماعت تھی۔ جن کا قتل کل فتح محمد خاں وزیر تھا۔ دوسرے میر ہستم کا سب سے چھوٹا بھائی میر مراد علی اور اس کے لواحق دوسری جماعت کے تھے۔ تیسرے میر ہستم کا تیسرا بیٹا میر علی مردان جس کی امداد پر محبت خان مری اور کمال خان جہلا باقی اور دوسرے سردار تیسری جماعت کے لوگ تھے۔

لے اس سردار کو ہم لوگ بوڑھا اشارہ لکھا کرتے تھے کیونکہ جب اس سے کسی امر کے کہنے کے لئے رہائی مندرجہ

پولٹیکل ایجنٹ جیسا کہ کہا جا چکا ہے علی مراد کا نامی تھ۔ جس کا مشیر کار شیخ عی حسن ریزیدنی
کے آفسر عمدہ تربیت یافتہ تھے کا بڑا دوست تھا اور اپنا ایک وکیل امام بخش نامی ہمارے
یہاں تعینات رکھتا تھا۔

خیر پور کے دعوے دار | میر رستم کا سن علی مراد کے باپ کے برابر تھا وہ خاندان کا مقبول
رئیس یا سردار تھا اور اسی نے پٹ ہمارے سفیروں سے ملاقات کی
اور ہمارے ساتھ دوستی قائم کی۔ میں اس شخص سے جس میں ذرہ بھر بھی عقل ہو یہ پوچھتا
ہوں کہ آیا ہم کو مناسب تھا کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں کے جھگڑے کو صرف اشتعال ہی
نہ دیں۔ بلکہ چھوٹے اور مفید امیر کی حمایت بمقابلہ اس بے نص اور بوڑھے شخص کے کریں
جسے اس کو مثل اپنے باپ کے سمجھنا چاہئے تھا۔ اس بوڑھے سروار کے دل میں دو باتوں
کا زیادہ خیال تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے فرزندوں میں مکہ کو مساجد تقسیم
کرے تاکہ اس اہری کی احیاء ہو جو اس کے مرنے کے بعد ہو سکتی تھی کیونکہ اس کے
زیادہ سن سے موت کی بھی سبب امید تھی۔ اور دوسرے اپنے بھتیجے نسیر خاں کو چند اندام
دیئے جائیں جن پر علی مراد دعوے کرتا تھا۔

پہلی نسل کی نسبت میر رستم کو زیادہ قدر تھی اور یہ حق جس کا وہ دعوے دار تھا۔ ایک
انگریز کو میرے نزدیک واجب معلوم ہو گا۔ مگر ہمارے پولٹیکل ایجنٹ نے جو سکھتہ قریب
ہمارے واسطے تھے میر رستم کی دونوں نواسیوں کو پوری نہ ہونے دیتے اور کوئی امید الی برائے
کے قابل نہ چھوڑ جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ایک معاملہ اور بحث طبع تھا۔ یعنی رئیس خاندان

بقیہ ماشیہ ۴۹، کہا جاتا تھا تو وہ دونوں انھیں اس ندرے بند کرتا تھا کہ دیکھنے والا گھبرا کر تصور کرے کہ شاید
وہ اندھا تو نہ ہو جائے اور اس وقت باغیجین سیکڑوں بارہتا تھا۔ انشا اللہ انشا اللہ یہ قسمی سے وہ مرتے
اس کلمہ نیر کے کہنے کے اور زیادہ کچھ کارروائی ہمارے کام کے انجام دینے کی نہ کرتا تھا۔ ۱۲

یاسر دار خاص کا تعین جس کے میر رستم علی کا بیٹا اور علی مراد دولوں دعوے دار تھے۔ کوئی بات اس امر میں ملنے نہ پائی گو کہ قیاس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کس فریق کی ہم لوگ حمایت کریں گے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں ہم لوگوں کی دست اندازی کا کام نہ تھا۔ اور میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ علی مراد کا دعویٰ بہ لحاظ وراثت ناقص تھا کیونکہ نہ تو وہ دوسرا بھائی تھا اور نہ میر رستم کا وارث تھا۔ مناسب طریقہ اس کے طے کرنے کا یہ تھا کہ بوچی سرداروں کے عام جلسہ میں رائے لی گئی ہوتی۔

ایک افسر کی خیر لوپروانگی | یہ وقت بہت مناسب اس کام کے لئے تھا کہ جرنیل اور پولیٹیکل ایجنٹ دولوں سکھر سے روانہ ہوں۔ ہر شخص متعجب

ہوتے ہوئے تھک گیا تھا کہ وہ لوگ جائے وقوع جنگ سے اس قدر فاصلہ پر مدت دراز تک غرق رہیں اور وہاں روزانہ دشمن کے ساتھ مغرب میں مجادلے ہوا کریں۔ قبل جانے کے میرے افسر بالائے مجھے سکھر کا چارج لینے کے لئے طلب کیا اور ایک افسر خیر لوپ کو روانہ کیا جس کی وساطت سے جملہ خط و کتابت امیر سے ہوتی تھی۔ جو بنی میں شکار پور سے روانہ ہو رہا تھا ایک افغان جس نے آر تھر کنوٹی کے ساتھ سفر کیا تھا میری ملاقات کے لئے آیا۔ ہم لوگوں میں کچھ گفتگو کا بل کے معاملات پر ہوئی۔ اس نے بیان کیا کہ وہاں رجسٹر جسد جلد ترقی کر رہی ہے۔ اور گو کہ وہ بذات خود ہمارا ہی خواہ تھا۔ مگر چند باتیں ہماری طرز حکومت میں ایسی تھیں جس سے وہ ناخوش تھا۔ اور باتوں میں اس نے نہایت اصرار کے ساتھ کہا کہ زن افغان چیز می کند یعنی عورتیں افغانوں کی اب باوفا نہ رہیں جس سے مجھے اس پُرانی مثل کا خیال آیا جس کے معنی یہ ہیں کہ کابل کی عورتیں تنہا اپنی مٹی خراب نہیں کرتیں۔ بلکہ جہاں ایک سے محبت چاہئے وہاں سے کرے کہ اپنے ملک کی عورتوں کی پرکاری سے نہایت رنج منی اور اس غریب کی شکایت معقول بھی تھی۔

پولیٹیکل ایجنٹ کا جلوس | سکھر میں پہنچ کر میں نے تمام چیزوں کو نہایت ہی اہتمام سے

چار ہزار آدمی جانے کی گجراہٹ میں تھے۔ اونٹ بٹلا رہے تھے۔ ملازم شور و غل کرتے ہر باب بے معرف سرگرمی سے دوڑ رہے تھے۔ ایجنٹ کا سامان سفر ایک صوبہ دار جیسا تھا۔ کئی سواؤز بول پر شرابیں اور ہر قسم کا ذخیرہ بافراط تھا۔ خاص قیمت ایک بہت بڑا دو چوبوں کا شامیانہ تھا جس میں شیشہ کے دروازے تھے اور شمر کی بیگم کا تھا۔ پانچ یا چھ اسسٹنٹ پولیٹیکل افسر سات یوروپین اور بے شمار ہندوستانی نیزہ بازوں کا تھا اس کل جلوس کا محافظ تھا۔ اگر کوئی شخص اس سامان سے جو سکھر میں چھوڑ دیا گیا اس کا موازنہ کرے جو ساتھ گیا تو نامناسب معلوم ہوگا مگر میرے نزدیک دونوں حساب مساوی تھا۔ ایجنسی کے گودام میں اب بھی اسے چیزوں کے غنموں میں بارہ سو روپے بولیں ہیر شراب کی اور ایک سو بیس درجنیں شامپین کی تھیں۔

خزاپچی کے فرائض کی انجام دہی | جب یہ جلوس عظیم روانہ ہوا اور آخری ذرہ خاک کا بے دلی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ جس پر غلاط، بوتلوں کے ٹکڑے اور

ہر قسم کی خرافات پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنے کو تنہا قائم مقام ایجنٹ کے پہلی عظمت و شان کا پایا پہلے میں بڑے رعب و داب سے بیٹھا اور بہت ہی بڑا اور سردار کی طرح اپنے کو تصور کرنے لگا مگر فوراً میرے حواس اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔

ایک شخص ذلیل سیہ فام غلیظ کپڑے پہنے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ میں پچاس ہزار روپیہ اپنے دوست شہر م چند کے پاس بنارس بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور روپیہ دکھلایا کہ یہ موجود ہے میں ہاتھ سے اشارہ کرتے اور خزاپچی کو بلوائے ہی والا تھا کہ مجھے یک بیک خیال آیا کہ خزاپچی مع تمام نائب خزاپچیوں کی پود کے چلا گیا ہے اور دراصل میں ہی خزاپچی ہوں۔ ہر چند کہ پچاس ہزار روپیوں کا اپنے حساب میں لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور چشم و دن میں طے ہو سکتا ہے مگر دوسرے کا روپیہ نینا ادا ہے پاس، کتا، رتن، ہاتھ، ایک شخص کا قول تھا کہ "جان میسے کہ جب یہ فرض ہو کہ دوسرے کا مال بھگم کر جاؤں تو مہری پیشہ اس قدر بوجھ و آسائش ہے جو حضرت نوح کا کشتی پر تھا یہ تسکین وہ خیال اس وقت بالکل حاتمہ رہتا ہے۔ وہ کہہ کر کئی دفع

محض امین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ایک قسم کا ذی روح صندوق بنتا ہے۔

میرے حواس خمسہ اس وقت سپاٹ ہو رہے، جب میں نے دیکھا کہ مجھے اپنے ہاتھ پاؤں سے چل کر کچا س تھیلیاں زر نقد کی گنتی ہیں۔ روپوں میں بھی چکنا ہٹ اور ناپسندیدہ نمی اُس ہندو کی چکنی انگلیوں کے باعث سے آگئی تھی۔ کیونکہ اُس نے انھیں بار بار بازار میں گنا تھا۔ مشکل سے میں نے اس عمدہ کام کو ختم کیا تھا کہ مجھے یاد آئی کہ اب پارسلوں اور خطوط کو علیحدہ کرنا ہے۔ ان کے ایک دہ جن کے قریب بڑے بڑے پلندے تھے اور ہر ایک کو رجسٹر میں لکھا جاتا تھا۔ قسمت سے مجھے کام میں مدد مل گئی۔ ورنہ میں گھبرا جاتا جس طرح وہ بد قسمت کو ساگنوار جے لے جانا پڑا اُس وقت گھبرا گیا۔ جب کہ اُس کے گھوڑے کی پیٹھ بوجھ سے ٹوٹ گئی تھی کہ ایک لمبا سانپ کی طرح کا پارسل اور دیا گیا جس پر بہت سے فہرہاری سندھی اور انگریزی میں لکے تھے۔ اور اُس سے بڑی احتیاط کے ساتھ کوٹ مارشل جنرل کے پاس لے جانے وغیرہ کو کہا گیا۔

کسی وقت قریب آدھی رات کے نہایت تھک کر اور سخت پریشان ہو کر میں نے نیند کی آغوش میں لیٹ کر دنیا کی تکلیفوں کو فراموش کیا تھا کہ بہت سی مخلوط بہانے آوازوں نے زور سے پکار کر جگا دیا۔ صاحب صاحب! ایک تاکید ی خط بڑے صاحب کے پاس سے لاٹ صاحب (یعنی گورنر جنرل) کے نام آیا ہے۔ اس طور پر میرے شب و روز کٹا کرتے تھے حتیٰ کہ طبیعت پانچ آدمیوں کا کام تنہا کرتے کرتے عاجز آگئی۔ اور اس منحصر سے نجات حاصل کی۔

جب ہمارے افسر اعلیٰ شمال کی جانب روانہ ہوئے تو امیروں کو امید میرستم کی غیر اطمینانی تھی کہ کوئی افسر ایسا مقرر ہوگا جس پر ان کو اعتبار ہو۔ یعنی خلاصہ کہ وہ مجھے یا پاسٹنس کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ چنانچہ وہ نہ جانتے تھے اور یہ بات عیاں تھی۔ کہ ان کی موجودگی ان کی طبیعت کے خلاف تھی کیونکہ کئی بار گولی کی فشال میں ان کو فہمائش کی گئی جس نے انھیں اپنی کریمہ آواز سے ان کے کان کے بہت قریب جا کر اطلاع کر دی۔ اس

میں شرک نہیں کہ اگر امیروں کی کچھ اس میں شرکت تھی۔ تو یہ بنائے مخالفت ان کے خلاف تصور کی جا سکتی ہے۔ مگر کیا ہم کو یہ امور بھول جانے چاہئیں کہ صلح نامہ میں کوئی شرط اس کی نہ تھی کہ ان کے دروازے ہی پر ایک افسر تعینات کیا جائے اور یہ کہ اگر میرستم نے بھی گورنر جنرل سے عرض داشت کی ہوتی تو کوئی سماعت نہ ہوتی اور نیز یہ کہ جس طرح ہم لوگ دیسی سرداروں سے خط و کتابت کرنے میں ان قواعد کو بھول جاتے ہیں جو سلاطین یورپ کے درباروں میں برتے جاتے ہیں تو ویسے ہی اگر دوسرے ان کی پابندی نہ کریں جنہیں ہم خود نہیں لحاظ کرتے تو ان لوگوں کو معذور رکھنا چاہیے۔ اس وقت اُس بوڑھے امیر کو انتہا کا صدمہ پہنچ چکا تھا اور ایک ایسے شخص کو چاہتا تھا جس سے اپنا تمام درد دکھ سکے۔

جہاںچہ اُس نے دو ایک دن کے لئے مجھے اپنے ہاں بلایا نصیر
 دلی محمد کی شادی میں شرکت کے پودے بھائی دلی محمد کی شادی درپیش تھی اور اُس

نے درخواست کی کہ میں بھی شریک ہوں۔ پس مجھے خیر پور جانے کی اجازت ملی جہاں تمام سردار بجز علی مراد کے موجود تھے۔ میں نے اُس شہر کو بشرطیکہ وہ شہر کہا جائے بمقابلہ شکار پور کے نہایت تعمیر پایا۔ امیر کے مکانات اور اُس کا کل سامان اس قسم کا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر سرداروں کو جو اُس کے مالک تھے ان سے محروم کر دیا جائے تو ہم لوگ امیر نہ ہو جائیں گے بلکہ وہ واقعی مفلس ہو جائیں گے۔ میں ہندوستانی شادیوں کے معمولی علموں کو اور! چ کی کیفیت جو مجھے فضل خاں نے دکھلائی جس میں نصف معزز میزبان کی خبر بھی اور اس کی علانیہ گہراہٹ اُس وقت کی تھی جب کہ وہ ایک بلکے اور پُر خوف زینے پر چڑھ کر کوٹھے پر آتش بازی دکھلانے کے لئے جانے لگا، قلم انداز کرتا ہوں۔ مذکورہ بالا آتش بازیوں کی بجز گولوں کے کوئی کیفیت قابل اعادہ کے نہیں ہے۔ کیونکہ سب نکلیں اور نہ منوں قند کے گوزوں اور شربت کی جو مجھے نذر دیئے گئے اور جن سے میرے سندھی ساتھی نے اپنے گواہ قدر میراب اور مشکیزہ کی شکل بنالیا کہ زمین پر چپ ہو کر مثل مردہ یا بے بس کچھوے

کے لیٹ گیا۔ نہ میں خاص کرائن چکیے پا جاموں اور کپڑوں کا ذکر کروں گا جو باریک اور مختلف رنگ کے تھے، جو مجھے اپنی زیبائش کے لئے اور جو نیلام ہو کر زر نقد کی شکل میں کمپنی کے خزانے میں داخل ہوئے۔ نہ اس کا ذکر کرنے کے قابل ہے کہ میں نے کس طرح دو فریب اور بھولے پھانے بندیلوں کو جن کی ان لوگوں نے بڑی تعریف کی تھی، ایک ایک فیر میں اپن سندھی میزبانوں کی شکار گاہ میں سیر کرتے وقت موت کی آغوش میں سلا دیا۔ نہ یہ کہ کس طرح ایک بے احتیاط کاشت کار نے انگریزی بارود پر جو میں نے استعمال کی تھی نہایت مفتون ہو کر اپنی توڑے دار ہیدوق اس قدر زیادتی کے ساتھ بھری کہ جس کی آواز خود وہ اور میں سن ہو گیا اور وہ چاروں شانے چت جھاڑی میں گر پڑا۔

میر رستم والی خیر پور | خاص قابل تحریر میر رستم کی ملاقات ہے یہ امیر باوجود ہمارے انگریزی اخبارات کے طعن و طنز کے محبت کے قابل بلکہ لایق تعظیم کے تھا۔ مانا

کہ بہ نسبت ان اچنیوں کے جو ہر دستی اُس کے ملک میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اُس کے دوستانہ برتاؤ کا صلہ کم ظرفی اور دغا بازی کے ظلم سے کیا تھا، اپنے لڑکوں اور اپنی قوم کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ تو کیا ضرور ہے کہ اس کی تشیع کی جائے۔ وہ شخص مردت اور انسانیت سے مملو تھا۔ اور نہایت نیک، سلیم الطبع، صلح پسند، رحیم اور متحمل حدت زیادہ تھا۔ اُس کی صورت نہایت بزرگانہ تھی۔ اور کوئی بات اس کے طنز و روش میں ایسی نہ تھی جس سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہو کہ وہ بھنگ پیے کا عادی تھا۔ اُس کے ہمراہ اُس کے لواحق رہتے تھے جن میں میر سہراب کا بھائی میر زنگی تھا جس کا سن انسی سال سے بھی زیادہ تھا۔

میر رستم سے ملاقات | ظاہر ہے کہ جب میر رستم نے مدقوں تک سخت صدمے اٹھائے ہوں گے اُس وقت اُس نے جوش و خروش کے ساتھ اپنی شکایتیں مجھے

کہیں اور آخر میں کہا کہ "آخر بلوچ ہستم"۔ یعنی "میں نے بہت کچھ برداشت کیا مگر اس کی حد ہو چکی اور اب میں بھی سمجھتا ہوں کہ آخر بلوچ ہوں"۔ پہلے اُس نے مجھے ایک بڑے کمرے میں

بلایا۔ جس میں اُس کے بہت سے لوگ تھے۔ یہاں معمولی مزاج پُرسی وغیرہ کی گئی جو کبھی ساڑھے تین گھنٹے سے کم میں ختم نہیں ہوتی۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ آپ اچھے ہیں۔ بہت اچھے خوش و خرم، آسائش سے، راضی مطمئن، شاداں و فرحاں وغیرہ وغیرہ۔ یہی باتیں میرے اعزا اور احباب کی نسبت دریافت ہوئیں۔ اور اس کے بعد جہاں تک اظہار تردد ہو سکا میں نے بھی اس کے ساتھ یہی نازک سوالات بخندہ پیشانی لحیم و شمیم سیاہ ڈاڑھی والے بلوچوں سے کئے جو میرے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد چند اور باتیں دریافت کی گئیں۔ اور میں نے لوگوں کو نہایت خوش کیا۔ اس وقت میرا رستم نے اپنی نہایت عمدہ جلد قرآن کی پڑھنے کے لئے طلب کی۔ علی التذکرہ یہ خیال ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ایک بھرے ہوئے کمرے میں ہر ایک مسلمان کو دیکھے کہ استادہ ہو کر ادب و تعظیم سے اپنے مذہب کی کتاب کو سر پر رکھ لے تو اُسے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مقدس انجیلیں اس طور پر بے احتیاطی کے ساتھ ماری پھرتی ہیں۔ جو لوگ ظاہر داری کے خلاف ہیں اور گرجا میں ٹوپی پہنے رہتے ہیں اور پادری سے بڑھ کر بلند آواز میں باتیں کرتے ہیں، کہیں گے کہ یہ سب ظاہر داری ہے۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر ظاہر باطن کے بغیر بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ نہ ظاہر ہو اور نہ باطن۔

میرا رستم کی شکایات | کچھ دیر کے بعد لوگ رخصت کئے گئے۔ تب میرا رستم نے اپنی شکایتیں بیان کیں۔ اولاً بکر پر قبضہ کر لینا۔ باوجودیکہ صلح نامہ کے مطابق اُس سے معاہدہ کیا گیا تھا کہ دیائے سندھ کے ہر دو جانب کے قلعے اُس کے قبضہ میں رہیں گے۔ دوسرے وزیر کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا۔ یعنی ریڈنٹ نے جبراً اُسے برخواست کر دیا مگر یہ برخواستگی بجز ان معاملات کے جن سے سرکار انگریزی کو تعلق ہوتا تھا، برائے نام تھی۔

تیسرے ہر بات میں علی مراد کا ترجیح پانا۔ میں بہت سی نحیف شکایتوں کو چھوڑ دیتا ہوں مثلاً درختوں کا بلا اداے قیمت کاٹ ڈالنا اور ان قاصدوں کی گستاخی جو خیر پور میں مراسلے لے کر آتے تھے اور سب یہی تصور کرتے تھے۔ کہ انھیں خوب روپیہ ملنا چاہیے۔

ان شکایتوں کا میں بجز اظہار ہمدردی کے اور کیا جواب دے سکتا تھا اور تحمل کے لئے سمجھاتا اور کہتا تھا کہ امید ہے یہ معاملے سلجھ جائیں گے۔ واپسی کے وقت فتح محمد زید مع ہمیں یا اسی قدر سواروں کے میرے پاس آیا اور باتیں کرنا چاہا مگر ایجنٹ کا حکم ایسا قطعی تھا کہ میں نے اُس سے ہم کلام ہونے سے انکار کیا۔

سیبی کے قلعہ پر حملہ | سکھر میں پہنچ کر میں نے حالات سستی یعنی کجک کے قلعہ پر ناکام حملہ کرنے کے سنے جس میں ہماری فوج تین بار متواتر پھانک سے

ہٹا دی گئی۔ یہ پھانک بالکل کھلے ہوئے تھے مگر ان کی حفاظت بہادر لوگ کرتے تھے جو بات کی بات میں اُن کے اندر جانے والوں کو راہ عدم دکھاتے تھے۔ ایک گولا اندازے جس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اور جس کے اس قدر خون جاری تھا کہ قریب المرگ تھا اپنی تکلیفوں کو بھول کر اپنی آخری قوت لفینٹ کرینڈ کو جو حملہ آوروں کی پیشوائی کر رہا تھا دشمن کے موقع کی نسبت خبردار کر کے یوں ختم کی۔ وہ سب داہنے کو ہیں حضور داہنے جانب کو مڑیے :

میرا دوست اور رشتہ دار فالکز جو گرینڈیرس کی لپٹن میں تھا اُس وقت ہلاک ہوا۔ جب وہ سپاہیوں کو جمع کرنے کی بہادری کو شش کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں کی پیٹیاں پکڑ پکڑ کر کھینچتا تھا کہ ایک گولی کھائی۔ کچھ لمحہ پہلے اُس کی تلوار ایک دشمن کے ہلاک کرنے میں لوٹ گئی تھی۔ ہمارے تربیٹ آدمی اور چار افسر کام آئے اور دشمن کے ہتیا لین زخمی ہوئے اور ترالوے مارے گئے اور اُن کے علاوہ تین سردار مارے گئے اور تین زخمی ہوئے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں جرنیل۔ جن جس کے ساتھ پانچ ہزار آدمی تھے جن میں دہلیش گوردوارہ کی چھ ایک ہندوستانی دستہ کو سیبی مقام پر حملہ کرنے

کو بھیج دیا تھا جس میں قلعہ دار فوج بہت عمدہ تھی۔ بد قسمتی سے دوسرے گریڈیرس کی لایٹ کمپنی جو پہلے حملہ کرنے کو بڑھی وہی کمپنی تھی جو بے رحمی سے نقشہ میں خوب کشتہ ہوئی تھی۔

مسجد کی بے حرمتی | جو یہودہ طبیتیں ہم لوگوں نے خیر پور میں پیدا کر رکھی تھیں ان کا ظہور ایک ہنگامہ میں بمقام روٹری ہوا جس میں خونریزی ہوئی۔ میں معمولی طور پر دریا کی سیر کے لئے شام کو گیا ہوا تھا کہ سکھر کی طرف ایک بھیڑا بجنی کے قریب جمع ہوتی نظر آئی۔ کشتیاں بھی بے شمار روٹری سے آرہی تھیں۔ جب وہ کشتی جس پر میں سوار تھا، قریب پہنچی تو میں نے اپنا نام لوگوں کو بہ آواز بلند دیتے ہوئے سنا۔ کشتی سے اترنے پر میں نے میجر کلینبرن کو مع کئی افسروں کے سوار پایا جو نہایت ہی برا فروختہ اس لئے بورے تھے کہ سپاہیوں کی ایک جماعت پر جو روٹری میلہ دیکھنے گئی تھی حملہ ہوا تھا۔

برطانوی سپاہ کی پٹالی | کشتیاں سپاہیوں اور بھیڑ کے ان لوگوں کو جن میں سے کچھ زخمی تھے اور ایک سپاہی کا ہاتھ کٹ گیا تھا، واپس لائی تھیں۔ کلینبرن کی رائے تھی کہ توہین فوراً لگا دی جائے۔ اور کل شہر اڑا دیا جائے۔ ہر شخص شور مچا رہا تھا اور مشکل سے سمجھ میں آ سکتا تھا کہ کس وجہ سے ہمارے آدمیوں پر حملہ ہوا۔ اُسی وقت ایک کشتی امیروں کی آئی۔ جس میں روٹری کے حکام تھے اور انھوں نے بھی سماعت کی درخواست کی۔ بڑی دقت سے میں نے افسرانے اور روٹری کے حکام کو ایجنسی کے حکام کو ایجنسی کے کمرے میں جا کر سہولت سے گفتگو کرنے پر راضی کیا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ سپاہی ناچنے والی عورتوں کو مسجد میں لے کر گئے۔ اور وہاں پھوایا اور جو بلوچی موجود تھے۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ یہاں سے تم لوگ چلے جاؤ اور ہماری عبادت گاہ کی توہین مت کرو۔ اس کا سخت جواب دیا گیا جس پر

دھینگا مشتی ہوئی۔ اور چونکہ سندھی ہمارے سپاہیوں سے زیادہ مسلح تھے اُن لوگوں کی جیت ہوئی۔ اور انہوں نے کشتی تک سپاہیوں کا تعاقب کیا۔

میں نے کلینبرن سے کہا کہ یہ معاملہ مجسٹریٹ کے قابل ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ توپ اور بندوق سے فیصل ہو اور آخر کار شور و غل کے فرو کرنے میں کامیاب ہوا جب دونوں جانب کے گواہوں کے بیانات گورنمنٹ کے پاس رواد کئے گئے۔ تو یہ فیصلہ ہوا کہ سپاہیوں کا تصور تھا۔ کیونکہ انہوں نے اشتعال پہلے دیا اور اس طور پر یہ معاملہ بغیر سکھر کی بربادی کے طے پایا۔

جہز و پنچیرا کا ایکٹنسی میں قیام | منجملہ بہت سے بہانوں کے جو اس وقت ایکٹنسی میں ٹھہرتے تھے جہز و پنچیرا تھے۔ جو چند روز میرے یہاں ٹھہرے۔ اُن کی ڈاڑھی سیاہ، لمبی اور بالکل مشرقی طرز کی تھی۔ یعنی وہ مختصر سی کچھی ٹھہری ہوئی زردی، نل بکروں جیسی ڈاڑھی نہیں۔ جو بعض لوگوں کی ٹھوڑیوں پر نظر آتی ہے۔ ڈاڑھیاں بھی ویسی ہی مختلف تماشش کی ہوتی ہیں۔ جس طرح لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ شکا۔ پور میں مجھ سے اور ایک انفنٹ سے ملاقات ہوئی۔ جو اسطرح اندام تھا۔ مگر اُس کی ریش مہارک اس قدر لمبی تھی کہ وہ اُس کے قدموں تک پہنچتی تھی مگر اُس کا ایک جانب ایک دشمن کے مقابلے میں بہت کچھ کم ہو گیا تھا جس نے اس مسئلہ جیسے کو ہاتھ میں لپیٹ کر ڈاڑھی والے کو گھوڑے سے نیچے کھینچ لیا اور اُسے مع ڈاڑھی کے ہلاک کر ڈالا ہوتا کہ ایک دوست کے نیزے نے اُس کا کام تمام کیا۔

مسلمانوں میں دوسرے کی ڈاڑھی پر ہاتھ لگانا سخت توہین کرنا ہے مگر داد خواہ عورتیں ہمیشہ ڈاڑھی پہنایا کرتی ہیں۔ اور انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ملائم انگلیوں سے ان کی گرفت کرنا ہمدردی کے خیالات پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ

نسبت اعلیٰ شخص کے ہے۔ میں نے دیکھا کہ جہل و نیمپورا کو افغانستان کی لڑائی کے متعلق تمام حالات سے واقفیت ہے اور نیز وہ جملہ ریاستوں کے حالات کو جانتا ہے جو دریائے سندھ کے کناروں پر واقع ہیں۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میری تنخواہ چار ہزار ایک سو روپیہ ماہوار لاہور کے دربار کے نور علی سے بھیج دیا کرو اور اُس نے اپنے اخبار نویس کو اجازت دی کہ اپنے اخبارات میری وساطت سے روانہ کیا کرے۔

اس طرح مجھے ہر تیسرے دن ایک قسم کا فارسی اخبار ملا کرتا فارسی اخبار تھا جس میں بعض اس کے کہ آج حضورِ ملکہ معظمہ ٹوٹے فٹن

میں سوار ہو کر تشریف فرما ہوئیں۔ یا ہزار اہل ہاتھ پرٹس البرٹ نے کل تازے کتوں سے شکار کیا۔ ایسی خبریں پڑھنے میں آتی تھیں کہ مہاراج پنجاب ہاتھی پر سوار ہو کر ہوا کھانے نکلے اور دو گھنٹے ڈائمنڈ گارڈن میں رہے اور ہزاروں اسی کی قسم کے واقعات ہوتے تھے۔ غرض کہ بادشاہ چاہے مغرب میں ہو یا مشرق میں اپنے لوگوں کی باریک بینی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ گاہ بے گاہ کوئی خبر ان سے زیادہ ضروری آجاتی تھی۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ کام منجملہ اور کاموں کے جو پولیٹیکل ملازموں کی بے ایمانی | افسروں کو کرنا پڑتا ہے جن سے ہر قسم کی خدمات لی جاتی ہیں۔ فوج کے فراریوں کی گرفتاری اور ان کا تجسس کرنا تھا۔ چونکہ اس وقت ایک فوج کثیر میدان جنگ میں تھی۔ اس لئے یہ خدمت بے انتہا بڑھ گئی تھی۔ ساربان کے گروہ کے گروہ، باورچی، آب دار اور کھار بھاگ جاتے تھے اور یہ نہیں کہ صرف خالی ہاتھ بلکہ بالکل صفائی کر کے چل دیتے تھے۔

ایک دن ایک خوش رولڈ کامیوے پاس نوکری کرنے کے لئے آیا۔ میرے لئے چار ہزاروں کی منظوری تھی جن میں سے ایک کی جگہ خالی تھی۔ میں نہایت خوش ہوا کہ

ایسے شخص کو اُس جگہ پر مقرر کر لوں گا چنانچہ میں نے اُسے فوراً مقرر کر دیا۔ دو دن تک وہ بخوبی کام کرتا رہا مگر تیسرے دن آکر اُس نے استعفا دینا چاہا۔ میں نے وجہ پوچھی اُس نے بیان کیا کہ "میں بیمار ہوں اور میرا بھائی مر گیا ہے۔ اس لئے میرا گھر جانا ضروری ہے" اور بھی بہت سی وجہیں بیان کر دیں چنانچہ اُس نے اپنی چھ پاس حوالے کی اور اس تیزی سے چلتا ہوا کہ مجھے اُس کی نسبت شک گذرا۔ مگر یہ بھی نہیں سننے میں آیا کہ کوئی شے گم ہو گئی ہے اور کوئی وجہ اُس کے روکنے کی بھی نہ تھی۔ کئی دن تک اُس کا یکا یک چلا جانا راز سر بستہ رہا۔ آخر کار ایک گروہ ایک بے قاعدہ رسالے کے سواروں کا آیا اور افسر نے مجھ سے گفتگو کرنا چاہی۔ اُس نے دریافت کیا کہ کوئی شخص غلام خاں نامی ایجنسی میں آیا تھا یا نہیں۔ جو حلیہ اُس نے بیان کیا اُس سے مجھے کوئی شک باقی نہ رہا کہ وہ میرے مفور ہر کارے کا نام ہے میں نے پوچھا کہ "تم لوگ کیوں اُس کی جستجو میں ہو؟" اُس نے کہا کہ "اُس کی سپردگی میں ہم لوگوں کی تنخواہ تھی اور وہ بے کر روپوش ہو گیا۔"

کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ دریائے سندھ سے جس کا پاٹ بڑا اور رشوت ستانی پانی توڑ کا تھا۔ ایسے وقوعوں کی روک ہوتی ہوگی۔ مگر دس دس کوس پر کشتیاں پار اترنے کی تھیں اور ان مقامات پر نگرانی نہ ہو سکتی تھی۔ جو لوگ پاس دیکھنے کے لئے تعینات تھے وہ رشوت لے لیا کرتے تھے اور صرف خطا واروں ہی کو بے روک ٹوک نکل نہ جانے دیتے تھے بلکہ بے خطاؤں سے رشوت لیتے تھے۔ ہندوستان بھی مثل ایران اور ترکی کے رشوتوں کا ملک ہے۔ رشوت ستانی سندھ بہ سلسلہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک جاری ہے حتیٰ کہ وہ یورپین حکام پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے مگر افسوس کہ یہ ہمیشہ نہیں ہوتا جب کہ حال کے کئی قابل تاسف معاملوں سے ثابت ہو چکا ہے۔

تاہم کون اُس تبدیلی پر متعجب نہیں ہوتا جو اُس وقت سے ہوئی ہے جب کہ کمسٹریٹ کے حکام ایک یا دو سال تک اپنے عہدے پر رہنے کے بعد لندن کے مال دار لوگوں کے طبقہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنے سابق مالکوں کو اپنے ساز و سامان سے حیرت میں ڈالتے تھے۔ کچھ یہ امر پاس کے جا پھنے والوں ہی پر موقوف نہ تھا کہ اُن کی رپورٹ پر یقین نہ ہو سکتا تھا بلکہ دیسی عہدہ داروں میں میرے نزدیک کوئی ایسا نہ تھا جس کے بیان کو صادق تصور کر سکیں۔

بلوچی قوم کی راست بازی | ہندوستان کے باشندوں کی نسبت بہت کچھ مخالف و موافق کہا جا چکا ہے۔ مگر شاید یہ معاملہ عمدہ طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جہاں احسان اور پاس و لحاظ کا دخل ہوتا ہے وہاں تو کسی ہندوستانی کی بات کا حد درجہ کا اختیار کیا جا سکتا ہے اور اور حالتوں میں حد وقت کے بذلت امید کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف بلوچی راست باز ہیں کیونکہ وہ اس قدر بہادر اور باہمت ہیں کہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتے۔

ایک ایرانی قیدی کی رہائی | جس زمانے میں مری پہاڑیوں میں ہم کو شکست ہوئی۔ وہاں ہاں سکھ میں ایک ایرانی قید تھا۔ وہ قریب پانچ فٹ تین انچ کے اونچا، ہاتھ پاؤں چھوٹے، لڑا اندام اور بالکل ذلیل الخیثیت جانتا تھا۔ جب اُس واقعہ کا دل معلوم ہوا۔ تو اُس نے ایک پولیس افسر سے ہم کلام ہو کر کہا۔ ”حضرت! سنئے کہ میں موجود ہوں مجھے پہاڑیوں میں بھیج دیجئے اور بلوچیوں سے میری روانگی ظاہر نہ کیجئے ورنہ وہ ٹھہر نہ سکیں گے اور میرے ساتھ چند سوار کر دیجئے پھر دیکھئے کہ یہ ہاتھ و پاں کیا کرتے ہیں“ اس بہادر پستہ قد شخص نے جب قریب رہائی کے تھا اپنے ہمراہ ایک محافظ سے ملاقات کی۔ اُس نے مجھ سے کچھ اس طور پر گفتگو کی تھی: ”آغا جان آپ ہزار سال زندہ رہیں اور آپ کے رحم اور عنایت کا دریا جو میرے گرد بہہ رہا ہے

سمندر بن کر خدا کی جانب سے آپ کے پاس آئے۔ پھر کمرے کے چار طرف حسرت آلودہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا کہ "میں بغیر آپ کی عنایت کے کوئی نشانی لے ہوئے نہیں بسنا جسے میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

اُس نے پہلے سب سے زیادہ قیمتی اشیاء سے ابتدا کی اور جس چیز کو دیکھا اُسے یکے بعد دیگرے مانگتا گیا اور میرے انکار کو دیکھ کر وہ دھوکا نہ کھا سکتا تھا، نہایت افسوس سے برداشت کرتا گیا آخر کار اُس نے ایک انگریزی سفوف کی توبہ اور پیٹی پردانت لگایا۔ اُس کے لینے کا اُس نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اُس نے منت و سماجت و خوشامد سب کچھ کی مگر بندے نے ذرا بھی خیال نہ کیا۔ آخر الامرجب اُس نے دیکھا کہ ناکام رہا تو سخت غصہ ہو کر ایسی صلواتیں سنائی شروع کیں کہ مجھے اس کے بندہ رحمت کرنے کے لئے اُن سپاہیوں کو اشارہ کرنا پڑا جو موجود رہتے تھے۔

دریائے سندھ جب موسم گرما قریب آنے لگا۔ تو دریائے سندھ جو نہروں اور جھیلوں سے سمٹ کر کئی مہینوں سے اپنے پیٹے کے اندر ہو رہا تھا بڑھنے لگا اگر یہ بڑا دریا نہ ہوتا تو سندھ سے بڑھ کر خوفناک ویرانہ کا خیال کرنا ناممکن تھا۔ اُس دریا کو اگر صنعت ذرا مدد دے تو وہ تمام ملک میں جو درمیان گجرات اور ہالہ پہاڑوں کے ہے۔ شادابی اور سبزہ پھیند سکتا ہے۔ مثلاً اس کی کافی علامتیں موجود ہیں کہ فلاں جگہ اگر خاص چشمہ نہیں تو ایک بڑا چشمہ کسی زمانے میں کسی نذر آلود کے مشرق میں درمیان سندھ اور راج پوتانہ کے خلیج کچھ میں بہتا تھا اُس وقت یہ عوض دریا کے جو اس وقت ان دونوں ملکوں کے درمیان حد حاصل ہو رہا ہے ایک زرخیز ضلع تھا جس میں ہر قسم کے اناج کے بلے بلے پودے ہوتے تھے۔ یہ ابھی لوگوں کو یاد ہے کہ آخری باقی ماندہ حصہ اُس بڑے دریا کا کسی قدر ہذیریعہ زلزلہ کے اور کچھ ان کے ہاتھوں سے بند کر دیا گیا۔

ہماری سرکار اور کولنا سلوک سندھ پر اس سے بڑھ کر کر سکتی ہے کہ شادابی کے اس وسیلہ کو از سر نو قائم کر دے اور اس میں کچھ زیادہ صرف بھی نہیں ہے۔ ہر سال ثابت کرتا جاتا ہے کہ دریا کس آسانی سے اپنا راستہ بدلتا ہے۔ امیروں نے بہتری حالتوں میں تھوڑے سے میں وہ بات پیدا کی ہے جس کے لئے اب زیادہ ہونا درکار ہے اور دیکھا جائے تو ان کے خفیف کاموں کا مجموعہ اس بڑے کام سے بڑھ جائے گا۔

چین کی نہروں کا نظام | چین میں ایسے عمدہ دار میں جن کا یہی کام ہے کہ نہروں کی نگرانی کریں اور ان کی تعداد اور وسعت کو ترقی دیں۔ ایسی ہی

نگرانی نہروں کی سندھ میں بھی درکار ہے جوں جوں ہر ایک نئی نہر سے ایک ایک ضلع ریگستان سے علیحدہ ہوتا جائے گا اصل دریا کی جہاز رانی بڑھ جائے گی۔ اس وقت جو مقداً پانی کے نکاس کے قابل ہے وہ اس قدر زیادہ ہے کہ گہری نہروں میں کوئی کشتی بہاؤ کے زور کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی اور جہاں کنارے نیچے ہیں دریا پھیل کر جھیل کی قطع بن جاتا ہے۔ جہاں کشتی کے چلنے کے قابل مشکل ہی سے کوئی چشمہ نظر آتا ہے یا اگر جوتا بھی ہے تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایران کے بادشاہ کی فوج ایک ہینے کے اندر بہت سی ایسی شائیں زور و شور کے دریا سے نکال سکتی ہے کہ انھیں انسان عبور کر سکے اور گھسنا تک تر نہ ہوئے۔ تو بہت برسوں کے اندر تھوڑے سے خرچ میں رعایا کی اعانت سے جو ان سے معقول درجہ تک بلا اجرت لی جا سکتی ہے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

دریائے سندھ کی مچھلیاں | جب دریا کو بڑھتے ہوئے دیکھتا تھا تو اس طور پر میں سوچا کرتا تھا کہ سندھ کے لئے کیا ہو سکتا ہے اور کیا کسی زمانہ آئندہ

لے بھلا کون اس پھر وہ کو یقین کرے گا جو اس کے بنانے کی دی گئی ہے۔ کیا یہ زیادہ قرین قیاس نہیں ہے کہ اس کی اصل غرض یہ تھی کہ جہاں پانی کیا اب تھا ذریعہ کاشت حاصل ہو۔ ۱۲

میں ہو گا۔ ایجنسی دریا کے اس قدر قریب بنی تھی۔ کہ انسان کھڑکی پر بیٹھ کر پھلیاں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے کوئی عمدہ پھلی پکڑی۔ عام طور کی پھلیاں وہ تھیں جنہیں ہم لوگ بلایاں کہتے تھے۔ کیونکہ پکڑنے پر وہ ایک قسم کا شور بلی کے بچوں کی آواز کی طرح کرتی تھیں اور کھانے کے بہت قابل نہ ہوتی تھیں۔ جوں جوں دریا کے قریب کے سوراخ اور دریا بھرتا جاتا تھا۔ بعض ناقص کیرے ہم لوگوں کے مکانات میں رنگ کر آ جاتے تھے۔ بچھوتوں اور کنکھجوروں کی قسموں میں ایک ایسا کیرا آیا جسے میرا باورچی اور اُس کے ہمراہی دیکھ کر بہت گھبرائے دن کے کھانے کے وقت ایک دن میرے باورچی خانے میں لوگوں نے شور مچانا شروع کیا اور اُس کے بعد میرا خالسا ماں جعفر آ کر کہنے لگا کہ آپ بندوق لے جلیں اور ایک بڑے کاٹے سانپ کو دیکھا جو سات یا آٹھ فٹ لمبا اور انسان کے ہاتھ کے برابر موٹا نیچے چھت کے شبھیروں میں ایک طور پر کلیل کر رہا تھا۔ گویا کھانے سے دل لگی کر رہا ہو۔ یہ ٹھیک اُس مقام پر تھا جس کے نیچے ملازم کھانا کھایا کرتے تھے۔ میں نے فوراً دونوں نالیں بندوق کی اُس جالور کے پیٹ پر جمونک دینا جس سے وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور زیادہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ایک موٹا چوہا جسے اُس نے زہر مار کیا تھا اُس کے پیٹ سے نیچے گر پڑا۔

صمد خاں افغان کے تاثرات | جنرل دینچورا کے بعد میرے پاس دوسرا شخص جو آیا وہ صمد خاں افغان تھا۔ وہ کیپٹن ریاٹ کے

ساتھ خوارزم سے سینٹ پیٹرس برگ گیا تھا۔ اور وہاں سے انگلستان۔ اپنی قوم کا وہ ایک ہی شخص ہے جو انگلستان گیا اور وہ اپنی قوم والوں کو ان تمام عجائب و غرائب کا حال جنہیں وہ دیکھ کر آیا تھا۔ سنا کر متعجب کرنے والا تھا۔ وہ ایک پستہ قد ظاہر خشک مزاج بوڑھا شخص تھا۔ اور کوئی زیادہ استحقاق خوبصورت

تصور کئے جانے کا نہ رکھتا تھا مگر اُس نے کہا کہ انگلستان میں مجھے سخت ترغیب ہوئی تھی۔ اس کا بیان تھا کہ انگریز لیڈیاں فرشتہ کو بھی تسخیر کر سکتی ہیں تو انسان کی کیا اصل ہے۔ مگر اُس نے بنایت بنجیدگی سے مجھ کو اطمینان کرایا کہ مغرب کی عوروں نے جس قدر اپنے ناز و کرشموں سے اُس پر حملہ کیا اُس نے سب کو روکا۔

میں نے اُس سے پوچھا کہ جس قدر چیزیں دیکھیں اُن میں کون قابل دید تھیں۔ اُس نے بیان کیا کہ شہنشاہ روس جس کا ثانی جوان رعنا دیکھنے میں نہ آیا وہی اصل بادشاہ ہے اور سب کچھ نہیں ہیں۔ اپنے سفر میں جو کچھ کیفیتی اُس نے دیکھی تھیں۔ اُن کا بیان کرنے کے بعد اُس غریب نے اپنی مصیبت کا ذکر کیا جو اس درمیان میں اُس پر گزری تھی۔ اُس کے لڑکے بلے ہرات میں تھے اور وہاں کے حاکم یار محمد خاں نے انھیں ادب انگلوں کے ہاتھ بطور غلاموں کے فروخت کر ڈالا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ جب تک وہ نہ ملیں گے اُن کی تلاش کرنے سے باز نہ آئے گا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ جہاں یار محمد خاں نے عیال و اطفال کو بیع کر دیا ہے وہاں بادا کو بھی ستا بیچ ڈالے گا۔

جب موسم گرما زوروں پر پہنچا تو میری تندرستی میں متواتر بخار آنے سے فرق آگیا۔ مجھے سندھی پھوڑے سے جو پیر میں تھا تکلیف ہو چکی تھی۔ چھ ہفتہ تک میں چلنے پھرنے سے معذور تھا اور زخم ہڈیوں تک پہنچ گیا تھا۔ ایک ڈاکٹر نے کیلومیٹر میرے پیروں میں مل دیا تھا اور خواہ وہ اُس وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بہت سوچ گئے تھے۔

سندھ میں میرے قیام کا تیسرا سال شروع ہو گیا تھا جو لوگ اُس وقت اُس ملک میں داخل ہوئے تھے جب میں آیا تھا اُن میں سے صرف چند ہی شخص رہ گئے بعض مر گئے تھے اور کچھ بیمار ہو کر رخصت ہو گئے۔ وہاں کی آب و ہوا کے ناقص

ہونے کی کیفیت خاص کرتازہ واردوں کے لئے رجو کسی قدر غرصہ تک خیموں میں
مجبوراً رہنے کی باعث تھی، اسی سے بھی جاسکتی ہے کہ اصلی پولیٹیکل افسروں
کا اسٹاف سندھ اور شال میں جوتھا اُس میں سترہ افسر تھے۔ ان میں سے
دس مر گئے تھے چار کو بوجہ بیمار رہنے کے پنشن یعنی پڑی تھی۔ اور صرف تین ہندو
میں رہ گئے تھے۔

میرے افسر بالا واقف تھے کہ میری تندرستی زائل ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ
انہوں نے مجھ کو لکھا تھا کہ اُن کا ارادہ بیماری کے سرٹیفکٹ پر انگلستان نصبت
لے کر جانے کا ہے۔ اور مجھے صلاح دی تھی کہ میں بھی بمبئی جانے کی رخصت مانگوں
اس طرح وہ بخوشی مجھے ہمراہ لیتے جائیں گے۔ افسوس کہ تقدیر کا حال کسی کو
معلوم نہیں رہتا۔ قبل اس کے کہ وہ خط میرے پاس پہنچے اس کا کاتب
قضا کر گیا۔ کیونکہ وہ ابھی نوجوان شخص اور مردانہ قوت اور خوب روئی کا نمونہ
تھا اور آئندہ کی بہت کچھ تدبیریں کر رہا تھا اس کو یہ خیال نہ ہوا کہ زندگی
کی کتاب ’سس زمانے میں قریب الا ختام ہو رہی تھی۔ اور مہر خاتمہ اُس پر
ہونے والی تھی۔ اس امر سے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ کون ایسا ہے جسے اُس خط کو
پڑھ کر افسوس نہ ہوگا۔ جس میں اپنے پیارے وطن کے جانے کی امیدیں ہوں
اور پھر چند روز کے بعد معلوم ہو کہ لکھنے والا قضا کر گیا۔ ہر چند کہ ایسے واقعات
ہندوستان میں عام ہیں مگر جب انسان غرصہ تک رہ لیتا ہے تو اُس کا اثر جتنا بہت
ہے۔

اپنے افسر بالا کی پولیٹیکل افسری کے زمانے کی
پولیٹیکل افسر اور میررستم کے مخافین | حالت کی بابت میں بہت کم تعریف کر سکتا ہوں۔
وہ نہایت ہمت اور لیاقت کا شخص تھا اور سخت محنت کشی کے ساتھ بروقت ضرورت

کام کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ زیادہ تر ان ہندوستانیوں کے باعث دھوکا کھاتا تھا جو اُس کے ہمراہ اور میررستم کے مخالف تھے۔ چاہے جو وجہ اس حکمت عملی کی ہو۔ جو اُس نے اختیار کی تھی۔ نتیجہ خراب ہوا۔ بشرطیکہ اس امر کو لوگ خراب سمجھیں کہ جو لوگ کسی زمانے میں انگریزی سرکار کی توقیر کرتے ہوں وہ پھر نفرت کرنے لگیں۔ اور عرصہ تک بے انصافی اور سختی سے ایک خوں ریز لڑائی پیدا ہو جائے۔ مانا کہ اُس لڑائی میں فتح نصیب ہوئی اور جرنیل نے ایک نئی چمک اُس نام میں پیدا کی۔ جو تاریخ میں پہلے ہی سے بہت چمکیلا تھا مگر اس سے کیا کیا قیصر و لنگشن اور میپٹر کی تمام فتوحات میزان میں کسی ایک ایسے ناشایستہ اور جاہل مگر وفادار اور راست باطن شخص کے خون کے برابر ہوں گی جو اپنے سردار کو قید سے محفوظ رکھے اور اپنے ملک کو غارت گری سے بچانے کے لئے مارا گیا؟ ہرگز نہیں!

سرداران خیروپور سے دوستانہ مراسم | جب میجر اوٹرم کو شمالی سندھ کا چارج ملا تو بے اعتباری اور عداوت کا زخم جو اتنے عرصے تک

بہ کوشش قائم رکھا گیا تھا فوراً بند ہو گیا اور خیروپور کے سرداروں نے جو عرصہ سے شمشیر برہند ہو جاتے مگر جلد قوت میں دب جانے کے باعث رُک رہے تھے۔ اب انگریزی سرکار سے پہلا دوستانہ تعلق از سر نو قائم کرنے کا خیال کیا۔ جو طوفان کہ جوش میں آ رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ میں ٹل گیا۔ اور ہر چند کہ چارے ضعف کا زمانہ یعنی کابل کا واقعہ قریب تھا۔ تاہم ہمارے خلاف سندھ میں جو پہلے اس قدر مخالف تھا ایک نیزہ بھی کسی نے نہ اٹھایا۔ یہ قصہ اب پُرانا ہو گیا ہے اور پولیٹیکل معاملات کو از سر نو زندہ کرنے والے کے ساتھ ویسی ہی سختی کی جاتی ہے جیسی کہ اُس کے ساتھ جو گڑے مردے اُکھاڑے۔

بلوچیوں کا اعلیٰ کردار | مگر امرحق انسان کو خاموش نہیں رہنے دیتا۔ جب کسی شخص

نے اپنی آنکھوں دیکھا ہو کہ صریح ظلم کیا جاتا ہے وہ انصاف کے ہاتھ محض جس کی طرح ہو جاتا ہے جو خواہ مخواہ جیسا کہ مسٹر ویلز نے تشبیہ بیان کیا ہے اُس سے وقت دریافت کر لے گا۔

پس میں کہتا ہوں کہ میانی نے صاف صاف بتا دیا کہ بلوچی کیا کر سکتے ہیں یعنی وہ بہادری سے لڑ سکے اور مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں اور اُن کے اختیار میں یہ امر تھا کہ جس وقت ہمارے پرچم کی کابل میں دھمیاں اڑائی گئیں اور وہ روند اگیا اُس وقت وہ ہم کو ایک سخت ضرب رسید کر سکتے تھے جس سے اُس وقت جب کہ ہم لوگ لڑکھڑا رہے تھے۔ بالکل چت ہو جاتے۔ جب وہ اُس وقت خاموش رہے تو ہم کو مناسب تھا کہ اُن کے ساتھ ہمدی کرتے جب کہ وہ کمزور اور ہم قوی تھے۔

میں سکھر میں اس قدم عرصے تک رہا کہ میں نے اُس تنیر کو دیکھا جو امیروں کے مزاج میں اُن کے دربار کے ریڈیو نمٹوں کی تبدیلی سے آگیا تھا۔ اُس کے بعد سخت بیمار ہونے پر مجھے نئی آب دہوا کی تلاش میں بھلت تمام سہارا نا پڑا۔

روٹھری سے روانگی | ۵ اگست ۱۹۴۷ء کو میں نے چارج دو سرے کو دیا اور دریا کی راہ تیزی سے روانہ ہوا۔ اس میں میری امداد دریا کے بہاؤ سے کی جو چڑھا پر جانے والے کی سرعت بہ حساب سات میل فی گھنٹہ روکتا ہے۔ واقعی گویا دریا لوگوں کو شمالی سندھ کے اُن خراب ملکوں میں آنے سے منع کرتا ہے۔ یعنی اگر وہاں جانا چاہے تو وہ آپ کو سختی سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اور اگر وہاں سے آئے تو بہ بھلت تمام نکال دیتا ہے۔ جب میری کشتی میجر کلڈن کے مکان کے نیچے ہو کر گزری تو وہ کھڑکی پر آکر صاحب سلامت کے شائق ایکس نے کہا کہ میں صرف ایک ماہ کے لئے جاتا ہوں اور جلد واپس آؤں گا۔ انکھوں پر جواب دیا کہ تم کبھی نہ آؤ گے۔ اور نیچے جا کر کھڑکی بند کر لی۔ میں نے پھر کبھی انہیں نہ دیکھا۔

دریا نہایت زوروں پر تھا اور بعض مقامات پر وہ اس قدر جوش کھاتا تھا جیسے کسی ڈائن کی کڑھائی ہو۔ وہ پُرانی سینڈے بیونا کی قد آور ڈائنیں نہ میکبتہ والی چھوٹے قد کی۔ اُسی مقام کے قریب جہاں کسی زمانے میں کلینبرن کا مکان تھا دریا نہایت ہی عمیق ہے اور ایک بھور اُس رُکاوٹ کے باعث بن جاتا ہے جو پُرانی عمارت کے کسی باقی ماندہ حصے سے تیز بہتے ہوئے پانی کی ہوتی ہے۔ جب دریا اُترا ہوا ہوتا ہے تو یہ عمارت صاف نظر آتی ہے۔ اور ایک اور زیادہ قطعی ثبوت یہ نسبت خواجہ خضر کے کہتے کے اس امر کا ہے کہ دریا اور یہ یہاں ہٹ کر آگیا۔

اس جگہ گویا ایک محافظ کے طور پر روزانہ ایک بڑا گھڑیاں نظر دریا کی سفر آتا تھا۔ میں نے خود کبھی نہ دیکھا مگر اور افسروں نے مجھ سے کہا کہ اکثر اُن لوگوں نے اُس پر گولیاں چلائیں اور اُس کی لمبائی میں فٹ سے کم نہ ہوگی۔ موضع کلورا میں جو قریب چھ میل کے سکھر سے ہے جس دفانی جہاز سنیلٹ کے پاس ہے۔ ذکر گذرا جو چرچہ پر چڑھ گیا تھا۔ میں نے میجر اوٹرم کو رائے دی تھی کہ یہ جہاز دیرہ اسمیل خاں کو بھیج دیا جائے یا جہاں تک جا سکے وہاں دریافت حال کے لئے بھیجا جائے کہ آیا دریا کہاں تک قابل جہاز رانی ہے اور دیرہ جات کے ساتھ تجارت کرنے کا کہاں تک موقع ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا وہ جہاز بھیجا گیا یا نہیں۔

۶۔ کو میں سہوان سے گزرا اور، کو ایک موضع میں پہنچا جو گوتم کہلاتا ہے اور ایک سید کا ہے۔ میں اپنی تفریح طبع کے لئے ٹاسٹیس کی تاریخ پڑھتا جاتا تھا کبھی کبھی بڑی مرغابیوں پر جو دریا کے منحنی حصار ہیں بھور پر منڈلاتی اور چکر لگاتی تھیں بندوق کا فر کرتا تھا۔

باقی ہے۔

۸۔ کو مجھے ایک دقت پیش آئی۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں غرقابی کا خطرہ موج اس قدر بلند تھی کہ منڈیل نے اس سے مڈ بھیڑ ہونا قطعی بریادی

بیان کیا۔ ہوا تند اور مخالف تھی۔ اور اُس نے چاہا کہ جب تک اللہ کی مہربانی سے کوئی عمدہ سامان نہ ہو کشتی لنگر کی جائے۔ حسب اتفاق ہم لوگ ایک چھوٹے ٹکڑے ناک کے قریب تھے۔ جس میں پانی منجہ حار کے ہوش و خروش سے تھک کر آرام کر رہا تھا۔ یہاں ہم لوگ ٹھہر گئے اور جُو، چاول اور شوربہ دار گوشت کے کھانے کا سامان کرنے لگے۔ اُس وقت منڈیل نے خیال کیا کہ یہ بہتر ہو اگر کوئی ملاح نہ لے کے اُس پار تیر کر جائے۔ اور دیکھے کہ آگے پانی کی کیا کیفیت ہے آیا ویسا ہی ہوش و خروش ہے یا کم۔ جونہی یہ کہا گیا ایک ملاح فوراً اس کے لئے تیار تھا دریا میں میں کود پڑا۔ واقعی اُس کے جسم پر بہت کم کپڑا تھا جو دھوئے سے کچھ صاف ہو جاتا، اور دوسرے کنارے کی طرف مردانہ داخل نکلا۔ اُس کے غوطہ لگانے سے پہلے میں نے اُس سے کہا تھا کہ میرے خیال میں وہ اہل دھارے کے بہت قریب ہے اور اُس کے منجہ حار میں کچھ جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن اُس نے ہنس کر اپنی رائے پر کام کیا۔ نائے کے آدمی دور نہ گیا ہو گا کہ ہم نے اُس کو دیکھا کہ وہ اُس کے رہانے کی جانب کھینچا پلا جاتا ہے اور چند ہی لمحہ کے اندر وہ ایک بھنڈ میں آگیا اور بہہ کر دریا میں چلا گیا۔ اُس کا سر پانی کے نیچے کئی بار گیا۔ اور باوجود اپنی مشاقتی کے دیکھو کہ یہ لوگ گویا خشکی و تری دونوں کے کپڑے ہوتے ہیں، یہ ظاہر تھا کہ وہ ڈوب جائے گا۔ کشتی سے یہ حال دیکھ کر مجھے بہت کچھ حیرانی ہوئی۔ اور اس وجہ سے اور بھی کہ میں خود تیراکی نہ جاننے کے باعث اُس کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اور اگر میں عمدہ تیراک بھی ہوتا تو اُس سے خطرے کی حالت میں مدد نہ دے سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے میرے پاس ایک بڑا کدو تھا جس میں رسی بندھی ہوئی تھی جس کے وسیلہ سے ہندوستانی مشا ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر تیر کر جاتے ہیں۔ اُسے میں نے منڈیل کے ہاتھ میں دے دیا کہ اندر دھکا دے کر بھیج دیا کہ ملاح کی مدد کرے۔ ایک لمحہ قبل وہ لاپردانی سے کھڑا ہوا تھا اور ظاہر اُس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا۔

کہ اگر تمام بنی نوع انسان بھی پانی میں غرق ہو جائے تو اُسے کچھ پروا نہ ہوتی۔ لیکن غوطہ لگانے سے تمام کاٹلی ایک منٹ میں دور ہو گئی۔ اور سرد پانی نے اُس کا نشہ اتار دیا۔ چند بار زور سے ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد وہ ڈوبنے کے قریب پہنچا اور دونوں گرداب بلا سے بذریعہ اُس کدو کے نکل آئے۔

کشتی کشکشی | دوسرے دن چونکہ ہوا تھمی نظر آتی تھی سوائے اس کے کچھ نہ سوجھی کہ قسمت آزمائی کریں اور آگے چلیں۔ ہماری کشتی اگر سب سے بڑی نہ تھی تو بڑی کشتیوں میں سے تھی۔ مگر دریا کی لہریں اُسے ڈبوتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اُس کا پچھلا حصہ بہت ٹوٹ گیا مگر اُسی قدر نقصان کے ساتھ ہم لوگ بچ نکلے۔ دو کشتیوں کے پرزے جو نالہ کے کچھ آگے پڑے ہوئے تھے اُن سے معلوم ہوتا تھا کہ کس خطرے میں ہم لوگ آگئے تھے۔ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ ایک کشتی جس میں دو افسر حیدر آباد کو جا رہے تھے۔ اسی مقام پر تباہ ہو گئی تھی۔

احمد خاں مغزی سے ملاقات | ایسے نامایم حملوں سے حتی الوسع بچنے کے لئے میں نے حیدر آباد سے پچیس میل ادھر جا کر دریائے سندھ کو چھوڑا اور وہاں پھیلی کی راہ گیا۔ موسم سرما میں پھیلی تقریباً خشک رہتا ہے مگر سیلاب آنے پر وہ بہت تیز بہتا ہے اور قریب سو گز کے چوڑا آٹھ یا دس فٹ گہرا ہو جاتا ہے۔ کناروں پر بانغات اور مواضع واقع ہیں اور وہ ضلع جس میں ہو کر دریا بہتا ہے۔ ظاہر بہت آباد ہے۔ جہاں دریائے سندھ سے ملا ہے وہاں ایک عمدہ شکار گاہ ہے جو اُس وقت حیدر آباد کے امیروں میں سے ایک شخص نور محمد خاں کے پاس تھی۔ آگے بڑھ کر میں ایک دوسری شکار گاہ سے گذرا جو محمد خاں نورا کی تھی۔

تمام شب اُس دن بند ہوا چلتی رہی۔ صبح کو اس قدر کم چلنے سے پریشان ہو کر میں نے ایک ظاہر معزز بلوچی کو جو کنارے پر تھا آواز دی اور اُس سے کہا کہ اپنا گھوڑا

ایکجہی تک جانے کے لئے عاریتاً دے۔ وہ نہایت اخلاق سے ٹھہر گیا اور میری خشک درخواست کو قبول کیا۔ جب کنارے پر پہنچا تو میرا نیا ہمراہی تھوڑا سا دعوہ لایا اور ہم لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اُس نے بیان کیا کہ بارہ روپیہ مجھے تنخواہ ملتی ہے اور مشکل سے اپنے بال بچوں کو پال سکتا ہوں۔ قومیت کے لحاظ سے وہ مغزی اور احمد خاں کے قبیلے سے تھا جس کے قبیلے کے پندرہ شخص حیدرآباد میں ہوں گے۔

میسجر اوٹرم سے ملاقات | جس وقت ہم لوگ گفتگو کر رہے تھے ابراہیم شاہ آیا۔ میں اس کے ایک آدمی کے گھوڑے پر سوار ہوا اور ہم لوگ دس میل چل کر قلعہ اور شہر حیدرآباد سے آگے ایکجہی میں قریب دوپہر کے پہنچے۔ یہاں مجھ سے میسجر اوٹرم سے ملاقات ہوئی۔ اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ جس طرح ریڈیلینٹوں کے تبدیل ہو جانے سے امیر خوش تھے اس سے کم میں بھی نہیں ہوں۔ میسجر اوٹرم برتاؤ کے صاف اور مہربان تھے۔ اپنے اسٹنٹوں سے کوئی بھید پوشیدہ رکھتے تھے اور نہ ان کے ماتحت منشیوں کو رازدار بناتے تھے۔ ہر چند کہ ان کی محنت شاقہ کی برابری کرنی کسی سے ممکن نہ تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ماتحتوں کی جاں فشانی کی داد دیتے تھے۔ اور چونکہ خود ان کے کام عمدہ ہوتے تھے اس لئے وہ دوسروں کے اچھے کاموں کا فخر اپنے سے میں نہیں کرتے تھے۔

باب ۱۲

حیدر آباد

شاہ داد اور حسین علی کا وراثت پر تینا زعم | مجھے معلوم ہوا کہ بہت جلد دربار حیدر آباد سے خطاب کرنے کا موقع ملے گا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کا ارادہ تھا کہ چند ضروری امور صبح کو امیروں سے طے کرے۔ چنانچہ اُس نے مجھے بھی موجود رہنے کے لئے کہا۔ میرنوز محمد اپنا ملک اپنے دونوں فرزندوں شاہ داد اور حسین علی کو چھوڑ کر مرا تھا کہ اُن میں یہ حصہ مساوی تقسیم کر دیا جائے۔ مگر بڑا بھائی شاہ داد جو ایک عیاش لڑکا تھا اس بات پر آمادہ تھا کہ اپنے بھائی کو اُس کے واجب حق سے محروم رکھے۔ اُس کی تائید مرزا باقر اور اسماعیل شاہ کے خاندان والے جو خود ایک فوج کی فوج تھے۔ اور بہت سے زبردست بلوچی سردار بھی کرتے تھے مگر حسین علی کی حمایت پر نواب احمد خاں تھا۔ جو ایک بہادر اور کار آزمودہ سپاہی تھا۔ میجر اوٹرم جو ہمارے افسر و قوم کے برتاؤ سے ایک عمدہ اور مختلف برتاؤ کرنا اور خاندانی جھگڑے کو طے کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے دن درباری قصد سے جا لے والے تھے۔

ایجنسی سے حیدر آباد کے لئے روانگی | ہم لوگ صبح پانچ بجے ایجنسی سے روانہ ہوئے جو چار

یا پانچ میل حیدر آباد سے ہے۔ ایجنٹ نے ایک افسرے جو ان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، گھوڑا عاریتاً لے لیا تھا۔ وہ جانور نہایت بد تھا اور اُس کے مالک نے کوڑے سے کام نہ لے کر اُسے خراب کر رکھا تھا۔ ہم لوگ مشکل سے سو گز گئے ہوں گے کہ اُس نے بدی شروع کی۔ مگر اُسے معلوم ہو گیا کہ دوسرا سوار اُس کی پشت پر ہے۔ چند سخت پھٹکاروں اور فولادی رانوں میں سخت دبانے سے اسے صاف ظاہر ہو گیا کہ اطاعت ہی اس وقت مصلحت ہے۔ ایک یا دو بار پشتک چلانے کے بعد اُس نے شرارت موقوف کی اور جلوس روانہ ہوا۔

حیدر آبادیوں کا استقبال | جب ہم لوگ دو میل کے قریب گئے ہوں گے کہ ہم لوگوں کا حیدر آبادیوں کا استقبال سخت گردوغبار نے کیا جس سے بہت جلد تقریباً سوا سو بلوچی سواروں کے نظر آئے جو ہمارے لینے کے لئے آ رہے تھے۔ اس قسم کا اخلاق ذرا تکلیف دہ ہے۔ جس سے گردوغبار حد سے زیادہ پیدا ہو جائے خاص کر اُس وقت اور بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جب آپ کسی عمدہ اسیل جانور پر سوار ہوں جو اپنے پیچھے چند بد روٹوؤں کا آنا ناپسند کرتا ہو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چونکہ اپنے پاؤں کی حالت کے باعث مجھے ذرا ڈھیلے جوتے پہننے پڑتے تھے۔ پس پہلے ہی حملہ میں ایک جوتا پیرے نکل کر کھو گیا مگر میں نے حتی الوسع جہاں تک ممکن ہوا اپنے نقصان کو چھپایا اور اخلاق کو برتا اور اُسی حالت سے اترنے کی جگہ پر پہنچا۔

حیدر آباد کا دربار | مگر جب خراب ہوا چلتی ہے تو سب پر یکساں اثر ڈالتی ہے۔ راہ میں ایک پاؤں کے جوتے کے گر جانے سے میں گویا اُس رسم کے ادا کرنے کے لئے جو دربار میں جاتے وقت کرنی پڑتی ہے۔ نصف آمادہ ہو رہا تھا۔ ایرون نے ابتداء ہی سے ہمارے ایجنٹوں سے دربار میں جوتے اتار کر جانے کا قاعدہ رکھا تھا اور یہ رسم ان لوگوں میں ہمارے ہاں کی لٹپی اتارنے کے برابر ہے۔ جب ہم لوگ بیٹھے

یعنی ہم لوگ کرسیوں پر 'خاص خاص امیر و نگلوں پر اور ان کے متعلقین قایلین پر تو جس غرض سے ہم لوگ گئے تھے وہ بیان کی گئی۔

شاہ داد اور حسین علی میں مصالحت | میں اس انتہا کے شور و غل کو جو سیکڑوں فولادی گلو و اے بلوچی سرداروں نے بپا کیا اور یک بیک

دونوں نوجوان امیروں کے حقوق کی نسبت سخت بحث کرنے لگے، بیان نہیں کر سکتا۔ میرا کام ترجمان کا تھا۔ اور یہ کام نہایت مشکل تھا۔ مجھے احمد خاں کا طرز پسند آیا جو زبان سے کم کہتا تھا لیکن صورت سے اس کی کیفیت ظاہر تھی۔ نصیر خاں جسے اب لوگ رئیس خاندان تصور کرتے تھے ظاہر شاہ داد کا معاون معلوم ہوتا تھا۔ آخر کار ایکبٹ کی فہمائش کارگر ہوئی۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ دونوں بھائی ایک معاہدہ صالح برائے قرآن کریں۔ کہ آپس میں میل جول رکھیں گے اور اپنی ریاست کے جھگڑے کو دل سے طے کریں گے۔ جو لوگ حسین علی اور شاہ داد کے بلوے کے لئے بھیجے گئے۔ ان کو جلسہ عام میں بغل گیر کرایا گیا۔ میں بہت خوش ہوا کہ مجھے آخر الذکر شخص سے کام نہیں پڑا۔ کیونکہ اس کی صورت اچھی نہ تھی۔ اس کے برعکس میرا ارادہ ایک حسین جوان کی طرف تھا جس کے جھنڈے گھونگر دالے سیاہ بالوں اور بڑی بڑی درخشاں سرگیں آنکھڑیوں نے کسی انگریزی ناپچ کے جلسہ میں بہت سی لیدیوں کو گھائل کیا ہوتا۔ مجھے حسین علی اپنے چچا میر صوبہ دار کے مکان پر ملا جس کا بڑا بیٹا فتح علی خاں ہم لوگوں کے ساتھ دربار میں آیا۔ لوگوں کی کثرت اس قدر تھی کہ جائے تنگ است و مردمان بسیار کی مصداق ہو رہی تھی۔ اور ہم لوگوں کو بعوض اپنے بل چلنے کے بدلے کشاں کشاں چلنا پڑا اور بعض تنگ راستوں میں دب جانے سے بچے۔

شکارپور کی حوالگی کا مطالبہ | جب یہ معاملہ طے ہو گیا تو دوسری گفتگو یہ شروع ہوئی کہ بعوض اس زر نقد کے جو ہماری گورنمنٹ کو امیروں

بذریعہ صلح نامہ کے دینے کا وعدہ کیا تھا شکار پور حوالہ کر دیا جائے۔ تمام امیر اس حوالگی کے خلاف تھے۔ خاص کر نصیر خاں جس نے کہا کہ ”صاحب سردار کے لئے زمین کا دے دینا بے عزتی ہے۔ یہ امر اس وقت نامتناہی رہا۔“

کارروائی کی رپورٹ | گیارہ بجے ہم لوگ ایجنسی کو واپس آئے اور ہمارے افسر بالا نے مجھ سے اُس دن کی کارروائی کی رپورٹ تیار کرنے کی درخواست کا افتتاح بخشا۔ چونکہ کئی فارسی کاغذات کا مقابلہ کرنا اور جانچ کرنا تھا۔ میں نے اس کام کو دوسرے دن ختم کیا اور وہ رپورٹ گورنر جنرل کے پاس روانہ کی گئی۔ جس طور پر ہم لوگ اُن دنوں کام کرتے تھے اُس کی مثال اس سے سمجھنی چاہیے کہ باوجودیکہ میں بیمار ہو رہا تھا تاہم میں شب کو تین بجے اپنی رپورٹ کے تیار کرنے کے لئے اٹھتا تھا اور ساڑھے تین بجے میں نے اپنے کمرے میں کسی کے قدم کی چپا سنی۔ دروازہ کھل گیا اور میجر اوٹرم اندر داخل ہوئے۔ وہ مجھے کام کرتا پا کر متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ ”میں تم کو جگانے کے لئے آیا تھا کہ رپورٹ لکھنا وقت سے شروع کر دو لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم پہلے ہی سے کام کر رہے ہو۔“

حیدرآباد کی آب و ہوا | میں دس دن تک حیدرآباد میں ٹھہرا رہا اور وہاں کی خشک آب و ہوا کا بمقابلہ سکھر وکھی کے لطف اٹھاتا رہا تاہم میرا خیال ہے کہ چند ہی لوگ جو جنوبی سندھ میں رہ چکے ہوں حیدرآباد کو لطف کا مقام تصور کریں گے مگر میرے لئے وہ بعد اُس گرمی کے جہاں سے میں آیا تھا فرحت کی جگہ تھی۔ چنانچہ سعدی کا قول یہ صحیح ہے کہ ”از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است“۔ سندھ کی ہوا جس کا آخری جھونکا سہوان پہنچنے تک جاتا رہتا ہے۔ حیدرآباد میں محسوس ہوتی ہے۔ ایجنسی کا مکان جو اوٹرم کی مشہور محافظت کے بعد مشہور ہو گیا۔ واقعی قابل حفاظت کم معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک بڑا اصلی کی شکل کا مکان دیر سندھ سے تلگوگز

کے فاصلہ پر تھا اور ایک وسیع کھلا ہوا میدان اُس کے مشرق میں حیدر آباد تک اور مغرب میں دریا اور ایک پائیں باغ اور بلند درختوں کا ایک باغ جانب جنوب تھا۔ ایک مختصر سے احاطہ میں جو اُس عمارت کے قریب تھا کچھ پالتو ہرن ہر قسم کے چھوٹے قد سے سا بھر تک تھے۔ ایک بارہ سنگھا بوجہ خوبصورتی کے پیار کرنے پر انسان کو مائل کرتا تھا مگر ہاتھ پھیرنے پر وہ خشکین ہو کر سینگ مارتا تھا جو مثل خنجر کے تیز تھے۔ اور اگر وہ حملہ بخوبی کرتا تو ایک لمحہ میں جان نکال لیتے۔ رہا شہر جو بمقابلہ جنوبی سندھ کے اور شہروں کے آباد اور وسیع بھی ہے ہر چند کہ عمارات جو اور جگہ نظر آتی ہیں بجز قلعہ کے ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔

حیدر آباد کا قلعہ اور عمارات | مکانات بالعموم مٹی کے ہیں۔ اس سے انھیں خاص گھونسلے نہیں تصور کر سکتے۔ ان کی دیواریں دبیر وسیع مکانات اکثر کئی درجہ بلند ایک قسم کے چھوٹے محلوں جیسی ہوتی ہے۔ قلعہ ایک بد قطع پنج کونی عمارت ہے جس کے گرد پختہ اینٹوں کی دیواریں بغیر خندق یا کسی بیرونی تعمیر کے ہیں اور جا بجا وہ بے مرمت و مسمار ہیں۔ اُس کے اندر صرف امیروں کے عیال و اطفال رہتے ہیں۔ پنج میں ایک وسیع تودہ مٹی کا ہے جس میں اس وقت لوگ امیروں کا خزانہ گڑا ہوا سمجھتے تھے۔ مشہور تھا کہ دولت بے حد ہے مگر تجربے نے اتنی مرتبہ ایسے حالات مشرقی بادشاہوں کی دولت کے دروغ ثابت کئے ہیں۔ کہ یہ تعجب ہے کہ امیروں کی دولت کی نسبت لوگوں کو اس قدر اعتقاد ہو گیا تھا۔

کلبھوڑا خاندان کا خزانہ | جب تالپور خاندان والوں نے حیدر آباد میں کلبھوڑا خاندان کو پامال کیا تو اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کا خزانہ ان کے ہاتھ آیا۔ مگر جیسا کہ الفنسٹن صاحب کی تاریخ کابل سے معلوم ہو گا کہ جب افغان بادشاہ شاہ زمان نے ۱۸۹۳ء و ۱۸۹۴ء میں اپنے جنوبی صوبوں کا بندوبست

ذات خاص کیا اُس وقت اُس نے سندھ کے امیروں کو چار کروڑ چالیس لاکھ روپیہ خراج کے طور پر دینے کے لئے مجبور کیا۔ اگر واقعی اس قدر زرِ خطیر کا نصف بھی وصول ہوا۔ تو ظاہر ہے کہ کلہوڑا خاندان والوں کا خزانہ کس طور صرف ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اُس وقت سے سندھ کے خزانہ سے کچھ زیادہ رقم نہ کیٹنی۔ البتہ دو مرتبہ پھر کچھ رقیں لی گئیں ایک تو سنہ ۱۷۷۱ء میں شاہ شجاع نے سترہ لاکھ روپیہ وصول کیا اور دوسرے اُسی بادشاہ نے سنہ ۱۷۷۳ء میں کچھ لیا۔ مگر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ کس قدر۔

سندھ کے محاصل | اس کے علاوہ سندھ کا کل محاصل برسوں قبل ہمارے حملہ کے ستاون لاکھ سے کبھی زیادہ نہ ہوا تھا جس میں سے بیس لاکھ تو شمالی سندھ کے امیروں کو مل کر تھے۔ اور سات لاکھ میرپور کے سردار شیر محمد کو ملتا تھا۔ بقیہ تیس لاکھ حیدرآباد کے پانچ خاص خاص امیروں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ اس طرح ہر ایک کی آمدنی انگلستان کے درجہ دوم کے امیر سے زیادہ نہ تھی۔ اور سب کی یک بئی آمدنی ہمارے سدر لینڈ اور بکلیو کے ڈیوکوں اور لارڈ ویسٹمنسٹر کے برابر تھی۔

اس رقم میں سے ہزاروں متعلقین کو دینا ہوتا تھا۔ بادشاہوں کا سامان لکھنا ہوتا تھا اور ہر قسم کی سرکاری تعمیرات کا خرچ دیا جاتا تھا۔ اس میں اس امر کو بھی شامل کر لیجئے کہ مال گزاری کا دو تہائی غنیمت کی شکل میں وصول ہوتا تھا۔ پس یہ امر حیرت انگیز ہے کہ جب خزانہ جس کے سب عرصہ سے خواہاں تھے۔ آخر تقسیم ہوا۔ تو اُسی قدر نکلا جتنا کہ وہ تھا۔ اس کے سوا تالپر خاندان میں بعض بہت ہی فضول خرچ سردار تھے۔ مثلاً میر کرم علی اپنی داد و دہش کے لئے مشہور تھا۔ اور تعمیرات کسی زمانے میں اپنے خرچ میں نہایت مُصرف تھا جس کے باعث وہ اپنے بھائی

نور محمد ناں کا اُس کے تمنا کرنے کے چند برسوں تک محتاج تھا۔ اسی وجہ سے وہ بہاری ملاقات کے وقت شاہ داد کا حامی نظر آتا تھا اور نہ چچا کی طبیعت اپنے طماع اور حریص بھیجے سے میل نہ کھاتی تھی۔ نہ نور محمد نہ صوبہ دار کے پاس کچھ دولت تھی۔

امرائے سندھ | جو مدارات امیروں نے ہم لوگوں کی کی وہ ایسی نہ تھی جس سے ہم کو اُن کے دربار کی عظمت و شان کا خیال ہوتا یا کہ کسی طور پر اُن کے درباریوں کی تہذیب کا تصور ہو، قلعہ کے اندر جانے کا راستہ ایک لمبی تنگ گندی سڑک سے ہے جس پر ترخیائوں کی بھڑکتی اور ان میں بہت سے شدید یعنی جھٹی تھیں۔ درباری دیوان خانہ چھوٹا بغیر کسی شان و شوکت کے تھا۔ لیکن گوکہ امیروں کی عمدہ فہم اور سادہ روش نے اُن کو نمائش کرنے سے باز رکھا تاہم اُن کے تمام مکانات کی نسبت اُس ذلیل الحیثیت دیوان خانے سے جہاں اُن لوگوں نے ریڈیو سے ملاقات کی کوئی رائے قائم نہ کرنی چاہیے۔

ایک مرتبہ نصیر خاں نے ہم لوگوں کو اپنے خاص مکانات دکھائے۔ اُن میں بہت سے عمدہ کمرے تھے اور ایک نہایت بلند اور شان دار تھا۔ جو دیوان خانے کے قبل اُس کمرے سے زیادہ تھا جسے لوگوں نے اس مصرف میں رکھا تھا۔ اُس میں ایک عمدہ ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دیواروں پر ایران کے بادشاہوں کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔ مگر اس موقع پر انداز سے زیادہ سادگی برتی گئی۔ جو نقص کے درجے کو پہنچ گئی۔ ایک گوشہ میں ایک جھروکے کے قریب جو ایک سادہ بڑے تختہ سے نصف بند تھا ایک معمولی دنگل بچھا ہوا تھا۔ ملاقات کی کوئی ترتیب باقاعدہ نہ تھی۔ لوگ برابر آتے جاتے باتیں کرتے یا غمو شس رہتے تھے جس طرح اُن کا جی چاہتا تھا۔

امیر نصیر خاں | لیکن بعض امیروں کے طریقے اور روش مثلاً نصیر خاں کی نہایت دل فریب

تھی۔ وہ ایک بہت ہی جسم شخص تھا۔ مگر صورت سے نہایت خوش رو اور اُس کی بات چیت میں ایک صفائی اور کشادگی ایسی تھی جس سے انسان کا دل اس کی جانب مائل ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اُس کے طریقوں سے انسان کو ایک نہایت ہی شائستہ انگریز امیر کا خیال ہوتا تھا۔ اُسے بلوچی بہ نسبت اُس کے بڑے بھائی نور محمد مرحوم کے زیادہ جانتے تھے۔ میں نے نور محمد کو کبھی نہیں دیکھا جسے لوگوں نے نہایت طماع اور صورت میں بالکل نصیر فاں کے برعکس بیان کیا ہے۔ یعنی شہادت نہایت کمزور اور عیاری آمیز تھی اور آنکھیں سرعت کے ساتھ پھرتی تھیں جس سے شک اور بے اعتباری پائی جاتی تھی۔

اُس کا بیٹا شاہ داد طرز میں اُس کا ہم شبیہ تھا اور مزید براں **امیر شاہ داد** ایک پستہ قامت و عیاش نوجوان پچیس سال کے سن کا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ امیر کے خاندان کے لوگ زیادہ خوش رو تھے بہ نسبت اسی قدر یورپینوں کے جو یوں ہی منتخب کر لئے جائیں۔ میر صوبہ دار جو میانی کی لڑائی کے بعد اپنے خاندان کی عام تباہی میں شریک تھا۔ ایک سادہ طبیعت، نہرک، متحمل مزاج اور شریفانہ طرز و روش کا شخص تھا۔ وہ کئی سال تک اپنے حق سے محروم رہا۔ باوجودیکہ وہ ان چاروں امیروں میں سے سب سے بڑے امیر کا بیٹا تھا جو کلہوڑا خاندان کے بعد سندھ کے مالک ہوئے تھے۔ مگر وہ شہنشاہ میں دارالامارت سے نکل بھاگا اور ایک بڑی جماعت بلوچیوں کی اُس کی شریک ہوئی۔ حتیٰ کہ اُس کے ساتھ پندرہ ہزار آدمیوں کی فوج ہو گئی۔ جس سے اُس نے امیروں کو مجبور کیا کہ وہ اُس کے باپ فتح علی کے ملک کو اُس کے حوالے کریں۔

اسی جھگڑے اور چند اور وجہوں سے وہ ہمیشہ بقیہ خاندان کے لوگوں سے علیحدہ رہتا تھا۔ جس وقت لارڈ کین وہاں جا کر اترے تو اس میں کوئی شک

نہیں ہے کہ اور امیروں نے اُن کی فوج پر حملہ کیا ہوتا۔ لیکن صوبہ دار نے اُن کی شرکت سے بالکل انکار کیا۔ پس اُس کی وفاداری میں انگریزوں کی نسبت کیونکر شک پیدا ہو گیا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اُس کی فوج میانہ کے میدان میں موجود تھی۔ لیکن اس امر کی کبھی تحقیقات نہیں ہوئی ہے کہ آیا واقعی وہ وہاں تھی۔ اور اگر تھی تو کل فوج تھی یا صرف ایک جزو اور نیز یہ کہ صوبہ دار نے اسے کہاں تک باز رکھنا چاہا۔

امیر نور محمد کی ذہانت | بعض لوگ امیروں کو عاہل اور وحشی تصور کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ مگر اکثر اُن کی گفتگو میں اُس سے زیادہ معنی ہوتے تھے جس قدر ہم انگریز اپنے نزدیک اُن کے شایان سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک مرتبہ جب ہمارے ریذیڈنٹ اور نور محمد میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ریذیڈنٹ اپنی سرکار کی ایمان داری اور بے غرضی کا بہت ذکر کر رہے تھے۔ نور محمد کچھ اس طور پر خاموش سن رہا تھا جس سے نیم رضا اور نیم غیر حاضری طبیعت کی پائی جاتی تھی۔ اور اس کے بعد گویا دوسرا ذکر کرنا شروع کرنا چاہتا ہوا پھر پوچھا کہ "آپ لوگ بہادر شاہ کے عہد سلطنت میں ہندوستان میں آئے تھے؟" ریذیڈنٹ نے جواب دیا کہ "نہیں پہلا انگریزی کارخانہ مقام سورت میں جہانگیر کے وقت میں قائم ہوا تھا۔" پس اُس وقت اُس کی گفتگو کا کچھ خیال نہ ہوا مگر جب فحش سے دریافت ہوا تو معلوم ہوا کہ فارسی قلمی کتابوں میں جو امیروں کے پاس ہیں۔ ایک تاریخ گجرات کی قبل اس کے کہ وہ اکبر کی سلطنت کا صوبہ ہوا موجود ہے۔ اس میں ایک نہایت مفصل کیفیت بہادر شاہ بادشاہ گجرات کے پرتگیزیوں کے ہاتھوں دغا سے مارے جانے کی ہے۔ پس نور محمد کا اپنی گفتگو سے یہ اشارہ تھا کہ مشرق کے

تمام معاملوں سے جو یورپین لوگوں سے تعجب انگیز ہوئے وہ نیک نیتی جس پر ریڈیڈنٹ بہت کچھ زور دے رہے تھے، نمایاں نہیں ہے۔

امراے حیدرآباد کی انگریزوں سے نفرت | اوائل ہی سے حیدرآباد کے امیر اُن برابری سے آگاہ تھے جو اُن کے ملک میں ہمارے

جاننے سے اُن کے خاندان کے لئے ہونے والی تھی۔ یہ عین مکاری ہے۔ اگر اب ہم حیلہ کریں کہ ہم نے جو صلحیں اُن سے کیں اُن کا مقصد ذرا بھی یہ تھا کہ امیروں کے فائدے کا کچھ خیال کیا جائے۔ انہوں نے ہر چند کہا کہ ہم کو صلح کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ارتباط کی۔ ہمارے ہاں کے ایلمچی تعینات کرنے سے ہم کو معاف رکھئے اور اگر ہمارے ہاں کسی افسر کو خواہ مخواہ بھیجا ہی چاہتے ہو تو ڈاکٹر کو بھیجو مگر باوجود اُن کی نفرت کے ہم لوگوں کا ارادہ اُن سے محبت بڑھانے کا تھا۔

امیروں کی نااہلی | دریائے سندھ کی جہاز رانی سے بے حد منفعت کے حاصل ہونے کی امید تھی۔ جن لوگوں کی فرض متعلق تھی وہ زمین کی زرخیزی

کا ذکر کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ سندھ ایک نہایت عمدہ ملک ہے۔ لیکن ان بلوچی ظالموں کی سخت حکومت سے دب رہا ہے۔ حیدرآباد کے قریب کی زمین نیل، تمباکو اور نیشکر کی کاشت کرنے کے قابل ہے۔ کراچی میں موقت دستباب ہوتے ہیں۔ اور اُن کے نکالنے سے اور زیادہ منفعت ہو سکتی ہے۔ لیکن امیروں کی جہالت اور حماقت نے اُس کو خراب کر رکھا ہے۔ اُس ملک کی کل دولت ان کے ہاتھوں اور چند اُن کے خاص لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور کسی قسم کے لوگ اپنی دولت کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ بلوچی ہر قسم کے کاروبار کو حقیر تصور کرتے ہیں۔ اور سوداگروں کو لوٹ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ بندہ دوں کو جو اُس ملک کی جملہ تجارت اور کاروبار کرتے ہیں لوگ ذلیل اور حقیر قوم تصور کرتے ہیں اور ہر موقع پر

اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوتی ہے اور اس طریقہ کے اصلاح پذیر ہونے کی کوئی امید بھی نہیں ہے :۔ ایسے الزامات حملہ کرنے والوں کے حریص کانوں میں ہکے جاتے تھے ۔ اگر یہ سب سچ بھی ہوتے تو بھی ہم کو کوئی حق نہ تھا کہ ملک کو اپنے قبضہ میں کر لیں تا وقتیکہ یہ ثابت نہ ہوئے کہ ہم کو دوسرے کا کپڑا اس لئے اتار لینا چاہئے کہ وہ اُس کے کسی سوراخ کی مرمت نہیں کرتا۔

امیر نصیر خاں کا اخلاق | ریڈیٹنٹ اور اس کے اسٹنٹوں کی ملاقات میں امیر ہمیشہ اخلاق اور انسانیت سے پیش آتے تھے بلکہ بعض اوقات اُن کے طرز و روش میں ندامت مردانہ ہمت کی پائی جاتی تھی ۔ ایک موقع پر جب نصیر خاں ایجنسی میں آیا ہوا تھا ۔ اور یہ نہ جانتا تھا کہ وہاں لیڈیاں بھی رہتی ہیں ۔ ایک کمرے میں داخل ہوا ۔ جہاں ایک لیڈی بیٹھی ہوئی تھی ۔ وہ فوراً ادب سے اُٹ کر یاؤں پلٹ گیا اور سوار ہو کر حیدر آباد واپس چلا گیا ۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کے پاس سے آدمی ایک خط معافی کا کہ نادانستہ حالت میں ایسا ہوا ، مع تلو اشرفیوں کے لے کر آئے ۔ واقعی اُسے نہایت صدمہ ہوا کہ وہ عورت کے کمرے میں اُس کے خاندن کی غیر حاضری میں چلا گیا ۔ اُسی امیر کامیابی کی مہنگ لڑائی کے قبل ارادہ تھا کہ چاہے جو کچھ ہو انگریزی گورنمنٹ سے بگاڑ نہ کرے ۔ بلوچی سرداروں نے بے سود اُس پر دباؤ ڈالنا شروع کیا ۔ آخر کار انھوں نے اُس کے پاس عورتوں کا لباس بھیج دیا ۔ اُس وقت اُس نے کہا کہ :۔ چونکہ وہ تصور کرتے ہیں کہ میں خوف سے آمادہ جنگ نہیں ہوتا تو میں اُن کو دکنائے دیتا ہوں کہ اُن کا خیال غلط ہے :۔ چنانچہ وہ اپنے محل سے فوراً فوج میں شریک ہونے کے لئے گیا۔

امیر شاہ داد اور بلوچی سردار | تا پھر لوگوں نے سندھ کو بزور شمشیر لیا تھا اور چونکہ اُن کی قوت کی بنا بلوچی سپاہیوں کی جو انہری ہر تھی۔ اس سے یہ ضروری تھا کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ بہت کچھ مراعات کریں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تقریباً مطلق العنان تصور کئے جاسکتے ہیں شاہ داد نے ہمارے ایک افسر سے کہا تھا کہ جان خاں نے جو ایک بلوچی سردار ہے۔ دو بار مجھے زہر دینے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کا قہید ایسا زبردست ہے کہ اگرچہ میں اُس کو سزا دینے کے ناقابل ہوں۔ لیکن ایسی کوششیں شاذ ہی ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ ساتھ برس کی تا پھر لوگوں کی حکومت میں ان میں سے ایک شخص کے بھی قتل ہونے کی کیفیت سننے میں نہیں آئی ہے۔

خالصہ حکومت کے جرائم | کوئی اُن کی حکومت کی تاریخ کا ماہور کی ایک سال کی خوریزہ تاریخ سے مقابلہ کرے تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کی حکومت میں ایک سال کے اندر زیادہ جرائم درج رجسٹر نظر آئیں گے بہ نسبت اُن کے جو امیروں اور اُن کے مورثوں کے کل عہد حکومت میں ہوئے جب ہم اُس سہولت پر خیال کرتے ہیں جس سے یورپین بادشاہ معزول کر دیئے جاتے ہیں اور جس قدر کم اظہارِ وفاداری اُن کے اراکین اور افواج کرتے ہیں۔ تو امیر کے حق میں یہ ایک عمدہ ثبوت ہے کہ اُن کے متعین میں سے کسی نے ضرورت کے وقت اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بجز اسمیں شاہ کے سادات لوگوں کے جو غیر ملک کے رہنے والے اور دراصل ایرانی تھے اور سندھ میں نادر شاہ کے زمانے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں کی وفاداری محض خود غرضی کے باعث تھی اور چونکہ بلوچی اپنے وسیع ملکوں کے نکل جانے کا خوف کرتے تھے وہ امیروں کے وفادار رہے اور اپنے مراعات کے خاتمے ہو جانے کے ڈر سے اُن لوگوں

نے انگریزوں کے خلاف اتفاق کیا۔ مگر اسی طور پر تمام وفاداری بلکہ طبیعت کا ہر ایک خیال خود غرضی پر مبنی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس قدر تو ضرور ہی تسلیم کیا جائے گا کہ بلوچی قبیلوں کے حقوق کا یعنی سندھ کی آبادی کی ایک تہائی لوگوں کا امیر لحاظ کرتے تھے اور بلوچی موجودہ گورنمنٹ سے خوش تھے۔

لیکن خالص سندھیوں میں مثلاً جو کھیا جات کلمتی قبیلے وغیرہ کتنے ایسے تھے جو ناراض تھے۔ کیا ان میں سے کسی نے حملہ آوروں کی شرکت پر میل کیا؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم کو مناسب ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان روایتوں کو جوتا پیر لوگوں کی ظلم و بد نظمی کی بیان کی گئی ہیں یقین کر لیں۔ ذرا ٹھہر جائیں۔

اب یہی بات کہ بندوؤں پر ظلم ہوتا
سندھ میں ہندو تجارت کی کثرت و نارسہ البالی تھا، ان سے جبریہ روپیہ وصول کیا جاتا

تھا، ان کی توہین کی جاتی تھی، اور تقریباً وہ نہایت ذلیل تھے۔ اگر یہ طبیعت تھی تو وہ قرب و جوار کے ملکوں میں کیوں نہ پنے گئے؟ جو انگریزی حکومت میں تھے۔ مثلاً کچھ، گجرات اور راج پوتانا۔ پھر یہ امر کیونکر نظر آیا کہ جب ہم لوگ شکار پور اور حیدرآباد میں پہنچے تو ہندو سوداگروں کو اسی قدر مال دار اور بکثرت پایا جس طرح ہماری عمل داری کے بڑے بڑے سرسبز شہروں میں تھے۔

یہ ایک عجیب معاملہ ہے۔ انگریزی چٹاک اس کا انصاف کرے۔ ایک جانب کو بطور شہادت کے اس ملک کے باشندے اور اس کی پچاس سال کی تاریخ اندر ہی جھگڑوں سے پاک اور تمام پولیٹیکل افسروں کی شہادت ہے جو سندھ میں تعینات کئے گئے تھے باستثناء دو شخصوں کے جن میں سے ایک بھی سدھی زبان نہ جانتا اور کبھی سوائے عیار، رشوت و ارنیشیوں کی دساطت کے وہاں کے باشندوں سے گفتگو نہ کرتا تھا اور دوسری جانب چند فوجی لوگوں کی شہادت ہے۔ جو بے شک میل

کرائے کے حد سے زیادہ شایق ہوں گے اور انہیں کچھ بھی پچاس لاکھ روپیہ جیسے ذیل
انتظام کا خیال نہ ہوا ہوگا۔

اور چند منشی ہیں جنہوں نے مدتوں تک دروغ گوئی کر کے اسی مرتبہ بقول
شخصیہ نوسو چوبیس لاکھ روپیہ جی کو چلی۔ راست گفتاری اختیار کی۔ مگر شہادت کو دفع
کیجئے۔ اصل تو یہ ہے کہ زور کے سامنے حق کیا بلا ہے۔ کیا ہمارے انتظام کی کوئی حد
نہیں ہے کیا ان لوگوں سے انگلستان ایک ہی لفظ کہنا چاہتا ہے جو عجز سے اُس کے
قدموں پر سر رکھ کر التجا کر رہے ہیں وہ لوگ جو دولت مند آسودہ اور امن کے
ساتھ اُس وقت تھے جب تک کہ انگلستان نے اُن کو اپنا دوست نہ بنایا تھا اور صلح
نہ کی تھی، اور یہ لفظ یہ ہے کہ ہم فاتح ہیں۔

JALALI BOOKS

باب ۱۳

کراچی

۲۲ اگست کو میں حیدرآباد سے سٹیڈنٹ جہاز پر روانہ ہوا۔ حیدرآباد سے روانگی اور پانچ گھنٹہ کے اندر ایک زور شور کے سمندر تہو کر ٹھنڈ

پہنچا۔ بہارقی رفتار بہت آہستہ نہ تھی۔ کیونکہ بہاؤ ہم کو منجہ حار میں سات میل فی گھنٹہ کے حساب سے لئے جاتا تھا اور ہماری اپنی رفتار آٹھ میل یا نو میل فی گھنٹہ کی تھی۔ ایک مقام پر مگر خوش قسمتی سے دباؤ نہیں جہاں پانی زوروں پر تھا جہاز بالوکی چرپر پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز وہیں گڑ جائے گا۔ اور مجھے خوف معلوم ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہوا گئے زمانے میں جب دریائے اپنا راستہ الگ اختیار کیا تو لوگ ایک جہاز کو مع جہازیوں کے زمین کی سطح سے بیس فیٹ نیچے پتھر بنا ہوا پائیا۔ آخر کار وہ نیچے دھنسنے سے رکا مگر بیس منٹ اُس کے نکالنے میں صرف ہوئے جب ہم لوگ قریب جرک کے گئے تو جنگل زیادہ گھنا بلکہ دشوار گزار معلوم ہونے لگا۔ اسی مقام پر جب ہم لوگ پہلے اترے تھے۔ تو تین افسر حضور ملک معظمہ کی فوج کے جل کر مر گئے تھے۔ اُس وقت لوگ اُن کا مرنا کسی کے باعث سے تصور کرتے تھے

مردہ امر اتفاقہ تھا جو بد قسمتی سے ہندوستان میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ میرے ایک دوست موجود تھے۔ جب ایک ہدف نصیب ہوا اسی صورت میں مر گیا تھا۔ بہت دور تک چند بندہ لوں کے نکالنے کے لئے گھاس میں آگ لگا دی گئی تھی۔ جو بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ وہ شخص جو اس وقت گھاس میں تھا ایک درخت پر دوڑ کر چڑھ گیا۔ شعلہ نے اُس کو گھیر لیا اور وہ دھوئیں سے اندھا ہو کر زمین پر گر پڑا اور مصیبت سے مرا۔

ٹھٹھہ سے کراچی کا سفر | ٹھٹھہ میں ہم لوگ جہاز سے اتر گئے اور میں نے خشکی کی راہ کراچی تک جانے کا سامان کیا۔ دو افسر جو بیماری کی رخصت لے کر بھیجے جاتے تھے۔ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے۔ ان میں ایک اس قدر بیمار تھا کہ مجھے اُس کے راستہ میں مرجانے کا خدشہ تھا وہ اس قدر لاغر ہو گیا تھا۔ کہ گو چو فیٹ چار پنچ بلندی میں اور تندرستی میں اسی قدر توانا تھی۔ مگر اس وقت میں برآسانی اُسے بے چل سکتا تھا۔ وہ لمبی کے صوبے میں مقام کوٹرد میں تعینات تھا اور جو حالات وہ وہاں کی بیماری کے بیان کرتا تھا وہ خوفناک تھے۔

اُس مقام پر جو جماعت افسروں کی تعینات تھی۔ پہلے اس کی تعداد گیارہ آدمی تھی۔ اور چار سو سپاہی تھے۔ ان میں بخار شروع ہو گیا اور ان کی تکلیفیں گری سے اور زیادہ بڑھ گئیں۔ جو قابل برداشت نہ تھی۔ خیمہ میں ہتھرمایٹر ایک سو تیس درجہ پر تھا۔ پانچ افسر جو جوان پچیس سال سے کم عمر کے تھے۔ جلد مرے اور آدمے سپاہی کام آئے۔ خود ڈاکٹر اس قدر لوگوں کو مرنے دیکھ کر ہو گیا۔ میرے دوست بھی صبر کہ میں کہہ چکے ہوں کہ بڑے قدر آدمی اور قوی تھے بخار میں مبتلا ہوئے اور ان کے بچانے کی بھی فکر کی گئی۔ کہ وہ ایک پالکی میں سکھڑ بھیج دیئے گئے اور بارہ میں سے تین

کبار راستہ ہی میں مکان سے مر گئے۔
کراچی تک ہم کو اتنی منزلیں ملے کرنی تھیں۔ اول گو جرحودہ میل دوسرے فارا
چودہ میل۔ تیسرے پیری بارہ میل۔ چوتھے جمعداری لاندھی تیرہ میل۔ تیسری منزل
میں ہم ایک بٹے دیوان قصبہ سے گذرے جو ہم بھاڑا کہلاتا ہے اور چھ میل آگے
بہت سی قبریں اور منتشر گاؤں ملے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ حصہ کئی زمانے میں
بہ نسبت اس وقت کے زیادہ آباد تھا۔

کراچی میں قیام | جب ہم لوگ کراچی میں داخل ہوئے تو ہم لوگوں کو بہت سے
جاتری جینگ لاج سے واپس آتے ہوئے ملے۔ یہ مقام ہندو
جاتریوں کے اجتماع کے لئے مشہور ہے۔ یہاں تباہی کی دیوی درگاہی کی پرستش
ہوتی ہے اور مغرب میں بھی انتہا ہے جہاں تک ہندوستان کا بے شمار دیوتاؤں کا مذہب
جاری ہے۔ سندھ سے چلنے کے تھوڑے ہی دن قبل ایک اولوالعزم افریقیہن ہارٹ
اٹس صدر تک جاتے ہیں کامیاب ہوتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک دلچسپ کیفیت
اپنے سفر کی ایذا تک رائل سوسائٹی کے رسالے میں درج کی ہے۔ اُسی راستہ
سے جاتے کی کوشش سرولیم میرس مرحوم نے ہندوستانی کے بھین میں کی تھی۔
مگر دوسری یا تیسری منزل پر ہی معلوم ہو گیا کہ وہ یورپین ہیں۔ اٹس نے ایسی
تخلف آمیز علامتیں کرانیوں میں دیکھیں کہ باوجودیکہ وہ ایک تجربہ کار سیاح تھے
جنھوں نے افریقہ کے موسی کاٹش اور دوسری نیم وحشی قوموں کے ملک میں
جاتے کی جرأت کی تھی۔ تاہم انھوں نے یہ قرین معلومت سمجھا کہ گھوڑا بھاگا کر چھاتی
کو بھاگ آئیں۔

واقعہ جو سفر سرہنری پانچوڑے ان ملکوں میں مسئلہ و میں ایک ایرانی گھوڑوں
کے سوداگر کے بھین میں کیا تھا۔ وہ نہایت ہی اولوالعزمی کا اور ظراف معمول سفر

تھا۔ ہر چند کہ لوگوں نے اُس دیری مستقل مزاجی اور لیاقت کو جو اس کوشش کو انجام پہنچانے کے لئے عمل میں لائی گئی۔ لوگوں نے بہت کم سمجھا اور اس کی قدر نہ کی ہے۔

منگھو پیر | کراچی پہنچ کر میری پہلی خواہش مگر پھ تالاب کے دیکھنے کی ہوئی۔ یہ عجیب جگہ قریب آٹھ میل کے کراچی سے ہے اور ان لوگوں کے لئے قابل دید ہے جو عجائب و غرائب اور عجیب چیزوں کے دیکھنے کے شائق ہیں۔ انسان ایک ریلے اور بنجر راستہ کی تھوڑی سی مسافت طے کر کے جس میں کہیں کہیں جنگل ہے اعلیٰ کے ایک باغ میں پہنچتا ہے جس کے سایے میں وہ عجیب جالدار بہ افراط رہتے ہیں۔ جو شخص اُس جگہ سے واقف نہ ہو یہ ہرگز شک نہ کرے گا کہ اُس پر سے بھرے جنگل میں چھوٹے سے تالاب میں جس کی نصف دورے تک کوئی پھرتیلا شخص جھٹ کر کے جا سکتا ہو ایسے عجیب جالدار رہتے ہیں۔ میں نے تقاریر سے اپنے رہنا سے کہا کہ۔ "لو یہ تالاب آگیا۔ لیکن اس میں مگر پھ کہاں ہیں۔" یہ کہہ کر میں اگڑا ہوا بڑے شاق سے چل دیا اور کل معاملہ کو پھر سمجھنے پر آمادہ تھا کہ ایک اتفاقیہ غرائے کی آواز سے جو میرے قدموں ہی کے پنچہ معلوم ہوتی ہیں ایک بیک نہایت بھرتی سے اچھل گیا جس سے شاید جستی بہ نسبت عمدگی کے زیادہ ظاہر تھی۔

منگھو پیر کا تالاب | اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے تقریباً ایک چھوٹے سے مگر پھ کو اچھل دیا تھا جو قریب تین فٹ کے لمبا تھا، مگر باوجود چھوٹا ہونے کے اُس کے کانٹے سے آرام کے بالکل برعکس اثر پیدا ہوتا۔ اُس وقت اس مقام کا جن ایک بوڑھے جادوگر فقیر کی شکل میں ظاہر ہوا اور جب میں نے دو روپے نذر کئے تو اُس نے اپنے جادو کی پھڑکی سے ایک سونٹا نکالا اور یہ آواز بلند دو تین بار

پکارا "آؤ آؤ" اُس وقت پانی حبیب جانوروں سے بھر گیا۔ کم سے کم ساٹھ لاکھ جن میں سے بعض چندہ فٹ لمبے تھے نکلے اور ایک جماعت کی شکل میں کنارے پر آئے۔ کل کیفیت اُس وقت کی مجھے پریوں کے قصص کی یاد دلاتی تھی۔ وہ سائے کا جنگل، وہ تالاب جس میں عجیب و غریب جانور رہتے تھے، وہ فقیر کا جھونپڑا جو پہاڑی ہر نما ہوا تھا۔ خود وہ فقیر جو بلند قامت سیاہ فام اور لاغر اندام تھا اور میرے قریب وہ ڈاکو کی صورت کا بلوچی۔ یہ سب مل کر ایک عجب مرقع بن گیا تھا۔

منگھو پیر کے گرچہ | یہ بھی تعجب تھا کہ اُس فقیر کو اُن جانوروں پر قدرت تھی چنانچہ جب اُس نے اپنے سونٹے سے اشارہ کیا تو وہ ٹھہر گئے کیونکہ واقعی وہ اس قدر قریب آگئے تھے کہ خوف ہوتا تھا۔ اور جب اُس نے کہا کہ بیٹھو تو وہ پیٹ کے بل بیٹھ گئے۔ اور اپنے خوفناک کشادہ اور امید دار جبروں سے عجیب اطاعت ظاہر کرتے تھے۔ کچھ بڑے بڑے ٹکڑے گوشت کے اُن کے قریب پھینک دیئے جس کے لئے وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ میں نے چھوٹوں کو بڑوں کی تعظیم کرتے دیکھ کر محنت بوجھ کیا۔ ایک جو دس فٹ لمبا تھا۔ پانی سے کھانے کی جگہ پر آ رہا تھا کہ اُس نے اپنے سے ایک بہت بڑے گرچہ کو اپنے عقب میں آتے دیکھا۔ اُس وقت ایک عجیب کیفیت معلوم ہوتی تھی کہ کس خوف زدہ موت سے وہ راستہ سے الگ ہٹ گیا گویا اسے یہ خیال تھا کہ ہٹنے کے قبل اُس کی نصف گزدم جاتی رہے۔

پہلے تالاب سے تھوڑے فاصلے پر قریب نصف میل کے میں نے ایک تالاب اور دیکھا جس میں پانی اُس قدر گرم تھا کہ کوئی شخص پورا غوطہ لگا کر برداشت نہ کر سکتا تھا مگر یہاں بھی مجھے چند گرچہ نظر آئے۔ فقیروں نے بیان کیا کہ یہ جالار دریا میں جو پندرہ یا بیس میل مغرب کو بے بہت ہیں۔ وہاں کا بادشاہ ایک بڑا

مگر مجھ جس کا نام فقیر نے مقرر رکھا تھا۔ کبھی بلا نے سے باہر نہ آتا تھا۔ جب میں تالاب کے گرد گھوما تو مجھے وہ جگہ دکھائی گئی۔ جہاں وہ مثل شہتیر کے بے حرکت پڑا تھا۔ اور اُس کا سر پانی پر تھما ہوا تھا۔ میں نے اُسے شہتیر ہی تصور کیا ہوتا اگر اُس کی چھوٹی چھوٹی وحشیانہ آنکھیں نہ نظر آتیں جو اس قدر چمکتی تھیں کہ اُن سے چنگاری چھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ فقیر نے کہا کہ وہ نہایت ہی خون خوار اور خوفناک ہے۔ اور کم سے کم بیس فٹ لمبا ہے۔

انگریزوں کی غیر معمولی سے نوشی | سندھ میں کراچی سب سے زیادہ فرحت انگیز مقام ہے بلکہ بھٹی کی کسی جگہ سے اس کا بخوبی مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر کہیں اس قدر میضہ سے لوگ نہیں ہلاک ہوئے۔ ہماری یوروپین پٹیش قریب قریب وہاں بالکل ضائع ہو گئیں۔ اصل یہ ہے کہ جو علامتیں پہلے ظاہر ہوتی ہیں۔ اُن کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا اور ہر پٹیشن میں بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے جسم سے خواری سے ضعیف ہوتے رہتے ہیں اور وہ بیماری کے نمایاں ہوتے ہی تشریف لے جاتے ہیں۔ جن قوم ہندوستان میں یوروپین سپاہی شراب خواری کرتے ہیں وہ اس قدر خوفناک ہے کہ قابل بیان نہیں۔

انگریزوں کی اصلاح کی ضرورت | واقعی جو لوگ اعلیٰ عہدوں پر ہیں وہ دن رات اس مسند عظیم کے حل کرنے میں صرف کر رہے ہیں۔ یعنی ہماری قوم کی اخلاقی اصلاح۔ اس قسم کے پیش پا افتادہ امور کو قطع نظر کر کے جیسے انگریزی پٹیشنوں کے لئے عمدہ مقامات کا منتخب کرنا اور اُن کے لئے تفریح کی جگہوں کا مثل ریڈنگ روم، غسل خانے و کثرت گاہ وغیرہ کے بنانے جن سے وہ حق الامریع

نے اُس پانچ سو روپے راکشس کا نام ہے جسے کرشن جی نے ہلاک کیا تھا ۱۲۔

دھوپ سے بچیں اور موسم سرما میں ان مکانات کو خود سپاہی بنا سکتے ہیں اور لالین لوگوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ہر پلشن میں تین یا چار عہدوں کا سپاہیوں کو دینا ہے۔ اس شراب خواری کی اصل وجہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ یعنی انسان کب دین دار ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دین دار نہ ہو گا تو نیک چلن باخندہ اور پھر اسودہ نہیں ہو سکتا، جب کہ اُسے شادی کرنے سے محروم رکھیں۔ ہر شخص کو شادی کرنے کی ہمت دلانی چاہئے۔ چاہے معترضین اس پر مضحکہ کیوں نہ کریں۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سے فوج کی نقل و حرکت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب پلشنیں لڑائی پر جائیں تو اُس وقت امتہ ان کے ساتھ یہ سب بکیرے نہ ہوں گے۔ جب لڑائی ختم ہو جائے ر ہندوستان کی لڑائیاں تو عرصہ تک قائم نہیں رہتیں، تو اُس وقت یوروپین سپاہی اپنے ہال بچوں میں کیوں مثل ہندوستانی سپاہی کے واپس نہ آئے۔ بعض اس کے کہ کوئی اُس کا پروا کرنے والا نہ ہو اور وہ بھی مرے جینے کی پروا نہ کرتا ہو۔ لیکن اعتراض کرنے والوں کا قول ہے کہ بیوہ اور یتیم بچے سرکار پر بوجھ ہوں گے۔ بیوہ عورتوں کے لئے کیا کیا جائے سب کو پنشن تھوڑا ہی ہو سکتی ہے۔ مانا کہ یہ بچے مگر کیا اثاثہ ملازمین کی مانگ نہیں ہے کیا گوروں کی بیویوں اور لڑکیوں کو کوئی کاروبار مثلاً سلائی نہیں سکھائی جاسکتی ہے یا کوئی خدمت ان کو ہمارے پادریوں کے اسکولوں اور سرکاری عمارتوں میں مثل شغافانوں مسافروں کے بنگلوں وغیرہ کے نہیں مل سکتی۔ دوسرے ہر ایک افسر جو ایک کہنی کا انچارج ہو۔ وہ کچھ وقت اس کام میں ضرور صرف کرے کہ گوروں سے ان کے مشاغل اور پڑھنے کی بابت دریافت کرے۔ ان کے معاملہ کے لئے مفید کتابیں بتائے ان کو تحصیل علم کی جانب توجہ دلائے اور ان کی ترقی تعلیم میں امداد کرے۔ لوگ ان باتوں کو خیال عام تصور کریں گے۔ مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر قسم کی ترقی کو

خیال خام تصور کرتے ہیں۔

کراچی کی بندرگاہ | کراچی کو بندرگاہ کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ تری کا راستہ نہایت ہی خوفناک ہے۔ اور صرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں اس نالے میں جاسکتی ہیں۔ جو شہر تک گیا ہے۔ ان کے لئے بھی تند ہوا کے وقت گزرنا خطرناک ہے۔ واقعی سندھ میں کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔ دریائے سندھ کی حجامری شاخ کے اندر داخل ہونا نہایت ہی دقت طلب اور پرانہ خطر ہے۔ کنارہ نیچا ہے اور دور سے بمشکل نظر آتا ہے کوئی شے وہاں ایسی نہیں ہے جس سے جہازی کو راستہ ملنے میں سہولت ہو۔ بحیرہ رمل وہاں کی شمالی راس کے جہاں گھٹا جنگل ہے اور اسی کی جانب کچھ کے مسلح کشتی کو لے جاتے وقت غصے۔

پانی یک بیک سات یا آٹھ فٹ عمق سے۔ یہاں صرف دو فٹ عمق رہ جاتا ہے۔ جہلی کے دہانے کے پاس ایک رکاوٹ ہے جس کے گرد ہر جانب بڑے بڑے بھنور نظر آتے ہیں۔ انگوٹھاں کوئی جہاز ٹکرائے تو پرزہ پرزہ ہو جائے گا اور جہاز یوں کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ حجامری کا دہانہ کیف کی طرح ہے۔ یعنی اولاً کئی سو گز چوڑا ہے اور رفتہ رفتہ ایک نہایت ہی تنگ چشمہ کی شکل میں ہو گیا ہے۔ دوسری جگہ وہ ایک ذلیل الحیثیت الگ چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے مکانات مٹی اور گھاس کے بنے ہیں۔ تاہم وہ نہایت تجارت کی جگہ ہے۔ قصبہ کے مقابل میں دریا تقریباً ڈیڑھ سو گز چوڑا ہے کنارے کے قریب پانی نہایت عمیق ہے اور بڑی بڑی کشتیاں بھی بہت قریب ٹھہر سکتی ہیں۔ جس سے اسباب کے بار کمرے اور اتارنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

کراچی سے روانگی | مجھے کراچی میں تفتیش و تحقیق کا کم وقت میسر آیا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ وہاں کے پولیٹیکل کاموں کو جیسے کچھ کہ ہوں اُس وقت تک انجام دیتا رہوں جب تک کہ میری تندرستی ایسی نہ ہو جائے کہ حیدرآباد یا شمالی سندھ کو

و انہیں جا سکنوں۔ لیکن ہنر متواتر آنے سے مجھے تنبیہ ہوئی کہ میں آب و ہوا تبدیل کروں۔

۱۴ ستمبر کو میں آکلینڈ دفاعی جہاز پر بمبئی روانہ ہوا۔ یہ جہاز بہت سی عورتوں اور

بچوں کو کراچی کی یورپین پٹن کے لئے کر آیا تھا۔ سمندر بہت زوروں پر تھا۔ اور جہاز اس

طور پر دھواں ہو رہا تھا کہ اُس پر سوار ہونا یا اُس پر سے کشتیوں پر آنا خطرناک تھا۔ غریب

عورتوں کو ایک مہینق کے ذریعہ سے کمر میں باندھ کر اٹھاتے تھے اور ایک شخص کشتی میں اُن کے

ہیر پکڑ کر جس طرح میں پڑتا تھا انھیں اتار لیتا تھا۔ مگر سورج کے زور کے باعث یہ کام ایسے

قصص آمیز طور پر انجام پاتا تھا کہ جہاز پر برابری مقبہ لگا رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی عورت

اس سرعت کے ساتھ اُترتی تھی کہ وہ شخص جو اُس کے سنبھالنے کے لئے کھڑا تھا

گر پڑتا تھا۔ غرض کہ کل واقعہ کو لوگ تصور کر سکتے ہیں۔ لیکن بخوبی بیان نہیں کیا جاسکتا۔

آخر کار ہم لوگوں نے تمام بوجہ عیدہ کیا۔ توپ داغی گئی اور ہم

بمبئی کا بحری سفر

لوگ بمبئی کو روانہ ہوئے۔ اس دور پر میں نے سندھ کو دیکھ کر

ایک دن رات اور بیماری کے بعد چھوڑا۔ میرے قومی بالکل ضعیف ہو گئے اور زندگی کو

موسم بہت رہا تھا۔ پہاڑوں پر کئی دن تک رہنے پر بھی جب گرمی کا موسم آیا تو

تو بخار آئے لگتا تھا۔ آخر مجھے مجبور ہو کر غرضہ تک بحری سفر اختیار کرنا پڑا۔ لیکن اُس

سے بھی گو کہ کچھ دلوں کے لئے نفع ہوا لیکن وہ نقصان پورا نہ ہو سکا۔ جو میری تندرستی

کا ہو چکا تھا۔ اُس وقت بعد سوار ہونے کے مجھے بیمار پڑنے کی سزا ملی۔ یعنی میں

اپنے عہدے سے برخاست کر دیا گیا۔ اور مقامات میں جہاں پولیٹیکل افسر رہتے ہیں

حتیٰ کہ سندھ میں بھی اس وقت تک یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ بوجہ بیماری کے کچھ عرصہ

اپنے فرائض سے دست کش ہوئے پر مجبور ہوتے تھے۔ اُن کا عہدہ قائم رہتا تھا۔ اور

نصف تنخواہ اسٹاف کی منتی تھی۔ ایسی رعایت کی نسبت کسی قدر اعتراض ہو سکتا ہے۔

لیکن دلائل سے اس کا قریب انصاف و مصلحت آمیز ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔

خیر اے جانے دیجئے پہلے پہل مجھ ہی پر چھری تیز کی گئی۔ مجھ سے لے کر پھر جو افسر بیمار ہوئے وہ اپنی پلٹنوں کو واپس بھیجے گئے۔ ایسے قاعدے کو لوگ سخت تصور کریں گے جس کے مطابق کوئی شخص ملکی جگہ میں دو یا تین سال تک جوں فشانے سے کام کر کے جہاں اُس نے اپنی پلٹن کے ساتھ عمدہ جنگ پر کام کیا ہوتا اپنی پلٹن میں اس نے واپس بھیجا جائے کہ یہ وہ ناتندرستی کے وہ انجام کار سے قاصر رہا۔ اور نہ ہی تو اُس کی خدمات کے صلہ میں چند الفاظ تعریفی کہہ دیئے جاسکتے تھے۔ اور پرانے زمانے میں تو کسی عمدہ جنگ پر بہل جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن ترم سرگرمی پر تو اُس وقت دس دس پڑ جاتی تھیں جب کہ کوئی شخص گزٹ میں اپنا نام لکھا دیکھے کہ فلاں کی خدمات کنڈرا چیف کے متعلق کی گئیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک نئے فرعون پیدا ہوئے تھے۔ اور جس وقت گورنر جنرل لارڈ ایلن براؤن نے لاہور میں براہندوستان میں پہنچے کا بل کی مصیبت کا وقوع ہو چکا تھا۔ نئے گورنر جنرل کوئی ہر ایہ خیال تھا کہ تمام پولیٹیکل افسر بڑے یا چھوٹے قصور دار نہیں چنانچہ انہوں نے اُن کو سخت ضرب میں رسیہ کرنی شروع کیں۔ اور ایک آدھ ضرب بعض وقت بے قصور لوگوں پر جو اردوں کے اختیار میں تھے پڑتی تھی۔ فی الواقع ادنے پولیٹیکل افسروں کا جو شمالی سندھ میں پولیٹیکل ایجنٹ یا سفیر کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ یہ لوگ کھڑے پتلیوں کی طرح تماشہ کرنے والے کے اشارے پر چلتے تھے۔ مگر پولیٹیکل افسروں کے نام ہی کی نسبت ایک مجبوزانہ شور و غوغا مچ رہا تھا۔ جہاں کوئی خط سرزد ہوتی تھی تو پُراے پُراے بزرگوار اپنے سر ہلکا کر بھی کہتے تھے۔ کہ میں انہیں لونڈے پولیٹیکل افسروں کا بہت قصور ہے۔

ان سے کوئی پوچھے کہ لونڈوں اور مردوں میں کہاں آپ کی مرضی حد حاصل قائم کرنے کی ہے۔ لکن لونڈے پولیٹیکل افسروں میں کیا شے مردوں کی نہیں ہے۔ اُس مشکوک سن

میں جو جوان کو پورے مرد سے علیحدہ کرتا ہے وہ لوگ جو مرد کہنا نا چاہتے ہیں۔ گل مچھوں پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض دائرہ می پر اور بعض اپنی مختصر مچھوں پر۔ اب کوئی شخص اُن چہروں کو دیکھے جن پر گھنی دائرہ صیاں اور جھریاں نظر آتی ہیں۔ اور ان دائرہ صیوں کو ملاحظہ فرمائیے جو کمر تک لٹکی ہوئی ہیں۔ اور کہئے کہ یہ لونڈے ہیں۔ واقعی یہ نہایت تمسخر آمیز خیال بلکہ ایک بہت اچھا مذاق ہے کہ ایسے مدت کے کار کردہ اور فرسودہ لوگوں کو محض لونڈا کہا جائے۔

پولیسکل افسر اور فوجی افسر کا موازنہ | لیکن قطع نظر مذاق کے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ پولیسکل افسروں کی نسبت یہ پھر بیان کیوں کیا جاتا ہے کیونکہ کسی جماعت کی خدمت یا تعریف پھر امر ہے۔ کوئی ملٹری افسر جو ہندوستانیوں کے طرز و روش سے زیادہ واقف کار نظر آیا اور اُس نے ہندوستانی زبانوں کو سیکھ لیا یا اُس نے اور طور پر قابلیت ظاہر کی تو اُسے ملکی معاملات کے صیغہ کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔ پس پولیسکل افسر فوجیوں سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ بلکہ انھیں میں سے ہوتے ہیں اور انھیں کے ساتھ جد یا دیر میں جا کر مل جاتے ہیں۔ کم لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جو اس خدمت پر مقرر کئے جائیں تا وقتیکہ وہ دس بارہ سال تک ہندوستان میں نہ رہ لیں اور اپنے درجے ریٹائرڈ یا پولیسکل افسر کے میں یا تیس سال کی ملازمت کے بعد ملتے ہیں۔ یعنی چالیس سال کے سن کے قریب۔ چنانچہ میرے ایک شہنشاہ افسر نے جنھوں نے پندرہ سال تک کام کیا تھا اور بطور فرسٹ اسٹینٹ کے نہایت شہرت حاصل کی تھی۔ جب ریٹائرڈ کا عہدہ خالی ہوا کہا گیا کہ ہر چند کہ اُن کی خدمات قابل قدر ہیں تاہم بوجہ ان کے عہد ملازمت کے اُن کی ترقی غیر ممکن ہے۔

پولیسکل افسر کی خدمات بہ نسبت اُس عہدے کے فوجی افسر کے زیادہ سخت اور اُس کی ذمہ داریاں زیادہ عظیم ہوتی ہیں بجز اُن چند گھنٹوں کے جب وقت جنگ آزمائی کا آ جاتا ہے

لیکن اگرچند پولیٹیکل افسر ناکام ہوئے اور ان کی غلط تدبیروں سے ہمارے سر پر بدنامی اور نقصان آیا تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے ملکی معاملات کے صیغہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جیسے میلکم، الفنسٹن، مزد، کلوز، پاننجرا، اوٹرم اور لارسن۔

اوٹرم، کرنل ٹیلر کی برطانیہ | لارڈ النبرا نے جو ایک خط پولیٹیکل ایجنٹ متعینہ سندھ کو الہ آباد سے ۲۲ مئی ۱۹۴۲ء کو لکھا تھا وہ قابل لحاظ ہے

کیونکہ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کیوں اوٹرم، کرنل ٹیلر اور دوسروں کو برطرف کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ - انگریزی افسر چاہے اُس کا چال چلن جو کچھ ہو جب کسی چھوٹے سے ہندوستانی دربار میں کام کرتے گتتا ہے تو اس سے بمشکل امید ہو سکتی ہے کہ عرصے تک اپنے اہل مک سے جدا رہ کر اپنے گرو و پیش کے لوگوں کے خیالات اور تعصبات کو حاصل نہ کرے گا اور کسی قدر وہ ناظر ف داری اور کام میں مضبوطی اُس کی طبیعت سے نہ چلی جائے گی جو گورنمنٹ کے قائم مقام میں ہونی چاہیے۔

لارڈ موصوف کی اس تحریر میں کسی قدر دانشمندی کے آثار بھی ہیں گو کہ لارڈ النبرا جیسے تجربہ کار مباحثہ کرنے والے کے لئے یہ فی الجذہ غلط ہے۔ لارڈ موصوف کی اس سے کیا غرض ہے کہ کسی چھوٹے سے ہندوستانی دربار میں رہنے سے انگریزی سفیر اپنے گرو و پیش کے لوگوں کے خیالات اور تعصبات کو حاصل کر لیتا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص جن لوگوں میں ہو تو رفتہ رفتہ وہ اپنے ملک کی عورتوں سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور وہاں کی مستورات سے ملوث یا یہ کہ بارہ سال تک سر کے بل سپاری کے بل ان کے اندر کھڑا رہ کر اعلیٰ درجہ کی عبادت کرے گا یا یہ کہ حیدر آباد میں رہ کر دل رفتہ رفتہ جو گیوں اور تمبشیوں سے انس کرنے لگے گا۔ اور دماغ کثرت ازدواج یا پردہ نشینی عورات کوئی الجملہ عمدہ تصور کرنے اور انگریزی نرین لحم خنزیر اور شرب کہنہ کو ناقص سمجھنے لگے گا۔؟

اسی اصول پر اہل پولیس لوگوں کی جیب کتر سکے ہیں۔ اور بہت جلد خود اس اصول

کے مصداق ہو سکتے ہیں کہ "جن کو چوروں سے کام رہتا ہے وہ خود چوری کرتے ہیں" اور یہ چھوٹے دیہی درباروں میں بے چارے پولیٹیکل افسروں کی خرابی متصور ہے اور ان پر یہ مثل راست آتی ہے کہ "مہاراجہ اس وجہ سے بڑا ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے" اور جس سے آگے چل کر یہ پھر نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر نہ ہو تو اور بھی بڑا ہو گا۔

"ملتا تو اگر نہیں آساں تو سہل ہے"

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

اب دیہی دربار کے کین معنی سمجھنے چاہئیں یعنی غیر ملک کے دربار، تازہ فیکہ دیہی کے معنی غیر ملک کے نہ ہوں۔ یا یہ عجب خاصہ صرف چھوٹے چھوٹے ہندوستانی درباروں کو حاصل ہے۔

برطانوی حکومت کی عجیب حکمت عملی | اس سے لازم آتا ہے کہ فرانسس یارڈس کے دربار میں یہ اثر صغیر پر فورا نہیں ہو سکتا۔ وہاں ہم

اُس پر بخوبی بھروسہ کر سکتے ہیں اور یہ صرف بعض خطوں کا اثر ہے کہ ہمارے سفیروں پر یہ عجیب تغیر واقع ہوتا ہے۔ مگر میں بھول گیا شرط یہ ہے کہ "ہمارا صغیر عرصہ تک اپنے ہم وطنوں کی محبت سے محروم رہا ہو" افسوس کی بات ہے کہ لارڈ ممدوح نے کوئی یہ نہیں بتائی یا یہ کہ اس "عرصہ تک" کی عبارت سے اُن کا کیا مقصود ذہنی ہے۔ انسان کی زندگی میں دس سال بھی ایک مدت مدید ہے اور اس کے برعکس لمبی تعطیل و طلبہ اس پر افسوس کرتے ہیں، صرف چند مہینوں کی ہوتی ہے۔ میں اس عبارت کے معنی نہیں لگا سکتا۔ بعض گورنمنٹ کے لئے تین سال تک رہنا ایک مدت ہے اور بعض کے لئے پانچ سال بھی کم ہیں۔

سندھ کی سخت تمازت میں ایک دن بھی بہت بڑا ہے اور شملہ کی سرد پہاڑی پر بہت چھوٹا۔ کوئی اس مہل لفظ کے معنی نہیں نکال سکتا جو ہندوستانی رہبر کی طرح

موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ شمالی سندھ میں پولیٹیکل افسر یورپین لوگوں کی صحت سے عرصہ تک کبھی محروم نہ رہتے تھے اور ہمارے رہنے کے مقاصد پھولے چھوٹے دیسی دربار نہ ہوتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے مشہر مثل شکارپور اور سکھر کے تاجم ہم لوگوں کو خواہ مخواہ اُن شخصوں سے ہمدردی ہوتی تھی جن پر ظلم کیا جاتا تھا اور جن کو ناحق برا بھلا کہا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہی امور جن کے باعث لارڈ النبرا کی رائے میں ہندوستان کے پولیٹیکل افسر اپنے ملک کی خدمت ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ایسے اسباب میں جن سے بہ نسبت اور باتوں کے وہ اس غرض سے قابل ہوتے ہیں۔ یہ صرف ہندوستانی ریاستوں میں عرصہ تک رہنے کا سبب ہے۔ کہ لوگ ہندوستانیوں کے خیالات اور تعصبات کو سمجھتے، اُن خیالات کی رعایتیں کرتے اور ناحق اُن کو صدمہ پہنچانے سے محترز رہتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے لارڈ النبرا خوب سمجھ لیں کہ ہندوستانیوں کو راضی رکھنے اور تمام ملک کو بازر رکھتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو مورد حقارت و نفرت سمجھ کر یکسر باغی ہو کر یہاں سے خارج نہ کر دے۔ وہ زمانہ آنے دیں جب کہ کروڑوں باشندگان ہندوستان کے خیالات اور تعصبات کو پا مال کرنے کی کوشش کی جائے گی تو لوگوں کو کیفیت معلوم ہوگی۔

امیران خیبر پور سے بہتر تعلقات | خیر جب ہو گا دیکھا جائے گا میری بد قسمتی کو دیکھتے کہ میں جب سوار ہوا۔ تو مجھے اس مصیبت کا علم نہ تھا جو مجھ پر آنے والی تھی۔ دراصل مجھے نو ماہ تک معلوم نہ ہوا تھا کہ مجھ پر کیا گزری۔ پس کفایت سے مگر اُس تمخواہ کے اندر خرچ کر کے جو میں ہر طرح اپنے تصور کرنے کا مستحق تھا۔ بکری سڑ سے واپس آنے پر مجھے معلوم ہوا۔ کہ میں نے اپنی اگلی بچت کے دو ہزار روپیہ صرف کر ڈالے مگر مجھے لازم نہیں ہے کہ بیچارے امیروں کی بڑی بڑی تکلیفوں کا ذکر کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی شکایتوں کو بھی لے کر بیٹھوں۔ ان کے بارے میں میں کوئی بات ایسی نہیں کہوں گا۔ جو اُن کے معاملے پر کوئی نئی روشنی ڈالے یا ظاہر کوئی نئی دلیل معلوم ہوا۔ کیونکہ میں خود اس وقت موجود

نہ تھا جب تالپر خاندان کے ساتھ۔ ہم موانست ختم ہوا اور نہ مجھ کو اس قدر تحمل ہے کہ سرکاری کتاب دیکھوں، کی تمام غلط بیانیوں کی ایک فہرست بناؤں۔

مجھے صرف اس قدر خفیف طور پر ثابت کرنے پر قناعت کرنی چاہیے کہ ہمارے تعلقات خیرو پور کے امیروں کے ساتھ اس طور پر انجام پاتے تھے کہ کوئی موقع اس کا نہ تھا کہ بجنر علی مراد کے اور امیر شمالی سندھ کے ہم سے خوش رہیں۔ چاہے لوگ مجھے بار بار اعادہ کرنے کا الزام دیں۔ مگر میں پھر کہوں گا۔ صلح نامہ کی اس شرط کے معنی میں الٹ پھیر کر کے جس سے میرستم کو دریائے سندھ کے ہر دو جانب کے قلعہ جات کی ملکیت دی گئی تھی ہم لوگوں نے کافی حیلہ قلعہ بکر پر قبضہ کرنے اور پھر اُسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کا نکالا۔

انگریزوں کی بد عہدی میں اسے پھر بکر کہوں گا۔ کہ ہمارا یہ حیلہ کہ ہم نے خراج کے وصول کرنے کے حقوق جو شاہ شجاع کو حاصل تھے خرید لئے ہیں اور اس

بنیاد پر امیروں سے اٹھائیں لاکھ کا مطالبہ کرنا بالکل ہمارے شایان شان نہ تھا کیونکہ شاہ عرصہ سے کابل کی بادشاہت سے معزول ہو چکا تھا اور ہم لوگوں نے خود دوست محمد کو تسلیم کر لیا ہوتا اگر اُس نے ہماری شرطیں قبول کی ہوتیں اور خود دوست محمد نے کبھی سندھ سے خراج وصول کرنے کا دعویٰ نہیں کیا اور جب کہ خود سرکاری کتاب سے ظاہر ہے کہ اس اٹھائیس لاکھ کا وہ حصہ جو میر مبارک سے یافتی تھا تین سال کے عرصے تک یوں ہی پڑا رہا۔ حتیٰ کہ ہم نے اُس کا مناسب وقت تجویز کر کے وصول کیا اور اس درمیان میں میر مبارک مفروضہ دیوں اور شاہ شجاع مفروضہ دعوے دار دونوں رحلت کر گئے تھے۔

اس پر عرصہ یہ تھا کہ میر مبارک کا بیٹا نصیر خاں جس سے پھر دعویٰ کیا گیا وہ اسی رقم اکر نے سے بالکل ناقابل تھا جو اُس کی کل آمدنی سے کئی حصہ زیادہ تھی۔ جس رقم کو ایک اس وقت ادا نہ کر سکا جب کہ وہ ساری جائداد کا تنہا مالک تھا تو اس کی جائداد کے بیٹوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اس کا تقاضا ہی بیکار تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں اُس

سلوک پر بھی خیال کرنا چاہیے جو ابتدا ہی سے میر رستم کے ساتھ ہمارے پولیٹیکل افسر نے روٹری کے کاردار فتح محمد غوری وزیر کے معاملہ میں کیا۔

امرائے سندھ کے خلاف جعلی کاغذات | یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دریائے سندھ کے ایک جانب ایک جماعت عیار اور راٹھی منشیوں کی محمد

شریف کی حمایت پر تھی۔ اور دوسری جانب علی مراد کی۔ اور ان کے بیانات کی صداقت کی جانچ جو میر رستم اور اُس کے وزیر کے بارے میں کی گئی اُن قابل مضحکہ بیانات سے کیجئے جو سرکاری کتاب میں درج ہیں مثلاً جیسا کہ نمبر ۱۱ میں فتح محمد کو میر رستم کا خانہ زاد غلام کہا ہے۔ حالانکہ وہ اُن اطراف کا ایک نہایت ہی شریف زادہ تھا اور اوسط سن کے گزر جانے پر سندھ میں بھاڑ پورے آیا تھا۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جو منشیوں سے امیروں کے معاملہ میں خدمت لی جاتی تھی اُن میں سے ایک کے کاغذات میں ایک خط دستیاب ہوا تھا جس کی نسبت بیان تھا کہ نصیر خاں حیدر آبادی نے کسی دربار کو لکھا تھا اور گو کہ ہم لوگوں نے اُسے اصلی تصور کیا اور یہ خیال کیا کہ منشی نے اپنی غرض مخفی کے لئے اُسے چھپا رکھا۔ ہم لوگ یہ بھی قیاس کر سکتے تھے کہ وہ جعلی تھا۔ اور اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ اگر امیر منشی پر رشوت طلب کرنے کی تہمت لگائیں تو اُس وقت وہ کام میں لایا جائے اور بعد کو اُسی قسم کے کاغذات ہندوستانوں کے ذریعہ سے امیروں کے خلاف پیش کئے گئے۔ اور بالخصوص اُن لوگوں نے اُن سے انکار کیا مگر ہم لوگوں نے انہیں اصل کچھ ایسے افسروں کے بیان پر تصور کیا جو اُس زبان کو سمجھ نہ سکتے تھے۔

لہذا ان میں سے ایک افسر کپٹن براؤن پر سرچاپس نیمپراپنا استدلال کرتے ہیں ایک سوداگر کے لئے پروانہ پر دستخط کیا تھا کہ وہ سندھ سے اپنا مال کابل بلاوائے محصول لے جائے۔ جب سرولیم میکٹائمن نے اُس کی بابت باز پرس کی تو معلوم ہوا کہ افسر مذکور کہ معلوم بھی نہ تھا کہ انہوں نے کسی شے پر دستخط کیا تھا۔ ۱۲

جعلی کاغذات کی وجہ | بی برگ کے منظرہ خط کی نسبت قطع نظر اور دوں کے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صاف صاف جعلی تین وجہوں سے ہے۔

اولیٰ یہ کہ امیروں نے ایک مرتبہ بی برگ کے قبیلہ کے بعض لوگوں کے گرفتار کرنے میں جو ہمارے قبضہ سے نکل بھاگے تھے، ہماری مدد کی تھی جس سے ظاہر ہے کہ وہ اُس سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے سندھ میں داخل ہونے کے کچھ عرصہ قبل امیروں نے بگیتیوں کی پہاڑی میں شکست فاش کھائی تھی جس میں اُن کے ایک خاص سردار کا بازو کٹ گیا اور کئی چھوٹے چھوٹے سردار اور آدمی آئے۔

تیسرے اگر امیروں کو پہاڑی بلوچیوں کی مدد کی ضرورت ہوتی تو انھوں نے بی برگ کو نہیں بلکہ بجرخان ذکی کو لکھا ہوتا۔ کیونکہ اُس نے بجائے امیروں کے بی برگ پر زیادہ دباؤ ڈالا ہوتا۔ اور وہ صرف شمالی سندھ میں ایک قوی سردار نہیں تھا بلکہ اُسی قبیلہ رند کا تھا جس کے سندھ کے تالپرا میر تھے۔

انگوئزوں کی من مانی کارروائیاں | یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم نے جس قدر صلیبیں کیں وہ اس کے بعد ہوئیں جب کہ امیروں نے بار بار کہلا بھیجا تھا

کہ وہ اس اعزاز سے معاف رکھے جائیں۔ رنجشوں ملی مرغانہ مدد ای رے گا، اور صرف اسی امر سے کہ کسی خود مختار ملک سے اس کے فرماں راءوں کی خواہش کے خلاف فوج ہو کر جائے۔ ورنہ سخت کاٹ ڈالے جائیں۔ محسوس موقوف کر دیئے جائیں۔ یورپ میں قانون قومی کی شکست سمجھی جائے گی۔ اور میرے خیال میں اس قدر باتیں یاد رہیں گی جس سے سندھ کے معاملہ کو چاہے جس قدر لوگ جس قدر شیریں بیانی سے سنائیں۔ انصاف اُسے ہضم نہ کر سکے گا۔ مگر اس سے کیا۔ اب معاملہ زیر بحث تو یہی ہے۔ جو کچھ ہوتا تھا ہو چکا۔ خاص خاص امیر سب مرکب گئے اور اُن کی جائداد بک گئی اور تقسیم ہو گئی۔ اس کے علاوہ انگریز

بالعموم خوش ہیں۔

اخبار ٹائمز سے ایک سوال | اخبار ٹائمز خوش ہے جس سے تصور کر لیجئے کہ انگریز عوام کتنا بھی خوش ہیں۔ مگر یہ تو کہتے کہ ہندوستان والے بھی خوش ہیں؛ کچھ ہندوستان کے کروڑوں باشندوں اور مسلمان سرداروں کو بھی پر دے کہ ٹائمز کیا کہتا ہے وہ بھی راضی ہیں۔ کسی لائق ہندوستانی کو ہندوستان کے بڑے شہروں میں منتخب کر کے اس سوال کا جواب پوچھئے۔ اب بھی انصاف کا کچھ موقع سے بٹلا میر صوبہ دار کو دیکھئے۔ اگر ان تمام لوگوں کی تحریروں کو جانچئے جنہوں نے سندھ کی کیفیت لکھی ہے تو ایک حرف ایسا نہ لے گا جس سے ثابت ہو کہ یہ رئیس انگریزوں کے دوست صادق ہونے کے سوا کچھ اور تھا۔ ان کے لئے ایک بڑی کتاب انتخابات کی تیار کرنی فضول ہے۔

سرکاری کتاب پر تنقید | مگر سرکاری کتاب میں میانی کی معزز خیر جنگ کے وقت ہی پر کیا لکھا ہے۔ صفحہ ۵۲ کو ملاحظہ کیجئے۔ بہت سی باتوں میں جہاں میں نصیر نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے تو میر صوبہ دار نے اس کے خلاف اختیار کیا ہے۔ بجز ان امور کے جن میں سرکار انگریزی کا نقصان ہو۔ کیونکہ انگریزی گورنمنٹ کا میر صوبہ دار ہمیشہ طرف دار رہتا ہے۔ چاہے دوسرے دربار کا جو کچھ ارادہ ہو اور پھر صفحہ ۱۵ میں "میں نے میر صوبہ دار اور دوسرے امیروں میں ایک صریح فرق پایا۔ اس نے پوشیدہ طور پر ایک ہندوستانی ایجنٹ ہمارے پاس روانہ کیا تھا کہ وہ ہمارے خلاف کسی صورت سے نہ لڑے گا۔ اور صفحہ ۱۶ میں صریح ہے کہ "اس قسم کی مخالفت کارروائی سے میر صوبہ دار نے اپنے کو علیحدہ رکھا ہے۔"

اب پھر صفحہ ۵۲ کو ملاحظہ فرمائیے۔ لارڈ الہیر کے خط میں لکھا ہے کہ "میرا خیال ہے کہ میر صوبہ دار کو مجھوڑا حیدر آباد کے اور سرداروں سے ظاہر ساز باز کرنی پڑی

باب ۱۴

زوال سندھ

سندھیوں کے بارے میں من گھڑت قصے | پورے تختہ و کس نے بہت صحیح کہا ہے کہ والٹر اسکات
 کے بعد میگلے جی سب سے عمدہ مورخ ہے۔ یہی رائے اور بھی ایک مشہور مورخ کی نسبت ظاہر کی جاسکتی ہے۔ جس کی تصنیف میں
 تمام خوبیاں حدت کی اُن لوگوں کے لئے بھی ہیں۔ جو اُن ماجروں میں جس کا اُس نے
 ذکر کیا ہے شریک تھے۔ جادو گر کے عصا کی طرح اُس نے سندھ کی مٹی اور ریت
 کو مس کیا جس سے ایک نئی قوم پیدا ہو گئی۔ بُرائے مہربان امیر اور سردار جو اکثر
 ہمارے خیر مقدم کیا کرتے تھے سب گدر گئے اور اُن کی جڈ سے دوزخ کا ظلم جو اپنے بچوں کے
 قتل سے خوش ہوتے اور اپنی بے کس بیویوں کو برہنہ چابکوں سے زود کو ب کرتے اور
 اپنی رعایا کو ظلم کی آہنی ایڑیوں سے پامال کرتے میں نکل آئے ہیں۔ اُن غول بیابانی کی
 صورتوں کو حیرت انگیز نگاہ سے دیکھ کر جو ہمارے گردہ کا پیش نظر آتی ہیں، ہم ناحق کسی
 زمانے کے صورت آشنا لوگوں کے قتلہ می ہوتے ہیں۔

کیا یہ وہی ملک ہے جس میں ہم اکثر تنہا یا دو سواروں کو ساتھ لے کر سفر کرتے

تھے۔ مگر اب جنگ میانہی کا جری سپاہی چلتے ہوئے راستوں سے بغیر پچاس سواہل کی محافظت کے چلنا حماقت تصور کرتا ہے۔ کیا یہ وہی رئیس ہیں جن سے ہم نے ہمیشہ دوستانہ پیش آنے کے لئے حلف اٹھایا تھا۔ یہ جانو جو بھنڑ ظاہری صورت کے اور کچھ نہیں رکھتے کیا وہی حاکم ہیں جن سے ہم وقت ضرورت اکثر امداد طلب کیا کرتے تھے۔

انگریزوں کا سندیوں سے ناروا سلوک

مگر ہم کیوں قیمتی اوقات اُن زیادتیوں پر غور کر کے فائدہ کریں جن کی نظیر بجز اُس معاملہ کے ضعف کے اور کچھ نظر نہیں آتی جن کی صفائی اُن کے رویہ سے کی جاتی ہے۔ ہم اس بات کو یقین نہ کریں گے اور غور کرنے والی عیسائی پبلک محض جملوں کی آب و تاب سے واقعات کو نظر انداز کرے گی یا وہ چند سال کے گزر جانے کو اس قدر موثر ہونے لے گی جن کی وجہ سے سندھ کے فہم و بیدار واقعات گرمی و سفائی کو فراموش کر ڈالے گی۔

لیکن وقت اور ضعف خدا نے اُن واقعات کو ہو یا کر دیا ہے جن کو اب زیادہ عرصے تک پوشیدہ نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ جن کا خون سٹریوالوں کے ظلم اور ہنگری والوں کے مصائب کی داستان میں لڑا اب تک جوش میں آتا ہے وہ یہاں آکر اتنے ہی زیادہ ظلم اور آحتی ہی زیادہ تکلیفوں کے حالات پڑھیں جو ایک خود مختار قوم پر جائز ہوئیں جس کے وہ مستحق نہ تھے اور جو انگریزوں کے باعث سے ہوئیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جو لوگ اور دوسری داستان غم و الم سے گڑھے میں وہ اس سے رنجیدہ نہ ہوں جو سب سے زیادہ حسرت آلود داستان ہے۔ کبھی عیسائیوں نے رنج و غلبہ سے سنا ہو گا۔ کیا وحشی و اکیوں اور اُن سے بھی زیادہ وحشیوں کے جو انسان اور حیوان کے درمیان ہرزخ کے طور پر ہیں۔ حامی نکل آئیں گے اور کوئی ایک کلمہ ہمارے خاص

دوستوں کے حق میں نہ کہے گا۔ یا ہاتھ پاؤں نہ بلائے گا۔ جن کی حفاظت کا ہم نے متاثر
صلح نامہ سے معاہدہ صالح کیا تھا اور جو ایسے مظلوم شخص تھے جن کے گرد عیاری اور
بد معاشی کا جال پھیلا یا گیا تھا اور جو ایسی دردغ گوئیوں سے پھانسنے لگے تھے جن
کے پڑھنے سے روشنی بھی اندھیری معلوم ہوتی تھی۔

اہل انگلستان سے سوال انگلستان کے باشندو! ذرا اپنی فخریہ آزادی کی جانب
غور کرو اور اپنی نبض کی اور زیادہ حرارت میں اُن لوگوں

کا خیال کرو جو تھیں۔ ہاتھوں سے اپنی آزادی اور مسکن کی محافظت کے لئے مات
لگے۔ اور اُس چھوٹے مگر زیادہ بد نصیب گروہ کے لئے اظہار ہمدردی کرو جو ایک
زمانے میں تمہارے دوست بلکہ محسن تھے اور اب ایک دور دراز ملک میں جلاوطنی
کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور جن کے قید رکھنے والوں کو تم لوگ تنخواہیں دیتے ہو
اور جس کی اعانت اور مدد کے تم ایک وقت میں متلاشی ہوئے تھے۔

اے انگلستان کی عورتو! ذرا اُن شہزادوں کی ماں بہنوں کا خیال کرو جن
کے زیورات اتار لئے گئے ہیں۔ گھر سے نکال دی گئی ہیں اور ویران جنگلوں اور
برودی گاہوں کے سم اور دلدلوں میں آوارہ بے مونس و غم خوار مارے مارے پھرتے
ہیں۔ لیکن اگر تم مٹی طب نہ ہو گے تو یہ نہ خیال کرو کہ تمام سلطنتوں کے گوشن ان
زیادتیوں کی جانب سے بند ہیں۔

اہل سندھ پر مظالم کی افریقہ میں بازگشت افریقہ کا ملک بھی جو دور ہے اور محسرا کا
ریگستان بھی آواز بازگشت پیدا کرتا ہے

حال میں ایک مسافر جو اُن ویرانوں میں گشت کرتا تھا کیا کہتا ہے اُسے سنو۔
ہماری گفتگو بیک بیک ایک نامی شخص کے آجانے سے رک گئی جو اس بن کا
بمنزلہ سلطان کے ہے۔ یہ شخص مشہور و مال دار و طاقتور ابن موسیٰ عطانی کہلاتا

ہے۔ اُس کا بسن بہت زیادہ ہے اور تقریباً اندھا ہے اور اُن کا سردار ہے جو بہت زیادہ اور سرد آدرودہ ہیں۔ جب اُس نے یہ سنا کہ میں موجود ہوں تو تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے پوچھا کہ اے نصاریٰ تم سندھ سے واقف ہو۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں اُس نے پھر پوچھا کہ وہاں انگریز ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اُس وقت اُس نے منہ پھیر کر لوگوں سے کچھ اپنی زبان میں کہا۔

مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اُس نے یہ کہا کہ یہ نصاریٰ تمام مسلمان ملکوں کو ہضم کرتے چلتے ہیں۔ اُس کے بعد اُس نے ایک بیک مجھ سے سوال کیا کہ انگریز وہاں جا کر کیوں مسلمانوں کو ہضم کرتے چلے جاتے ہیں بعد کو وہ یہاں آئیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ سندھ کے امیروں نے یو قونی کی کہ انگریزوں کے خلاف سازش کی۔ لیکن سندھ کے مسلمانوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو خود انگریزوں کو ہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ تو تم کہتے ہو اور پوچھنے لگا کہ تم لوگ کھرے نکل کر دور مقامات پر اور لوگوں کے ملک چھین لینے کے لیے کیوں جاتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ترک بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ہائے تم لوگ بھی ویسے ہی ظالم ہونا چاہتے ہو جیسے کہ ترک ہیں۔ مجھ سے کہا کہ بس اب خاموش رہو۔ حاضرین میں سے کوئی ایک کلمہ منہ سے نہ نکال سکتا تھا۔ یہ سکوت کچھ عرصہ تک رہا۔

ایسی عمدہ رائیں ہم نے سندھ کی فتح سے حاصل کی ہیں۔ اور کیا اہل سندھ پر مظالم! یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جہاں اُس ملک کے ظلم و ستم کا حال افریقہ کے ویرانوں تک پہنچ گیا ہے اُن کا کوئی آخر انگریزوں کی ہندوستانی رعایا پر نہیں ہوا ہے اور انہوں نے اُس پر مطلق خیال نہیں کیا ہے۔ آپ ایسے شخص کے

بیان کا اعتبار کیجئے۔ جس کو پچ کے بگاڑنے میں کوئی غرض متعلق نہیں ہے جو ہندوستان کے باشندوں کو خوب جانتا ہے جس نے اُن سے برادرانہ طور پر گفتگو کی ہے اور اُن کی طبیعتوں کو پہچانتا ہے جو بڑے اور متکبر لوگوں سے پنہاں ہیں کہ سندھ کے ظلم و ستم کی کیفیت لوح دل پر منقش ہے گو کہ اُن کے لئے جو کچھ صدمہ اور رنج ہے وہ پوشیدہ ہے۔

بھاول پور کے خان نے بھی جسے سندھ کے فاتح اور گورنر جنرل نے اُس بے ایمانی سے حاصل کی ہوئی زمین کا حصہ دے کر عزت بخشی تھی۔ اُس شخص کی آزادی کے لئے فدیہ دیا۔ جسے انگریزی جرنیل نے بہت ستایا تھا۔ مگر یہ بیان قبل از وقت ہے۔ اُس معاملے کو صاف طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سندھ کا قصہ جیسا کہ اس وقت ہے لکھا جائے۔ ایک مختصر بیان واقعات کا یعنی محض پچے حالات جن میں مبالغہ جو اُن جھوٹی روایتوں کی تردید کر دیں گے جو دنیا کے رو بہ بیان کی گئی ہیں۔

اس غلط بحث کی تردید کے لئے کہ تالپور خاندان والوں نے زبردستی تالپور خاندان تک لیا تھا اور اس وجہ سے اور مناسب طور پر اُس دولت سے محروم کئے جاسکتے ہیں۔ جو انھوں نے ناجائز طریقہ سے حاصل کی تھی یہ ضروری ہے کہ چند کلمے اُن استیارات کے ابتدا کے بارے میں کہے جائیں۔ ^{۱۷۷۷ء} میں سرفراز خاں کلہوڑا نے جو مسنون مزاج بیدار سندھ کا پٹنہ تھا۔ تالپور کے سردار بہرام کو جو سندھ کے نامی سرداروں میں تھا مع اُس کے ایک فرزند کے مروا ڈالا۔ اس ظالمانہ حرکت سے وہ تخت سے علیحدہ کیا گیا۔ لیکن اُس کے بانشینوں میں سے ایک شخص غلام بنی نے اُس سزا کا خوف نہ کر کے جو اُس کی نازیبا حرکت کی ملی تھی مقتول سردار کے باقی ماندہ فرزند کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے ایک جنگ ہوئی۔ جس میں غلام بنی ہار گیا اور

مارا گیا۔ فاتح نے جس کا نام بجر خاں ہے نہایت مجبوری سے مفتوح ظالم کے بھائی
عبدالبنی کی اطاعت قبول کی۔ حالانکہ مکمل سندھ اُس کے قبضے میں آسکتا تھا اور وہ
پہلا شخص تھا جس نے حلف اطاعت کرنے کا لیا۔ مگر کسی تجربہ سے کلہوڑا خاندان کے
بد نصیبوں کو عقل نہ آئی۔ عبدالبنی نے محسن یعنی اُس تالپور سردار کو قتل کر ڈالا۔
تمام سندھ کے لوگ اس سے برا فروختہ ہوئے اور اُس ظالم اور دغا باز کلہوڑا کو
ملک سے نکال دیا۔

تالپور حکومت کی ابتدا | اُس تاریخ سے یعنی مشنہء سندھ کی حکومت تالپور
لوگوں کے سپرد ہوئی۔ سندھ کے لوگوں نے بالا اتفاق انھیں
اپنا حاکم تجویز کیا اور ہمارے پاس تحریری شہادت اُن لوگوں کی ہے جو اُس ملک میں
گئے ہیں کہ اُس وقت سے اُس نے فارغ البالی میں ترقی شروع کی۔

ميجر ریل کی شہادت موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلہوڑا لوگوں میں بہت
سے سندھی دوسرے ملکوں میں اپنے حاکموں کے ظلم سے بھاگ جاتے تھے۔ اُس کا
مقابلہ امیروں کے عہد کی حالت سے کرنا چاہئے جیسا کہ مشرٹل کی رپورٹ میں جو انھوں
نے بمبئی کی گورنمنٹ کو کی تھی ظاہر ہے وہ لکھتے ہیں کہ سندھ کے تاجر ہوشیار اور تیز
ہیں اُن کی حفاظت بخوبی ہوتی ہے۔ گو کہ ٹیکس کا اُن پر زیادہ بار ہے مگر اس قدر نہیں ہے
کہ جس سے غیر ملک کے تاجر اپنا وطن چھوڑ کر امیروں کی عمل داری میں رہنے کے لئے تیار ہوں۔

میر نصیر خاں مرحوم نے کسی قدر اس سے مختلف روایت ان معاملات کی جو یہاں مذکور ہیں بیان
کی ہے اور یہاں ہم نے یورپ میں سندھوں کے مطابق بیان کیا ہے۔ بے شک امیر کا بیان زیادہ مستند ہے اور نصیر میں شک ہے۔

۱۲۔ کتاب موسومہ "امیران سندھ" صفحہ ۶۲۔ ۱۳۔

۱۴۔ کتاب موسومہ "امیران سندھ" صفحہ ۱۶۔ ۱۵۔

مقابلہ کسی ملک کے ہو درمیان دریائے سندھ اور فرات کے ہے سندھ کی بہت کم جاسکتا ہے کہ ایسا ملک ہے جو شائستگی میں بہت بڑھا ہوا ہے گورنمنٹ کو کہ منت ہے مگر نگران اور با ترتیب ہے اور اپنے فرائد کا اس قدر خیال رکھتی ہے کہ تجارت یا ملک کی ذراعت کو خراب نہیں کر سکتی۔ رعایا مطیع اور بے شر ہے اور قوانین کا لحاظ کی جاسکتا ہے۔

سندھ میں امن وامان مستر افغنیسن نے بھی ثابت کیا ہے کہ تالپور لوگوں کے پہلے حکومت پانے پر افغانوں کے تباہی خیز حملوں کا مقابلہ کرنا
پڑا جن میں ایک مرتبہ مدد خاں نے ملک کو اس قدر ویران کیا تھا کہ وہ تیس سال بڑی نہ سنبھلا۔ باوجود ان سب باتوں کے امیروں نے حملہ آوروں کے ہٹانے میں آخر کار کامیابی حاصل کی اور اپنی رعایا کو مطمئن کیا۔ ان کے قدموں کے نیچے حیدر آباد مال داروں آباد ہو گیا اور یہ سچ طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جہاں افغانستان میں خونریزی اور خوف کی عمل داری تھی اور خود ہمارے ہندوستان کی عمل داری میں خونریزی اور غارتگری ہو رہی تھی۔ سندھ میں امن وامان تھا۔ امیروں کو متہم کرنے والے صرف اس بات کا جواب دیں کہ اگر امیر ویسے منصف اور نیک بادشاہ نہ تھے جیسا کہ وہ یہاں لکھتے ہیں تو سانچہ برس تک ان لوگوں نے بلا کسی بھی نزاع یا رعایا کی بغاوت کے اس سلفیت پر کیسے حکمران رہے۔ ایک زمانے میں بہت فتنہ و فساد رہتا تھا۔ اتہام عائد کرتے والے اس بات کا جواب دیں اور اگر ہو سکے تو اس کی کیفیت بیان کریں کہ سندھ کے لوگ اپنے بادشاہوں کو

مٹھ مو بہ واسطے بغیر لڑائی کے اپنی ریاست پائی گو کہ اس نے اپنے آدمی اکٹھا کئے تھے میر تیم اور علی ہر دو میں نہ ہر کی لڑائی اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ میر تیم بالکل حکومت سے خارج نہ ہوا تھا اور وہ بھی نہ ہوتی ہوتی اگر ہم لوگوں نے علی مراد کی تائید اپنے آقائے نعمت سے پائی ہو جائے میں نہ کی ہوتی ۱۲۰

بلا اتفاق چار یار کے لقب سے کیوں پکارتے تھے۔

انگریزوں سے معاہدہ | اب ہم اپنے تعلقات کی تاریخ پر غور کرتے ہیں جو سندھ کے ساتھ ۱۸۱۷ء سے شروع ہوئے۔ جب وہاں ایک سفیر بھٹی سے گیا اور انگریزوں کی جانب سے ایک معاہدہ اتحاد کیا۔ جو اپنی حفاظت اور دوسروں پر حملہ کرنے کی شرائط پر میر غلام علی میر کرم علی اور میر مراد علی موجودہ فرماں روا یان سندھ سے طے پایا۔ جوں ہی یہ اتحاد قائم ہوا اُس بد عہدی اور خلاف معاہدگی کے ساتھ جو ہمارے جملہ معاملات میں امیروں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ایک سفارت ۱۸۱۷ء اس کی فسونی کے لئے بھیجی گئی یہ مشر بنکی استھ کو جنھیں یہ کام سپرد ہوا تھا۔ ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے معاہدہ کو فروغ دیں۔ سندھ میں فرانسیسیوں کے قیام کو روکیں اور انگریزی اور سندھی گورنمنٹ کے مناسب ماہمی درجوں کو قائم کریں جو ایک عجیب اور مذہب حملہ تھا۔

سندھ پر قبضہ کرنے کا مشورہ | ناظرین میں کوئی لا پرواہ شخص اُن شکایتوں کو سن کر ہنسے گا جو اُس وقت امیروں کی رقابت اور شکوک کی جاتی تھیں۔ جب اُسے یہ معلوم ہوگا کہ جس وقت ہم لوگ ایک اینچی سندھ کے دربار میں پیغامات اتحاد اور خلوص لے کر بھیج رہے تھے۔ ہمارا سفیر متعینہ کاہل گورنر جنرل کو رائے دے رہا تھا کہ ملک کو فتح کر کے اُس کے محاصل کا ایک بڑا جزو اُس کے خلعی اور جانی دشمن کے حوالے کیا جائے۔ اور ملک سرکاری مقبوضات میں شامل کروایا جائے مگر اُس لائق انسر کی نسبت انصافاً یہ کہا جاسکتا ہے اُس نے اپنی تجویز اس غلط فہم

۱۲۔ اس کا کوئی ذکر سرکاری کتاب میں نہیں ہے اور نہ صلح نامہ شائع ہوا ہے۔

۱۳۔ سرکاری کتاب کے موزوں میں صلح نامہ کو دیکھو جس کی ابتدا الفاظ "و امیر اتحاد سے" سے کیا کہنا۔

کے پائے پر پیش کی کہ امیروں نے ہمارے دشمن فرانسیسیوں سے سازش کر لی ہے :
ان کے ساتھ اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔

گورنر جنرل لارڈ مٹو کی حکمت عملی | گورنر جنرل لارڈ مٹو نے اس رائے کو اس وقت اور
خیال خوش معاملگی سے نامعلوم کیا جو ایک انگریز

فرماں روا کے شایان شان ہے اور ساتھ ہی ساتھ سندھ کے امیروں کو مطلق العنان
بادشاہ تسلیم کیا اور افغان بادشاہ کے دعوے خراج گیری جو ان کی نسبت کیا گیا تھا
متردک قرار دیا۔ سفیر نے اس غلطی کو تسلیم کیا۔ جو اس نے سرزد ہوئی تھی اور
اپنی ناواقف کاری کا عند ایسی تجویز کی نسبت پیش کیا جو نا منصفانہ اور خلاف مصلحت
ملک گیری تھی۔ مگر کوئی ایمان دار شخص نہ کہے گا کہ امیروں کے شبہ بالکل بے بنیاد
تھے ان کا دغیبہ اس حملہ سے نہ ہو سکتا تھا جو ہم نے کچھ پر مشاء میں کیا اور آخر
اس پر مشاء میں قبضہ کر لیا۔ یہ ملک سندھ کی سرحد کے ساتھ ملتا ہے۔

معاهدات کی تجدید | ایک زمانے میں تقریباً اس کے ساتھ غلام شاہ کھوڑا نے
ملحق کر لیا تھا۔ کچھ پر متج حاصل کرنے سے سندھ کے ساتھ
مشاء میں تجدید صلح نامعات ہوئی یعنی ہم لوگوں نے اتحاد کا حلف اس وقت تک کے
لئے لیا جب تک کہ موقع مناسب ملک پر قبضہ کرنے اور اپنے دوستوں کو برباد اور قید
کرنے کا نہ ملا۔ مشاء میں امیروں نے ایک انگریزی افسر کو ملاقات کرنے کے لئے طلب
کیا یعنی اس قسم کے افسر کو جس کے وہ اپنے ملک میں آنے کے روادار تھے اور وہ طبیب

سے سرکاری کتاب کا صفحہ اول ملاحظہ کرو۔ کیونکہ صلح نامہ تمام یورپین اور امریکن کوسندھ
میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور امیروں کو پابند کرتا ہے کہ چند ڈاکو نرتوں کو کچھ کے ہم سرحد سے
غارت گری سے باز رکھیں۔ ۱۳

تھا۔ وہ افسر خوش نصیبی سے امحق کے لئے لائق اور غیر متعصب تھا۔ یعنی ایسا شخص تھا جس کی نیک مزاجی اور بہت سے اوصاف امیروں کو غالباً ہمارے ہم وطنوں کی نسبت پہلے سے عمدہ رائے قائم کرنے کے لئے موزوں تھے۔ اُس کی شہادت کافی طور پر اُن اتہامات میں سے بہتروں کی تردید کرتی ہے جو امیروں کے خلاف اُن کی معزولی کو جائز کرنے کے لئے کہی گئی ہیں۔

امیران سندھ کا منشیات سے اجتناب | جب ہم کتاب موسومہ "فتح سندھ" میں امیروں کے دائمی منشی حالت کا ذکر پڑھتے ہیں تو ہم کو نہایت تعجب ہوتا ہے کہ ایک طبیب جو اُن کے ہاں مہینوں تعینات رہا ذیل کی کیفیت ان کی بیان کرتا ہے۔ "سندھ کے امیر عیش و عشرت میں معمولی مسلمان بادشاہوں سے کم فرق ہو رہے ہیں۔ میر مراد علی نے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کیا کہ آیا مجھے کوئی اعتراض اُس کے دارو پینے پر ہے جس کے معنی میں نے معمولی طور پر مقطر شراب کے بچے اور میں نے کہنا شروع کیا کہ تمام محرک عقول بالخصوص شراب سے اجتناب بہتر ہو گا اس نے مجھ کو روک کر کہا کہ "میرے رو برو اس ممنوع شے کا نام نہ لیں۔"

مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کی غرض انار سے تھی اور گوکہ اس حکایت سے لوگ ظاہر داری کا اظہار بہت سے لوگوں کے رو برو تصور کریں تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ صحیح ہے کہ امیر منشی اشما کا استعمال نہیں کرتے انھوں نے بے عزتی کے ساتھ اُن لوگوں کو نکال دیا ہے جو شراب پنی کر گئے ہیں۔ اور میر علی مراد کی ملازمت ایک بلوچی مالی نژاد سردار بہادر خاں بہت عرصے تک ایک بار نشے میں پائے جانے کے باعث معطل

رہا۔ امیر بالعموم نچپروں کی قسم کی ادویہ کے استعمال سے متعرض اس لئے ہوتے تھے کہ ان میں شراب تھی۔ ان کے دربار میں حقہ تک نہیں نظر آتا اور نہ خاندان میں کوئی افیم کھاتا۔ امیروں کے وزیر اور مشیر معتمد الیہ کی نسبت وہی مصنف **امرات سندھ کی پابندی شرع** یہ قابل لحاظ کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس روز دن بھر

جب کہ میں بڑے گارہا تھا وہی محلے خاں میں کو میرے ساتھ اس وجہ سے خوش اعتقادی تھی کہ میں اس کے بچوں پر زیادہ توجہ کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوا کرتا تھا۔ میرے پلنگ کے پاس سے نہ ہٹا۔ درجس وقت میرے حواس درست ہوئے تو پہلے میری نگاہ اس بوڑھے شخص پر پڑی کہ میری محنت کے لئے سر بہ بخود ہے۔ ایسی ہمدردی بہتر لوگوں کے لئے قابل تفسیر ہے۔

ڈاکٹر برنس لکھتے ہیں کہ "مذہب کی پابندی میں امیروں کا کل خاندان نہایت ہی سخت تھا اور میں نے ان میں سے بہتوں کو دربار عام میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

جب سے ڈاکٹر برنس حیدرآباد گئے کوئی امر قابل لحاظ ہمارے **لفٹیننٹ برنس کی سفارت** سندھ کی آمدورفت میں جنوری ۱۸۵۷ء تک واقع نہ ہوا۔

اس وقت سر ایگزیکٹو برنس، اس وقت لفٹیننٹ برنس تھے وہاں رنجیت سنگھ کے لئے تحائف لے کر آئے اور ان کو پوشیدہ احکامات دریاے سندھ کی راہ کی تجسس کے لئے گئے تھے۔ تعجب ہے کہ امیر غلامک والوں کے ساتھ رقابت میں اصرار کرتے تھے اور ایک

لے متواتر بیانات جو امیروں کے غشی ہونے کے نتیجے سندھ میں دیتے ہوئے ہیں وہ اسی قسم کے ہیں جو ان کے پڑے یا لکھنے کے ناقابل ہونے کے بارے میں ہیں۔ اس کا مقابلہ اس سے کیجئے جو ڈاکٹر برنس نے تفسیرات کی نسبت لکھا ہے۔ میری موجودگی میں حیدرآباد کی جانب نیرباغیس کی پارسی اور شاعری کی ہمیشہ تعریف ہوا کرتی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ ان سے درخواست کی کہ وہ ایک جلد اپنی تصنیفات موسومہ دیوان جعفر عنایت کر کے انوار بخشیں۔ ۱۰

سندھی سپاہی نے دلیرانہ زیر کی ہے۔ بجواب ہمارے سفیر کے اس کلام کے کہ میں نہتا آیا ہوں کہا کہ "بھائی ہو چکی کیونکہ تم نے ہمارا ملک دیکھ لیا۔"

جب لفٹنٹ برنس دریا کے چڑھاؤ پر روانہ ہوئے تو ایک سندھی نے اپنے ہمراہی سے مخاطب ہو کر کہا یہ افسوس اب سندھ جاتا رہا کیونکہ انگریزوں نے دریا کو دیکھ لیا جو اُس کی فتح کا راستہ ہے۔ گو کہ امیروں نے صاف صاف انہار کر دیا کہ وہ اصل غرض ہماری آمد کی سمجھ گئے۔ تاہم وہ ہمارے سفیر کے ساتھ باخلاق پیش آئے اور گورنمنٹ کی خواہشوں کو جب وہ اُن سے ظاہر کی گئیں فوراً منظور کر لیا۔

میر رستم والی خیرپور کی مہمان دوازی | خیرپور کے حاکم میر رستم نے اور بھی زیادہ خواہش خوش کرنے کی ظاہر کی۔ اُس نے ایک معتد افسر محمد گوہر کو اتنی میل آگے ہمارے سفیر کے استقبال اور انگریزی گورنمنٹ کی کامل اطاعت کے انہار کے لئے روانہ کیا۔ سفارت کے ساتھ بہت سا سامان بھیجے۔ آٹا اور میوہ و مصالح و شکر گھی و مکھن و تمباکو و انیم وغیرہ کا جس پر ہمارے لوگوں نے خوب ہاتھ مارے۔ بھیڑیں ذبح کر کے پکائی جاتی تھیں۔ چاول اور گھی کا مزے دار طعام پکاتا تھا اور میں یقین کرتا ہوں کہ تمام لوگ میر رستم کا اُسی طرح شکریہ ادا کرتے تھے۔ جس طرح ہم لوگ کرتے تھے اور میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ محض ابتداء ایک ایسی ضیافت کی تھی جو دنانہ اُس عرصے تک ہوتی رہی۔ جب تک ہم لوگ اُس کے ملک میں رہے۔ یعنی تین ہفتے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد میر رستم کا وزیر فتح محمد خاں غوری ہمارے سفیر سے ملنے آیا۔

۱۔ برنس کے سفر نامہ "جلد قمری" صفحہ ۱۲۔

۲۔ سفر نامہ برنس صفحہ ۴۸-۱۲۔

۳۔ سفر نامہ برنس صفحہ ۹۱-۱۲۔

اُس کو ایک بوڑھے شخص نے بیان کیا ہے جو ایک اور خلیق تھا۔ لفینٹ برنس لکھتے ہیں۔ کہ - ہماری مدارات لطف و کرم کے ساتھ کی گئی۔ وزیر نے ہم کو اطمینان دلایا کہ اُس کے اتفاق کو ہماری آمد کی خبر سن کر نہایت خوشی ہوئی۔ کیونکہ میرے عرصے سے خواہش تھی کہ انگریزوں سے زیادہ خلوص پیدا ہو اور اب تک گورنمنٹ کے کسی سفیر سے ملاقات نہ ہوئی تھی اُس نے کہا کہ - میرے رستم کو اس بات کا زعم نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ایسی بڑی اور طاقت ور قوم کے ہم پلہ تصور کرے۔ لیکن یہ امید ہے کہ اُس کے بھی خواہوں میں اُس کا شمار کیا جائے اور ایسا شخص خیال کیا جائے جو ہر حالت میں خدمت کرنے پر آمادہ ہے :

لفینٹ برنس کی میرے رستم سے ملاقات | اُس کے بعد لفینٹ برنس نے خیرپور میں میرے رستم سے ملاقات کی۔ کسی قدر استعجاب کے ساتھ ہم اُس شخص کی تقریر پر نگاہ کرتے ہیں جسے - فتح سندھ - میں شہزادی اور عیاش شخص لکھا ہے۔ ناظرین ذرا اس شبہ کا انصاف کریں۔ جو کچھ امیر کہتا تھا اُس میں اس قدر ملائمت تھی کہ ہم لوگ یقین نہ کر سکتے تھے کہ ہم بلوچی دربار میں اس وقت موجود ہیں۔ اس نے افسوس ظاہر کیا کہ ہم لوگ ایک ماہ تک اُس کے ہاں قیام نہ کر سکے اور چونکہ ہم لوگ رخصت ہونے پر آمادہ تھے۔ ہم کو اُس نے اپنا خاص بھرا دیا اور سرحد تک اپنے وزیر نادے کو ساتھ کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک خیرپور کی عمل داری میں رہیں ایک بلوچی سپاہی راہنی جانب اشارہ کر کے، کی مہمان داری کو قبول کریں۔ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جس مہمان داری کا اُس نے اس قدر انکسار کے ساتھ بیان کیا وہ یہ تھی کہ روزانہ آٹھ یا دس بھٹیاں اور ہر قسم کا سامان ڈیڑھ سو آدمیوں کے لئے ملا کرتا تھا اور جب تک خیرپور میں رہے وہ ہر روز صبح استعمال خاص کے لئے بہتر قاب میں کھانے کی بھیجا کرتا تھا۔

لفینٹ برنس کے لئے تحائف | روانگی سے قبل امیر اور اُس کے خاندان والوں نے دو خیر بھیجے اور دو تلواریں جن کے قبضوں پر طلائی کام زیادتی کے ساتھ

تھا۔ ایک کا قبضہ اتنی پونڈ مالیت کا قرار پایا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے کپڑے ریشمی اور سوتی آئے تھے اور ایک تھیلی ہزار روپیوں کی تھی جسے میں نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ اب کوئی شے عزیز میرے رستم خان کی عنایت کے یاد رکھنے کے لئے مجھے ورکار نہیں ہے۔

لفٹنٹ برنس کا سفر نامہ | برنس کے سفر نامے کی تیسری جلد کے دیکھنے سے بہت سی سندیں اسی قسم کی میرے رستم کی عمدہ و تخلیق اور اعتبار رکرنے والی طبیعت کی ملیں گی۔ اور واقعی ایک لفظ بھی اس شخص کی زبان سے جو اس سے ذاتی واقفیت رکھتا تھا اور جس کو کسی غرض سے کام نہ تھا ان تمام لوگوں کے حامدانہ الزامات سے زیادہ وزنی رکھتا ہے جنہوں نے سندھ میں کبھی قدم نہیں رکھا نہ وہاں کے کسی باشندے سے گفتگو کی اور جن کی غرض بالکل ظاہر ہے۔

دریائے سندھ کی جہا زرا نی | اب انگریز کئی سال سے اپنا موقع ڈھونڈ رہے تھے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ دریائے سندھ قابل جہا زرا نی ہے اور امیروں کے جواہر و تحائف جو وہ اپنے پاس آئے و اسے یورپین لوگوں کو فیاضی سے دیا کرتے تھے۔ ثابت کرتے تھے کہ وہ مال دار ہیں۔ انگریزی گورنمنٹ سے ان لوگوں کو رفتہ رفتہ الفت ہوتی جاتی تھی۔ یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان سرداروں سے زیادہ اتحاد بڑھایا جائے جن کے دارالسلطنت میں رسائی اس قدر آسان تھی۔ اور جو اپنے محافظین کے اخراجات کو ادا کر سکتے ہیں۔ ~~۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء~~ کے صلح ناموں سے ہم نے دریائے سندھ کی جہا زرا نی کو قائم کیا۔ امیروں کو ایک نئے زمانے کی جانب متوجہ ہونے کی تعلیم دی گئی۔ ان کو بتایا گیا کہ تجارت اپنے طلائی بازوں سے اس قدر دولت لائے گی جو ختم نہ ہوگی۔ دولت اور ثروتی ملک میں پھیلائی جائے گی۔ اور امیر خود بہ امینان انگریزی جمنڈے کے سائے میں رہیں گے۔ یہ خیالات آئندہ کے لئے تو خوب ہیں مگر بالفعل امیروں کی آمدنی جو دریائے سندھ سے ہوتی ہے رفتہ رفتہ کم ہو جائے والی تھی۔

امیران سندھ اور انگریزوں کا مساوی درجہ | اس امر کا بالکل ناپسندیدہ شبہ دفع کرنے کے لئے دونوں سلطنتوں نے باہم اقرار کیا کہ ایک دوسرے کے مقبوضات کو فملاً بعد نسل لاپٹ کی نظر سے دیکھیں مگر یہ شرط گو کہ عبارت سے بدرجہ مساوی فریقین پر عائد ہوتی ہے تاہم خاص امیروں پر واجب التعلیم تصور کی گئی ہے جن کی فوج میں کئی ہزار بے قاعدہ سپاہیوں کے ہونے سے جو کمتر مطیع ہیں یہ زیادہ بہتر تھا کہ وہ ہندوستان کی فتح کا قصد کریں یہ نسبت اس کے کہ ہماری گورنمنٹ جس کے پاس پانچ لاکھ یا اس کے قریب سپاہی زیادہ تر قواعد داں ہیں۔ سندھ کے فتح کا قصد کرتے۔

اتحاد مملکت | مگر اس بات کو ہم مد گذر کرتے ہیں اور اس مشہور اتحاد مملکت کا ذکر کرتے ہیں جو مشاء میں ماہین کاہل کے مسلمان بادشاہ دلاہو کے سکھ فرماں روا اور انگریزی گورنمنٹ کے طے پایا۔ انگریزوں کو ایک سخت فوف روسیوں کا ہندوستان پر حملہ کرنے کا ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ اس خیالی خطرے کی روک کے لئے افغانستان میں ایک دیوار قائم کریں۔ اس بات کے حاصل کرنے کے لئے سندھ سے ہو کر گذرنا اور اس ملک میں جنگی کارروائی کی ابتدا کرنا ضروری تھا۔ روپیہ ہی بادشاہ سازی کے خرچ کے لئے درکار تھا۔ ہمارے دوستوں یعنی امیروں پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا جاسکتا تھا۔ اور جب یہ بات ہمارے اختیار میں تھی کہ ہم سب سے لیں تو صرف ایک جزر کے لینے کے لئے کون ہماری رعایت کی تعریف نہیں کر سکتا تھا۔

فوجی مقامات کی حوالگی کا مطالبہ | چنانچہ ہم نے درخواست کی کہ ہماری فوج سندھ میں سے ہو کر آزادانہ گذرنے پائے۔ ہر قسم کا سامان ایک بڑی فوج کے لئے دیا جائے اور خاص خاص فوجی مقامات ہمارے حوالے کئے جائیں۔ ہمارے پولٹیکل افسر امیروں کے درباروں میں دوامی سکونت رکھیں۔ اور وہ لوگ اپنے کئی

حقوق خود مختار بادشاہوں کے چھوڑنے پر رضامندی ظاہر کر کے ہماری حکومت کو تسلیم کریں۔ ان فضولیات کا صلہ ہماری جانب سے امیروں کو ہماری حفاظت اور شاہ شجاع کے یاقینی خسارے سے آزادی قرار دیا گیا۔

مگر ایسا اتفاق ہے کہ شہنشاہ میں اس قدر عرصے سے گورنر جنرل نے تسلیم کر لیا تھا کہ افغانوں کا دعوے سندھ سے خراج وصول کرنے کا متروک ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک یا دو بار شاہ شجاع نے مزید فوج امیروں سے زر نقد پر اے خراج کے جیلے سے وصول کیا تھا مگر اس وقت وہ بغیر ہماری مدد کے اپنے مطالبوں کی تکمیل کرانے کے بالکل ناقابل تھا۔ اس کے سوا امیروں نے دو تحریروں پیش کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو آئندہ تمام مطالبوں سے بری کیا جائے، اور یہ تحریروں فارسی میں لکھی ہوئی تھیں اور ان پر بادشاہ کے دستخط اور مہر تھے۔ ہمارے ریڈیٹنٹ نے خود ان دستاویزات کو کو دیکھ کر بہت کچھ پس پیش ظاہر کیا اور بہ لحاظ اس خیال کے جو تمام معزز لوگوں کو اپنے چال و چلن کا لوگوں کی جانب سے ہوتا ہے ان کا دبا دینا نہایت ضرور سمجھا گیا۔

لیکن انگریزی پال چلن کی عمدگی اور دیانت ان معاملات میں قلعہ بکر پر قبضہ کی خواہش صاف صاف نظر آتی ہے جو میر رستم کے ساتھ اس وقت ہوئی گورنر جنرل خاص کر اس بات کے خواہاں تھے کہ بکر کے قلعہ کو فوج کا مستقر بنانے کے لئے لیں۔ سر ولیم میکٹائن نے سر ایلیگزینڈر برنس کو لکھا تھا: گورنر جنرل جیسا کہ آپ کو معلوم ہے بکر پر قبضہ کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور آپ غالباً میر رستم خاں کا استمراج کر سکیں گے۔ کہ وہ ہم لوگوں کے اس پر قبضہ کرنے کی نسبت کہاں تک راضی ہیں۔ اس

کے ساتھ آپ کو ایک کانڈگورنر جنرل کامہری اور دستخطی ملے گا۔ جس میں انھوں نے لکھ دیا ہے کہ ہماری خواہش اُس قلعہ پر صرف چند روزہ قبضہ کی ہے۔ اور آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر موقع ہو تو آپ اُسے پیش کر دیں۔

سیرالینڈر کی بد عہدی | جواب میں سیرالینڈر برنس نے رائے دی کہ ہم لوگ اُس قلعہ کو جو ہنی عاریٹا پاتیں اسس بنیاد پر چھین لیں کہ ہم لوگوں نے امیروں کے اُن مقبوضات پر متصرف نہ ہونے کا معاہدہ کیا تھا جو دریائے دلوں کے جانب ہیں۔ لیکن جرمنوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔

یہ سب عمدہ خیال ایک عیسائی معاہدہ کے حسب حال ہے۔ یہی خیال کرنا چاہئے کہ حب الوطنی کے با اُس نے کس قدر میر رستم کی اُس جہان نوازی کو فراموش کر دیا جس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور نیز اُن تحائف کو جو اُس رستم نے اُس کو دیئے تھے۔۔۔۔۔۔ یہ موقع نہیں کہ ہم عرصے تک ان مسرت انگیز یادوں کی باتوں پر زیادہ غور کریں۔ جو ہمارے معاملات سندھ کے بارے میں عمدہ اوصاف ظاہر کرتے ہیں۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ قلعہ کمرہ ایسی کے اقرار صالح پر عاریٹا دیا گیا۔ اور امیر کا شکریہ نہایت ہی عمدہ الفاظ میں اس اظہار خلوص کے لئے کیا گیا۔ اور ہم نے اُس کے واپس دینے کے وقت اور طریقے کے خیال کو بالائے طاق رکھا۔ اس وقت میر رستم نے ہمارے معاملے میں ایسی خوش اعتقادی ظاہر کی کہ شمالی سندھ کے پولیٹیکل ایجنٹ نے بھی ذیل کی عبارت اُس کی نسبت لکھی۔ "میں نے ایسے عمدہ آزادانہ اقرار کا بہت شکریہ ادا کیا۔ ایسی حمایت کے ساتھ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم لوگ کیونکر اس خاندان پر زر نقد یا کوئی اور شے طلب کر سکتے ہیں۔ میں نے کبھی اس امر میں شک نہیں کیا ہے کہ وہ

غلوں دل سے ہمارے شریک ہیں۔ لیکن اُن کی کمزور حالت سے وقت آزمائش کے بھٹاس
تدراستقلال کی امید نہ تھی بلکہ

۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ایک صلح نامہ ان شرائط کے تحت
امرائے حیدرآباد سے صلح نامہ | میرستم کے ساتھ پایا اور مارچ ۱۸۵۹ء کو عرصے
تک گفتگو قائم رہنے کے ایک دوسرا صلح نامہ چودہ شرائط کا حیدرآباد کے امیروں سے ہوا۔
خیرپور کے صلح نامہ میں یہ شرائط تھیں۔ اولاً وائے اتحاد۔ دوم تحفظ منجانب سرکار انگریزی۔
سوم ماتحتی شرکت منجانب خیرپور۔ چہارم باسٹھناے اعزاد احباب کے ریاست ہائے غیر
سے ممانعت خط و کتابت۔ پنجم ریاست ہائے غیر کے جھگڑوں میں انگریز کی ثالثی۔ ششم
غیر پور سے بروقت طلب حسب استعداد فوجی امداد۔ ہفتم کوئی شکایت خلاف میرستم اُس
کے خاندان یا رعایا کے نہ سنی جائے گی۔ ہشتم دریائے سندھ تجارت کی سہولت میں میر
ستم کی امداد۔ نہم باہمی متعینہ سفیروں کا تقرر۔ دہم منظوری صلح نامہ اندر میعاد بیا لیس
یوم۔ حیدرآباد کے صلح نامہ کے معاملہ کے نسبت تا وقتیکہ اتفاق نہ ہو۔ یہاں بحث کرے
کی غرض نہیں ہے۔ یا تا پور کے خاندان کے اُس جزو کی تکلیفات کی نسبت۔ وہ خود اُس
وقت ثابت سمجھا جائے گا۔ اگر صاف صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ ہماری جانب سے خیرپور کے
امیروں کی نسبت بے انصافی ظہور میں آئی۔ ہم لوگ اُن کارروائیوں کے طرز سے جو اُن
کی نسبت عمل میں آئیں نظر انداز کر سکتے ہیں جو اُن کے بھائیوں کے ساتھ جنوبی سندھ
میں کی گئی ہوں گی۔

لہذا حیدرآباد کے معاملے کی تجویز کو چھوڑ کر ہم خیرپور کے
امرائے خیرپور سے نا انصافی | صلح نامے کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ سرالیکزینڈر

کی شرح کے ساتھ سرکاری کتاب کے صفحات میں لے گا۔ ان راپوں میں ایک رائے دہنہ کے نسبت ہے جسے اگر امیروں نے دیکھ لیا ہوتا تو انہیں کچھ صحیح اندازہ مل گیا ہوتا۔ کہ ان کے ساتھ کیا ہوتا ہوئے والا ہے۔ ہمارے ایجنٹ لکھتے ہیں کہ "میں نے آسانی سے کشتیوں کا محصول ہمیشہ کے لئے موقوف کر دیا ہوتا۔ مگر یہ خطرناک بات ہوگی کہ جب تک ہمارا خاص اختیار سندھ میں قائم نہ ہو جائے۔ کشتیوں کے محصول سے امیر حفاظت سال کے کرنے کی بابت پابند ہیں۔ اس کے موقوف ہو جانے سے مال کی حفاظت کرنے کی پابندی سے وہ سبک دوش ہو جائیں گے۔" یہ رائے ایک متوسط اندازہ اس حکمت عملی کا ہے جو ہم نے سندھ میں جاری کر رکھی تھی۔

انگریزوں کا فریب | ہر ایک قدم جو آگے بڑھ سکتا تھا وہایا جاتا تھا اور ان سے بڑھ کر زیادتیاں جو ظاہر بغیر ایک بے موقع جنگ کے خطرے کے نہ کی جاسکتی تھیں ملتوی رکھی گئی تھیں۔ جب تک کہ ہمارا خاص دباؤ سندھ میں نہ قائم ہوئے یعنی پورا سندھ انگریزی ماتحتی میں نہ آجائے۔ اور اسی کو ہم لوگ اتحاد قائم کرنا کہتے ہیں۔

ہم لوگوں نے حلف لیا تھا کہ امیروں کی عمل داری کے ایک ذرہ کی طرح بھی نہیں کریں گے۔ مگر ہمارا پولیٹیکل ایجنٹ ڈھٹائی سے گورنر جنرل کو خطرناک زیادتیوں کے اس وقت تک ملتوی رکھنے کی رائے دیتا ہے جب تک کہ ہمارا اختیار ملک کے مستحق حاکموں کے اختیار کے بجائے قائم نہ ہوئے۔ ایسے فریب کی پیش روی سے تو سرچارلس نیپیر کی تقریباً اعلانہ اور دلیرانہ زیادتی اچھی ہے۔ اور بہ لحاظ جگہ کے ہم کو چاہیے۔ کہ اس اخیر فیصلہ معرکے کی جانب تعجیل کریں۔ درمیانی وقت پر پہلے سے کافی طور پر قبل کی یادداشت میں ہم میخفقہ سندھ کا بھی اس سخت بے انصافی کے بیان کے بارے میں اعتبار کر سکتے ہیں جو امیروں کے ساتھ قبل ظہور کے ہوئے۔ حصہ اول صفحہ ۴۹ باب دوم ملاحظہ کرو۔ ۱۲

عز کیا جا چکا ہے۔ وہاں یہ بات نظر آئے گی کہ ہماری راہ و رسم مذکورہ بالا صبح نامہ کے وقت سے نہایت ارتباط کے ساتھ سکھر میں مسٹر اس بل اور کیپٹن براؤن کی آمد تک امیروں کے ساتھ قائم تھی۔

علی مراد کی امتیازی حیثیت | یہ حکام اپنے ساتھ بہت سے دی کے عیار عمدہ دار لائے جن بزرگواروں میں سے بہتوں نے اپنے جرائم کا کفارہ قید خانوں میں دیا۔ ان لوگوں نے خود گستاخانہ طریقہ پر ستم اور دوسرے امیروں کے ساتھ علی مراد جیسا اختیار کیا جسے کسی یورپین نے ایک لمحہ بھر بھی برداشت نہ کیا ہوتا۔ صلح نامہ کے دفعہ کے بالکل برخلاف علی مراد کی سماعت ہوتی تھی۔ اور اس کی تائید برخلاف اس کے سردار میر ستم سے کی جاتی ہے۔ وہی کارہی والا ایک عمدہ دار جو سخت دروغ گو تھا اور محل رہائیوں کے لئے بعد کو سزا یافتہ ہوا۔ علی مراد کے دربار میں کئی دروہاں بہت جلد اس میں کا مشیر اور وزیر بن گیا۔ اس بدچلن زمانہ ساز اور پوٹیکل ایجنٹ کے ویسے ہی بدنام اور بدچلن معتمد الیہ منشی میں روزانہ خط و کتابت ہوتی تھی۔

اہم کاغذات کی چوری و فروشی | اول الذکر کا ایک معین جاسوس پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر میں ساتھ رہتا تھا اور نہایت ہی مخفی خط و کتابت کی

میں سے کاری کتاب صفحہ نمبر ۱۱۱

سے اکثر کاری کتاب ضروری ہوگی اور صلح ناموں کے شک ترجمہ جیٹ سے کے ساتھ کیا گیا ہے صفحہ نمبر ۱۱۱
مذکورہ پور کے صلح نامہ کی ایک عبارت کا ترجمہ بڑی صحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہم لوگوں نے معاہدہ کیا تھا کہ امیروں کے ایک دامیہ دم کا لاپٹہ نہ کریں گے۔ ناواقف پڑھنے والے کو سمجھنا چاہئے کہ ان لفظوں کو انگریزی میں تلفظ نام یاد رہے اور ان سے دو چھوٹے چھوٹے سکندر سے ملو ہے۔ یعنی ہم لوگوں نے امیروں کے ایک نوٹنگ کے لاپٹہ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا مگر ان کا انگریزی میں کیا خوب ترجمہ ان الفاظ میں ہوا ہے جن میں سے ایک کے معنی دریک ہیں اور دوسرے

تقلیں اس کے حوالے کی جاتی تھیں بلکہ ایک مدت کے بعد نہایت ہی اہم اسلی کا مذاق چڑھا کر علی مراد کے ہاتھ نہایت علانیہ اور بے حیائی کے ساتھ فروخت کئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ جہاں علی مراد کے ساتھ جو اس قدر عرصہ دراز تک ہم لوگوں سے علیحدہ تھا اپنی ظالمانہ اور عیاشانہ تدابیر حصول برتری کی کرنے میں اعانت کی جاتی تھی وہاں میرستم کے ساتھ اس کے اتحاد اور خلوص کو خود لارڈ آکلینڈ نے نواب بھاول پور کے اتالیق و خلوص کے ساتھ مدد دی قرار دیا تھا۔ نہایت بے حیائی اور قابل نفرتا شکری کا برتاؤ ہوتا تھا۔

پولٹیکل کینٹ کا میرستم سے اہانت و برطرفی | میرستم نے علانیہ پولٹیکل کینٹ کی توہین آمیز طریقہ کی شرکیت کی۔ بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ اپنی شکایت

کے ظاہر کرنے کے لئے ایک مفید گورنر جنرل کے پاس بھیجوں گا اور اس طور پر ہمارے ایکٹ کو اور بھی زیادہ اپنا دشمن بنا لیا۔ اب کوئی منصف مزاج شخص اس وقت کی حالت کو تصور کر سکتا ہے جو امیر کی تھی۔ وہ بتاتا تھا کہ جو کچھ وہ کرتا یا کہتا ہے اس کی نسبت نہایت غلط طور پر خلاف بیان کیا جاتا ہے۔

میرستم کے وزیر کی اہانت و برطرفی | اس کا وزیر جسے وہ خود اپنے بھائی کے طور پر بیان کرتا تھا علانیہ مورد توہین ہوا۔ اور اس کی حضوری سے نکلوا دیا گیا۔ اور ہمارا کینٹ اس کا علانیہ دشمن تھا۔ کیہ ہر شخص جو اپنے کو انگریز کہتا ہو ایک ایسا ہی رئیس کے اس قدر ستائے جانے پر شرمندہ اور پریشان نہ ہوگا جس کے اتحاد اور خدمات

سے کتاب سرکاری صفحہ ۲۰۰ ملاحظہ کرو۔ اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ علی مراد اندر سے ہم لوگوں کا مخالف تھا اور اب جو وہ آکر شریک ہوا ہے تو اس کی وجہیں یہ ہیں کہ ایک تو وہ دیکھتا ہے اور دوسرے میں اس بات سے واقف ہو گیا ہوں۔ جو اس نے اور ہر اب غل کے درمیان خط و کتابت ہوئی تھی۔ سند کا خلاصہ نام گورنر جنرل ۲۰۰

کی بار بار خود گورنر جنرل نے تعریف کی تھی۔ یہ کس قسم کا اتحاد ہے جس سے کمزور فریق کو شہرہ کے ایک ملازم کی ہمت تو ہیں آمیز حرکات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

یہاں کچھ زیادہ اُن دستاویزات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اپنی جس حیثیت میں بھی ہیں سرکاری کتاب میں درج کی گئی ہیں اور اس کی ضرورت اور بھی اس وجہ سے کم ہے کہ ہمارے پبلیک ایجنٹ کی خط و کتابت امیروں کے ساتھ ایک منشی کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور خود وہ فری اور سندھی سے واقف تھے۔ پس ہم کو کوئی بھی وجہ ان کے بیانات پر استدلال کرنے کی نہیں ہے۔ مثلاً سرکاری کتاب کے صفحہ ۲۳۶ میں میرستم کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دربار میں ایک انگریزی افسر کی تعیناتی سے نہایت خوش ہے حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ وہ اس قسم کی کارروائی کے بالکل خلاف تھا۔

فتح محمد غوری کے متعلق غلط بیانی

پہلے اس کتاب کے صفحہ ۲۳۶ میں حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ ہے جس میں فتح محمد غوری کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے خلاف تھا کہ اُس کا آقا انگریزی سرور سے اتحاد قائم کرے اور میرستم اُس کی خطا گذاری کی جانب اس وجہ سے مائل تھا کہ فتح محمد اڑکھن سے اُس کا غلام تھا۔

ان دو بیانات کو مسٹر بیل کے دوسرے واقعات کے نمونے کے طور پر لے سکتے ہیں۔ الی ذکر کی صداقت کے لئے ہرنس کے سفرنامہ کی تیسری جلد صفحہ ۱۸ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جہاں تفصیل اس بات کی درج ہے کہ اسی فتح محمد نے پہلے میرستم کی جانب سے گفتگو اتحاد کی انگریزوں سے شروع کی۔ رہا دوسرا بیان اُس کی نسبت جو کچھ کیفیت میجر ایڈورڈز نے فتح محمد کی لکھی وہ کافی تردید سے جس سے ظاہر ہے کہ بجائے غلام ہونے کے وہ سندھ میں آئے سے قبل بھاول پور میں وزیر تھا اور بجائے اس کے کہ وہ میرستم کے ساتھ ابتدائے طفلی سے وہ اس کی ملازمت میں اُس وقت تک نہ داخل ہوا تھا۔ جب تک کہ اُس کا

ہیں متوسط درجہ کا نہ ہو چکا تھا۔ امید کی جاتی ہے کہ کوئی انگریز اس قسم کی مضرت رساں دروغ بیانی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ہم انہیں اُن منشیوں کے ساتھ خوب کرتے ہیں جو علی مراد سے تنخواہیں پاتے تھے۔ اور جن کے کہنے کے مطابق میجر بیل بالکل عمل کرتے تھے۔

امرائے خیر پور کی اشک شونی | مگر وہ زمانہ آگیا تھا جب کہ خیر پور کے مفہوم امیروں کو کچھ عرصے کے لئے اس مصیبت سے رہائی ملنے والی تھی ۳۱ جولائی

سلسلہء کوئٹہ اس یل نے قضا کی اور سندھ کی پولیٹیکل نگرانی اُس سے زیادہ لایق شخص میجر ادٹرم کے ہاتھوں میں آئی۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر برابر رہتا تو سندھ کے میدان اُس کے ہزار ہا باغیوں کے خون سے تر رہتے جو میان اور ڈبا کی لڑائی میں مارے گئے۔ سندھ کے مصیبت خیز خاتمہ پر اور ویسے غمناک اور منحوس سال کو کے آغا نے ہمارے تمام افغانستان کے مصائب میں سندھ کے امیر انگریزی ایجنٹ کی مدد آت اور نیک نیتی پر بھروسہ رکھ کر براہمدست رہے۔

میر نصیر خاں کے خلاف شکایات | میر نصیر خاں حیدر آبادی کی نسبت کچھ شکایتیں اس وجہ سے ہوئیں کہ ہم نے سندھ کے رپورٹ پر متصرف ہونے کا ارادہ ظاہر کر دیا

تھا مگر شمالی سندھ کے امیروں کا اُس زمانے کے پولیٹیکل روزناموں میں بھی ذکر نہیں ہے اس وقت ایک نیا بازی گر تشریف لایا۔ ہرمی شمس کو لاٹوایلا نے اپنا پہلا مراسلہ پولیٹیکل ایجنٹ کے نام سندھ میں روانہ کیا۔ نئے گورنر جنرل کی تشریف آوری کے قبل جو خوفناک واقعات ہو چکے تھے اُن کا ایک قوی اثر اُس کی حکمت عملی پر جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ برتی جاتی تھی، پڑا۔ ان سے اُس کا رجحان سختی اور شک کی جانب ہو گیا۔ اُس نے کارروائی کی ابتدا امیروں کے نام دو تحویف آمیز خطوط کی روانگی سے کی۔

میر رستم کی نگرانی | دوسری کارروائی یہ کہ پولیٹیکل اسٹاف کو ہدیہ ایک خط کے

کم کر دیا۔ جس میں گو کہ قصداً نہیں تاہم صاف صاف طور پر وہ تکلیفات عبارت ذیل میں مندرج ہیں جو میر بستم کو جھیلنی پڑی تھیں۔ اُس کے دربار میں ہر وقت ایک افسر موجود رہتا جہاں اب تک کسی قسم کی نگرانی یا حکومت نہیں کی گئی تھی اور جس سے ہمیشہ اُس کو ادا اُس کی رعایا کو اُس بڑے عملی تغیر کا خیال ہوا کرتا تھا جو اُن کی حالت میں آگیا تھا۔ اور جس سے امیروں کے معاملہ میں اُس سے زیادہ باریکی کے ساتھ دست اندازی کرنی پڑتی جسے گورنر جنرل اپنی رائے میں کرنا مناسب تصور کرتے تھے۔

اُس درمیان میں میجر اوٹرم اُن خطوط کی صحت کی تصدیق کرنے میں مصروف **جعلی خطوط** تھے جن کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ کچھ مہینے قبل میر نصیر خاں حیدر آبادی نے ساون مل سب کن ملتان کو اور میر بستم نے شیر سنگھ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط مشترکہ برک ریڈیٹس لاہور کے پاس جا پہنچے تھے روانہ کئے گئے تھے اور اُس نے اُن کی اصلیت کی نسبت اپنا شک ظاہر کیا۔ مگر اُس دوران میں میجر اوٹرم نے ہر مئی ستمبر و گورپورٹ کی کہ جن سازشوں کے باعث سے اُن کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ اگر ان کا کوئی وجود بھی تھا تو وہ جاتی رہی ہیں۔

ناظرین اس بات کو سن کر تعجب ہوں گے اور صدمہ اٹھائیں گے کہ وہ خطوط جن کی اصلیت کی نسبت اس قدر شک و شبہ تھا لیکن جن سے اس قدر تکلیف امیروں کو پہنچی انھیں میجر اوٹرم کے پاس میر بستم کے دشمن جاتی علی مراد سے بھیجے گئے تھے۔ پس اب کل معاملہ مثل سوز روشن کے معاف ہے۔ یعنی میر علی مراد نے اُن خطوط کو اُسی طرح پر جعلی تیار کیا جس طرح سلیمان شاہ نے میجر اوٹرم کی ہر دستخط بنایا تھا۔ وہ افسر کہتا ہے کہ ”مجھے خود کئی بار امیروں سے شکایت

۱۔ سرکاری کتاب صفحہ ۳۲-۱۲

۲۔ شرح فتح سندھ صفحہ ۴۵-۱۲

۳۔ شرح فتح سندھ صفحہ ۱۳

کرتی پڑی۔ کہ میری مہرجلی بن جاتی ہے جو اُن خطوط پر ثبت ہو جائے جنہیں میری تحریر بیان کرتے تھے اُن لوگوں کو اس قدر قریب میں ڈالتے تھے کہ وہ اُن کے حاکموں کو معافی اور ارضیات دے دیا کرتے تھے۔

کوئی ایسا سادہ لوح شخص ہے جو اس قدر یقین کرے کہ اگر میری فرضی خطوط کی بنا پر کارروائی

سنسکہ کو دراصل فتح محمد غوری نے خطا لکھا ہوتا کہ وہ اُس وقت نہ بعد کو کسی نے خود میرستم کی نسبت اُن کے لکھنے کا گمان کیا ہے، تو اُسے وہ اس طور پر نہ مدانہ کر سکتا تھا کہ ہم کو معلوم نہ ہوتا۔ کل ضلع روٹری سے لے کر بھادل پور کے تک تک مشکوک امیروں یعنی میرستم خیرپوری اور میر نصیر حیدر آبادی کا تھا اور کیا اس بات کا فرض کرنا محض حماقت نہیں ہے کہ میر علی مراد نے ان خطوط کو ایسے ملک میں گرفتار کیا جہاں اس کی حکومت نہ تھی۔ بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک جس وقت وہ فرضی خط میں جانب نصیر خاں حیدر آبادی بنام بی برگ پکڑا گیا۔ نصیر خاں قلاتی نے اُسی سردار کو اُسی غرض سے لکھا تھا۔ سرکاری کتاب صفحہ ۳۲۲ ضمیمہ ۲۳ مطالعہ کرو جہاں قصہ سردار بی برگ کا ہے۔ اُس افسر کا بیان ہے کہ کیپٹن پریدی کو معلوم ہوا تھا کہ اگر اُن خطوط کے لکھنے والے امیر تھے تو اُن پر مہر نہ تھی۔ ان عقیدہ وقتوں اور خلاف بیانیوں کی کوئی وقعت نہ تھی مگر چونکہ گورنر جنرل انہیں گرفتار شدہ خطوط کی بنیاد پر نئی اور نہایت سخت کارروائی کرنے لگے تھے۔

فرضی خطوط کی اصلیت یہ بتا رہا تھا کہ چند واقعات جو اُن کی اصلیت کے خلاف تھے یہاں بیان کر دیئے جائیں۔

اولاً۔ خطوط گورنمنٹ کے پاس اُس فرقے نے لاکر پہنچائے تھے جو مفروضہ کاتبوں کے نہایت دشمن تھے۔

دوم۔ وہ کچھ جینے قبل سے گرفتار کر لئے گئے تھے لیکن کوئی امرزاید ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ پس پاتو خط دکن بت یک بیک اور ہنہ مہم نہ ہو گئی تھی۔ یا ہماری کوششیں زراہد

حالات کے انکشاف میں عجیب طور پر قاصر ہو گئی تھیں۔

سوم :- جعلی مہریں بنانے کا قاعدہ عام تھا۔ خود ہمارے ۔ یڈنٹ کی مہر اور دستخط جعلی تیار کی گئی تھی اور اُس نے اس کی شکایت امیروں سے کی تھی۔

ہمام :- میر نصیر خاں کا منشی جس کی نسبت خط کی تحریر فرضیہ منسوب کی گئی تھی ۔ بعد کو بہت سی جعل سازیوں اور فریبوں کے لئے سراپا بن گیا اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بنی برگ کو جو خط لکھا تھا وہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا تو کوئی زام اس کی وجہ سے امیہ دل پر عاید نہیں ہو سکتا۔

ہجم :- جن افسروں نے ان خطوط کی جانچ کی ان میں صرف دو شخص انہیں پڑھ سکتے تھے اور ان میں سے جو زیادہ تجربہ کار تھا اسے ان کی اصلیت کی نسبت شک تھا۔

مگر ایسے ہی بے بنیاد حیلوں پر گورجنرل نے میر رستم کی عمل داری کے نہایت زرخیز حصول کو ضبط کرنا چاہا اور ان احسانات کو بھول گیا۔ جو سردار نے ان پر کئے ہیں ۔ جسے نہایت زور غمور سے اُس کے قبل کے گورنر جنرل نے تسلیم کیا تھا۔ اس بارہ کی تائید میں لارڈ ایڈمرال نے اس غرض سے کہ اگر کوئی مقابلہ اس فعل نامنصف نہ کائی جائے جو کہ اس کا مقصود تھا۔ ایک حیل کو جسے فوجی معاملات میں بہت تجربہ تھا۔ ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء میں شہنشاہ اور جنوبی سندھ کے خاص فوجی انصرام پر تعینات کیا اور میجر اوٹرم کو اُس کے ماتحت کر دیا۔

سندھ کے بارے میں طے شدہ منصوبے | اس نفل نے امیہ دل کو کس قدر گھبرا دیا ہو گا ظاہر ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں۔ جن غمزداروں

کے ساتھ وہ معاملات کو طے کیا کرتے تھے وہ یا تو ہٹا دیئے گئے یا چھوٹے درجوں پر تنزل کر دیئے گئے۔ اور ان کی جگہ پر ایک سخت اور ناتراش شدہ فوجی شخص آگیا جو ان کے صریح زبان اور مسائل سے ناواقف تھا اور جس کی طبیعت میں حقارت اور ستائے کا مادہ تھا اور اُس کو حقیر سمجھتا تھا۔

۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو یہ فتح مند شخص جسے اُس کے مورخ بھائی نے بعض باتوں میں مذیت مناسب طور پر مارا جس سے تشبیہ دی ہے۔ سندھ میں داخل ہوا۔ وہ پہلے سے یہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ سندھ میں کیا کیا جائے۔ اور کیا نہ کیا جائے۔ ایسے وقت میں جب کہ افسر لوگ تمام ملک میں نہتے یا بغیر محافظوں کے باطنیان گھومتے تھے اُس نے اپنی ذات سے یہ ظاہر کیا کہ گویا بنایت جو غمزدی کا کام پچاس سپاہیوں کے ساتھ دریائی سفر کر کے کیا ہو۔ یہ کام فصول ہونگا اگر ہم ان باتوں کو رد کریں جو اس کے بعد وقوع میں آئیں۔ یا ان غلطیوں، غلطیوں، غلطیوں اور زیادتیوں کی تفصیل دینے لگائیں جو اس کے بعد دیکھنے میں آتی گئیں۔ جن لوگوں کو یہ منظور ہو کہ اُس کا اعتدال ہو تو وہ اُس کتاب کو دیکھیں جو فتح سندھ کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ اُس حل کے جو مجھ اور مریم نے مہر پانی سے تیار کیا ہے اور جس کا نام فتح سندھ ہے۔

عربی مراد کی ریشہ دانیوں کے بارے میں غرض ہے کہ ہم ہر ایک کے پیچھے چھ جانیں اور اصل باری کو دیکھ لیں کہ باطنیان بیٹھا ہوا کچھ حقارت اور کچھ رحم کی راہ سے قہم کر رہا ہے اور ان کو کھینچ رہا ہے جس کے اشارے پر اُس کی پتیلیں ناسیج رہی ہیں۔ علی مراد سے ہر ایک مکار اور عیار شمس خوار مشربل اور مشرباؤن کو میر ستم کی تباہی اور دہائی ہزائی کا آلہ بنارہا تھا۔ وہ ان کے غشیوں کو، بھی طرح داد و دہش کرتا تھا اور بھی جند اپنی منکاری اور خوش مدت اُس کے بے حد اختیار اُس لوگوں پر حاصل کر لیا۔ اُس کی پہلی غرض یہ تھی کہ اپنے دشمن کو فتح محمد، ریر کے چار چلن کو پورا ٹھہرائے۔ اس بات کو حاصل کر کے اُس نے وہ رسی دروانی یہ کہ شیر سنگھ اور بی برگ کے نام جعلی خطوط بنائے اور ہمارے ایکٹ کے ماتھے میں دیئے۔ اس عظیم فریب دہی میں بھی وہ کامیاب ہوئے۔ اب اُس نے دلیرانہ کارروائی شروع کی۔ عمدہ شباب میں عیاشی کر کے اُس نے چند مواعفت محمد آباد، پیر پور وغیرہ اپنے بڑے بھائی مبارک خاں کے یہاں بیچے یا رہن کر دیئے تھے۔ ان کے واپس لینے کا اُس نے عرصے سے ارادہ کر لیا تھا۔ اور عرصے تک ان کے قبضہ

کے لئے مہارک اور اُس کے بیٹے نصیر خاں سے جھگڑتا رہا۔

صلح نامہ کے دفعہ ۷ کے مطابق جو انگریزوں اور میرِ رستم میں ہوا
علی مراد کا خیر پور پر حملہ تھا اُس پر فرض تھا کہ جو کچھ نزاٹ اپنے خاندان کے ساتھ رکھتا
 ہو میرِ رستم سے اُن کا تعفیہ کرائے۔ کیونکہ اُس دفعہ نے میرِ رستم کو شمالی سندھ میں حاکم اعلیٰ
 تصور کر لیا تھا۔ اُس دفعہ کے خلاف غنی مراد نے کیپٹن براؤن کی حمایت کے بعد سے بد جو
 اُس وقت سکیم میں تعینات تھے ایک بڑی فوج لے کر خیر پور پر چڑھ دوڑا تا کہ میرِ رستم
 جبریہ اُن مواضعات کے حاصل کر لینے کی رضا مندی کرائے۔

خیر پور کی فوج تعداد میں علی مراد کی فوج سے بہت کم تھی۔ تاہم اُن لوگوں نے بہادری
 طور پر اُس کو روکنا چاہا۔ اور ایک جنگ تو نہر میں ہوئی جس میں فریقین کا کچھ نقصان ہوا
 مگر فتح علی مراد کو حاصل ہوئی یہ خیال کیا جائے گا کہ کیپٹن براؤن کو اُس وقت دست اندازی کرنا
 چاہئے تھا اور علی مراد سے اُس کے جاہلانہ فعل کا جواب بمقابلہ اُس کے آقا رحمت کے سرزد ہوا
 جواب طلب کرنا چاہئے تھا۔ مگر اس قسم کی کوئی بات نہ ہوئی۔ اور فاتح نے جبریہ ایک صلح
 نامہ لے لیا جس سے کل مواضعات اُس کو واپس ملے۔ اس کامیابی سے ناراں ہو کر اُس
 نے سازش کے زیادہ وسیع میدان میں قدم رکھا۔ اُن عیاروں کے سمجھنے کے لئے جو بعد کو
 ظہور پذیر ہوئے۔ میرِ رستم کے باب میرِ ہراب کے وصیت نامہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

میرِ ہراب کی وصیت اس میں نے اپنی ذات کے وقت اپنے ملک کو چار حصوں میں تقسیم

۱۔ وہ جس وقت کہ اپنے سوہنے کے بس کے قریب تھا گزر کر مر گیا۔ میرِ رستم ہی اُس میں ٹک پہنچا۔ کیونکہ پچاس برس
 کے سیں میں اس کی آنکھیں وہی سی چمکتی تھیں اور جسمانی قوت زیادہ تھی۔ لیکن انگریزوں کے ہاتھ سے جو کچھ
 ظلم اُس پر ہوا اُن سے اس کا قوی جذبہ کمزور ہو گیا۔ فاسوائے پانی کے اور کچھ نہ پیتا تھا اور وہ بھی دن میں
 ایک بار۔ ایسے لوگ جس جنمیں سروریم نہیں رہے عیاں ملے ہیں۔ ۱۷۔

کر کے ایک حصہ میرستم کو ایک مبارک کو ایک علی مراد کو اور چوتھا رتیس خاندان کو دیا اور یہ مرتبہ اُس نے اول میرستم کو اور بعد اپنے دو اور بیٹوں کو بہ لحاظ اُن کے سین کے وصیت نامہ میں عطا کیا۔ مبارک قضا کر چکا تھا اور علی مراد چاہتا تھا کہ دستار ریاست اُسے ملے۔ اگر وہ میرستم کو راضی کر سکے یا اُس پر خوف طاری کر سکے کہ وہ اپنے حق سے باز آئے تو شمال سندھ میں وہ سب پر بالا رہے گا۔

میرستم کی خواہش | اس کے برعکس میرستم کی خواہش تھی کہ دستار ریاست اُس کے بڑے بیٹے کو ملے جو سب میں علی مراد کے برابر اور ایک صاف و نیک باطن اور اپنے زمانہ سازدغا باز بے ایمان چچا کے بالکل برعکس تھا۔ میرستم کے پاس یہ نظیر تھی کہ اُس کو ریاست بمقابلہ اُس کے چچا وغیرہ کے ملی تھی جس سے علی مراد نقطہ انداز ہو سکتا تھا اور خود گورنر جنرل نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جو کچھ وہ ضیف سردار چاہتا تھا۔ بالکل خلقی اور ہر طرح معقول بات تھی۔ سرکاری کتاب صفحہ ۱۰۰ م، لیکن اُس کے مخالف کے ہاتھ میں وہ بات تھی جو استحقاق سے کہیں بہتر ہے۔ یعنی ایجنسی کے منشی اُس کے یہاں سے تنخواہ پاتے تھے۔

علی مراد کی ہمت افزائی | سر چارلس نیپیر کو سکھر میں پہنچنے پر علی مراد نے بہ آسانی اپنے بہانات سے دھوکا دے لیا۔ اُس نے میجر اوڈرٹ کی دوستانہ صلاح پر خیال نہ کیا اور فوراً تمام تجویزینیں دیکھی نے سازشی سردار کی منظور کریں۔ اس کے علاوہ اُسے بھی طریقہ امیروں کے لڑنے پر آمادہ کرنے کا نظر آیا کہ میرستم کو بتائے۔ اُسے

۱۰ یہ بات خود وصیت نامہ سے پائی نہیں باقی دتمہ کتاب سرکاری صفحہ ۱۰۰ م، مگر علی مراد کے طرف داروں نے ایسا بیان کیا ہے۔ وہ چاہے جس قدر بیان کرے۔

۱۱ شرح فتح سندھ صفحہ ۱۰۲۔

خوف تھا کہ اور کسی قسم کی مضرتوں یا اہانتوں سے وہ مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ لیکن وہ اُمید کرتا تھا کہ خاندان کے سب سے زیادہ بزرگ اور معزز شخص کی کوہن اور تحارے سے اُن کو ایسے مقابلہ کرنے پر آمادہ کر کے گا جس کا نتیجہ وہ لوگ جانتے تھے کہ بالآخر قہر یا طاقت ہوگا۔

چنانچہ فوراً انگریز ہرنیل نے علی مراد کے پاس ایسے خطوط بھیجے جس سے اُسے ہمت ہوئی اُس نے فوراً میر مستم کو دستار ریا ست سے محروم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے خود اس قدر تسلیم کیا ہے (عبرت سندھ صفحہ ۱۱۴)۔

اس نے جو اس ملک کے قوانین و رسم و رواج مقامی رسم و رواج سے عدم واقفیت سے بالکل ناواقف تھا اور امیروں کے طرز و روش کی ذاتی واقفیت نہ رکھتا تھا۔ چند الزامات کی بنا پر جو بعد کو بالکل ایسی شہادت پر مبنی دریافت ہوئے جو ایک دروغ گو اور جعل ساز نے پیش کی تھی اور جو اپنے ملک اور گھر کا نمک حرام تھا ایک بوڑھے زمین کو جو بارادوست تھا معزوں کرتا اور اُس کے تمام مقبوضات کو لے لینا چاہا۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اُس طریقے پر غور کریں جس سے یہ بات حاصل ہوئی ہم کو بعض درمیانی کارروائیوں کی جانب ملاحظہ ہونا چاہیے جن سے اسے تک رفقہ رفتہ ستائے جانے کے باعث وہ مظلوم بربادی اور قید کی آخری حالت کو پہنچا۔ بی برگ و شیر سنگھ کو جو جعلی خطوط کئے گئے تھے۔ وہ کمپین برادون کی رائے پر جو اُن کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتا

سہ تم کتاب سکاوی صفحہ ۱۲۰۰

مکہ یا اندر پھری دانست میں نہ فارسی بول سکتا نہ پڑھ سکتا تھا تاہم اُس کی شہادت ایک ایسے معاملہ میں ملتی تھی جہاں اس کی نسبت اچھی اچھی فارسی کے عالم بھی شامل کے ساتھ رائے غایہ رکھیں گے (عبرت سندھ صفحہ ۱۲۰۰)۔

تھا بے شک و شبہ اسل قرار دیئے گئے اور گورنر جنرل سے اصرار کیا گیا کہ میر ستم اور نصیر خاں کے ملک کو بطور اُن کے جرم کی سزا کے ضبط کر لیا جائے۔

اعلانِ ضبطی | جب گورنر جنرل نے یہ اجازت دی کہ امیروں سے گفتگو صلح نامہ کی نظر ثانی کی جائے تو ایک اشتہار نہایت ہی بیہودہ اور وحشیانہ تعمیل کے

ساتھ یکم دسمبر ۱۸۴۲ء کو جاری کیا گیا کہ کل ملک روٹری سے لے کر سنہل کوٹ تک ضبطی میں آیا ہم یہاں اُس قرضِ خواہی اور قرضِ داری کے حساب کی نسبت بحث نہ کریں گے۔ جس کی بعد کو سر چارلس نیپئر نے تجویز کی تھی تاکہ اُس فعل کا اندہ معقول ہو دسکاری کتاب صفحہ ۳۶ (لاحظہ کرو) جس کی غلطی منظم کو میجر اوٹرم نے اپنی شرح کے صفحہ ۲۶۰ اور کیپٹن ایٹوک نے اپنی اپنی صفحہ ۲۱ میں ظاہر کیا ہے اور نہ ہم اس سے زیادہ کچھ کریں گے کہ اس عجیب امر واقعی کا حوالہ دیں کہ انگریز جنرل نے اُس کل ملک کو ضبط کر لیا اور روٹری اور بہاولپور کی سرحد کے درمیان تھا حالانکہ جیسا کہ کرنیل اوٹرم نے (صفحہ ۱۴۵ میں) بخوبی ثابت کیا ہے کہ وہ خوب جانتے ہوں گے کہ گورنر جنرل کا مقصود صرف انھیں اضلاع ملک سنہل اور بھٹائی سے تھا جو معتوب امیروں کی جائداد تھے۔

انگریزوں کی ایک طرفہ کارروائی | ہم کسی قدر بہت سی صاف نامانہ مضمونوں پر اصرار کرتے ہوئے جو اس کارروائی سے متعلق تھیں۔ یہ یاد رکھنا

چاہیے کہ گورنر جنرل اور سر چارلس نیپئر دونوں شخص اس ضرب اور دیگر ضربوں کے معاملے میں جو سندھ پر لگائی جاتی تھیں بالکل ایک طرفہ بیانات پر کاربند ہوتے تھے وہ امیروں کے دشمنوں سے الزامات تیار کرتے تھے۔ اور اُن لوگوں کی شہادت سے اُن کی تصدیق کرتے تھے جو صرف اُن کی بربادی کا واسطہ صیغہ ڈھونڈتے تھے اور ایسے غلط قیاسات پر

عمل کرتے تھے۔ اور امیر دل کو ان کے تردد کا یا ان کو اس بات سے واقف ہونے کا موقع نہ دیتے تھے کہ ان پر کیا الزام عاید کیا گیا ہے۔ اس جگہ بجز ان حقارت آمیز اور خفیف شکایتوں کا حوالہ دینے کے اور کچھ لکھنا فضول ہے جو نصیر خاں غیر پوری اور نصیر خاں حیدر آبادی کی نسبت میجر کلنیرن لٹننٹ میں اور کپٹن براؤن نے کی تھیں۔

ان میں سے اول الذکر افسر نے اپنی شکست کے بعد محکمہ مخبری کی غلطی اور پھر اطلاعات سے جو نفشک میں ہونی تھی ایک محکمہ مخبری کا قائم کیا تھا جس میں ہر قسم کی پھر اور یہودہ خبرت پہنچی کرتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ مریوں کی پہاڑی میں شکست پانے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا اس وقت سے اس کو ہر جانب خونخوار بلوچی ہی نظر آتے تھے۔ اس کا خوف ہر ایک ذلیل نزع کو ایک عام سا مارش انگریزوں کے نکال دینے کی قرار دیدیتا تھا مگر یہی اکیلا یہودہ خبروں کو نہ مانتا تھا خود گورنر جنرل اور اس کے قائم مقام متعین سندھ نے سکھر میں اپنا مندر شیر بنکہ کی طرح ہر ایک اہانت آمیز خبر کے

اس کے پاس ایک بلوچی سوار لڑکر تھا جو ہر طرف اس غرض سے روداد کیا جاتا تھا کہ مریوں کی مخالفت کے ارادوں کی خبریں لائے۔ اس بیچارے کا دیو ربیعہ محاش تھا۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ وہ اپنا نقصان نہ چاہتا تھا۔ شاید وہ اس طور پر کرتا تھا جس طرح ایک مس قسم کے جاسوس نے میرے علم میں حیدر آباد میں کیا تھا۔ اتنے دریافت مال کے بے بھی گیا تھا۔ چنانچہ اس نے واپس آکر بیان کیا کہ دس ہزار آدمی ایک جانب دس ہزار دوسری جانب غرض کہ ایک جماعت کثیر ہماری طرف چلی آ رہی ہے۔ ایک شخص جو ملک سے واقف تھا کہنے لگا: ہم جانتے ہیں کہ تم ریت کے ٹیلے کے پیچھے سوتے تھے کہوں جھوٹ بولتے ہو تم بے دشمن کو ہمیں بھی نہیں دیکھا ہے: اس نے جواب دیا کہ ہم کیا کرتے صا د ب۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اگر میں گرنار ہو جاتا تو میرا کیا حال ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ میں سوتا تھا لیکن جو کچھ میں نے کہہ دیا ہے اس سے صاحب لوگ خوش ہیں اس سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہے اور میرا بڑا فائدہ ہے۔ ۱۲۰

نکلنے کے لئے کھول رکھا تھا جو امیروں کے چال چلن کی نسبت مشہور ہوتی تھی۔ جرنیل نے
علاوہ اپنی خواہش اُن کو تنگ کر کے حیدر سے حاصل کرنے کی غاہر کی یہی
کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ انھیں ایسے شخص مل جاتے تھے جو اپنے فرماں رواں کی ہسلوکیوں
کی شکایت کرتے تھے یا علیٰ مراد کے لوگوں نے ایسی عام حماقت کا فائدہ اٹھا کر اُن شکایتوں
کے گھڑے جوائے میں کوشش کی ہوگی۔

لغٹنٹ مین کی پھر رپورٹ | مگر ان سب باتوں کے ساتھ بھی امیروں کی ذہنت یہ الزام قائم
کیا گیا ہے۔ مثلاً کوئی غیر جانب دار شخص اُس فرد جرم کو پکڑ کر

دیکھے جو لغٹنٹ مین نے تیار کی تھی کتاب سرکاری صنعت، اور اُس شہادت کی جانچ
کرے جن پر وہ بنی ہے۔ اور اُس وقت بیان کرے کہ آیا حماقت یا عداوت کے لئے اُس
سے زیادہ خلاف تیاں لپھر یا حماقت آمیز فرد تیار کرنا ممکن تھا جس پر خود مختار فرمانروا کو
بہر الزام دکایا گیا ہے اور وہ فرماں روا جو ہمارے دوست تھے۔ فہرست میں ۲۴ الزامات
جنوبی سندھ کے امیروں پر عائد کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ نصیر خاں نے اپنی
سرحد کی حفاظت کے لئے بمقابلہ شیر محمد راجہ سردیم پھر نے اپنی مبالغہ آمیز فتوہ میں شیر
بیر لکھا ہے، میرپور کی فوج اکٹھا کی۔ یہ صلح نامہ کی دفعہ کے خلاف بیان کیا گیا ہے۔ ہم
صلح نامہ کی جانب مٹاغب ہو کر دیکھتے ہیں تو دفعہ حسب ذیل ہے :-

انگریز گورنمنٹ اب اپنے ذمہ ان ملکوں کی حفاظت کا کام غیر ملک والوں کے
مقابلہ میں لیتی ہے جو اس وقت حیدر آباد کے امیروں کے ہیں :-

امیروں کے خلاف الزامات | یہاں میرپور کے سردار کو اس غرض سے کہ نصیر خاں کے فعل
کو خلاف و مذہبی صلح نامہ قرار دیا جائے غیر ملک کا نزاع

ثابت کیا ہے۔ حالانکہ وہ نصیر خاں کا رشتہ دار اور اصل اُس کا ماتحت بوجہ تہ میں کم ہونے

لے کتاب سرکاری صنعت ملاحظہ کرو۔ سرچاپرٹس میپر کا خود بیان ہے اور بالکل سچ ہے ۱۲۰

کے تھے۔ مگر اس پھر حیلہ سازی سے درگزر کیجئے۔ چوتھی دفعہ سے صرف حفاظت کا اقرار کیا گیا ہے۔ مگر اُس سے امیروں کو کوئی ممانعت اپنے ملک کو حملہ سے محفوظ رکھنے کی نہیں کی گئی ہے۔ کوئی گورنمنٹ کسی شخص کو نہ کہ ایک ریاست کو اختیار حفاظت نمود اختیار سے محروم کر سکتی ہے؟

اس کے سوا انگریز گورنمنٹ نے نصیر خاں کے ملک کی حفاظت کی ہوتی تو اُسے اپنے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ غفل کہتی ہے کہ اُس نے ہرگز ایسا نہ کیا ہوتا۔ اگر ہماری گورنمنٹ نے اُس کے ملک کی حفاظت نہ کی تو ہم نے نہ کہ امیروں نے خلاف ورزی کی۔ دوسرا الزام محض مہل ہے بارہ اور الزامات کشمیریوں کے محصول لئے جانے کی نیت سے لگائے گئے۔ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ صلح نامہ کی دفعہ گیرہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ مگر جس دفعہ کے قایم کرنے کا ہم کو ذرا بھی حق حاصل نہ تھا کیونکہ کونسا حیلہ بجز زبردستی کے امیروں کو اُس محصول کے لینے سے باز رکھ سکتا تھا جو انھیں ۱۸۳۳ء کے تجارتی صلح نامہ سے دیا گیا تھا۔ دوسری ہر دفعہ سے اُن کو محصول جملہ اسباب پر لینے کا حق حاصل ہے جو اثناے روانگی میں فروخت کئے جائیں۔

بجملہ کسی نے اُن شکایتوں کی تحقیقات کی جن پر یہ الزامات بنی تھے یا کسی نے اُس شہادت کو سنا کہ امیروں کا ایکٹ اُن محاصل کو اس وجہ سے وصول کرتا تھا کہ اسباب اثناے روانگی میں فروخت ہوتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ اور اگر اُن الزامات کی تحقیقات بھی کی گئی ہو تو کیا امیروں کے ساتھ انصاف ہوتا؟ ہرگز نہیں! ہمارے انگریز جو محض سپاہی اور سرحد ریس نیمپری کی سوار اور پستوں کے لوگ تھے۔ حکمہ انصاف کا کچھ حال نہ جانتے تھے اور اگر انھیں انصاف کرنا معلوم بھی ہوتا تو بھی وہ زبان سے نہ واقف تھے اور اُن کے غشی اُن پر حاوی تھے۔

نیمپری کی میرِ رستم پر زیادتیاں | لیکن ان پھر الزامات سے درگزر کر کے جو محض اس لئے تیار

کئے گئے تھے کہ ایک مقدمہ قائم ہو جائے۔ ہم کو سرچارلس نیپئر کی ان زیادتیوں کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ جو میررستم کے ساتھ اس وقت بخوبی ہو رہی تھیں۔ اپنے اشتہار مورخہ یکم دسمبر ۱۸۵۷ء سے اُس نے اُس زرخیز ملک کو ضبط کر لیا تھا۔ جو سبز کوٹ اور روہڑی کے درمیان ہے۔ اس کی مالیت چھ لاکھ کی اور سالانہ آمدنی ۱۵ ہزار کی تھی۔ ٹیپو صاحب کو ایک عربی کی خونریز لڑائی کے بعد اُس کی جائداد کے ایک جزو کی قبضگی کی سزا دی گئی تھی۔ مگر سرچارلس نیپئر ایسا سخت انتقام میررستم سے اس جرم کے لئے لینے پر راضی ہوا کہ وہ اُس کے آئندہ میر علی مراد کا ہرج تھا۔

۱۸۵۷ دسمبر کو آمیروں سے گفتگو کر کے یا ان کی ایک بات بھی سُننے بغیر سرچارلس نیپئر نے جائداد مہرودہ پر ایک فوج کثیر سے قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں، امیر محاسن ملک اجناس کی مشعل میں خرید کرتے تھے۔ لیکن انگریز جنرل ہم لوگوں کو مطلع کرتے ہیں کہ "امیر صرف اس سال کا محصول اراشی جمع نہیں کر رہے ہیں بلکہ سال آئندہ کا بھی۔ چنانچہ اُس نے ایک اور اشتہار تحریف آمیز جاری کیا۔ اور مجنوں میجر کلیمبرن سکھر سپہنواروں مسلح بلوچیوں کے شب خون مارنے کی بولناک خبریں برابر بھیجتا چلا گیا۔ ان خبروں کی نہایت اب اس امر سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ شمالی سندھ پر اس وقت سے لے کر آج تک ایک گولی بھی نہ چلی۔

۱۸۵۸ کو سرچارلس نیپئر نے گورنر جنرل کو ایک خط اُسی قسم سردار میر پور کے متعلق لایا۔
 ۱۸۵۸ کا میر پور کے سردار کی نسبت بھی لکھا جس کے ساتھ جون ۱۸۵۷ء میں سرکاری کتاب صفحہ ۲۹۷ ایک ضلع نامہ ہوا تھا۔ سرچارلس نیپئر ضلع نامہ کی موجودگی سے بالکل لاعلم ہے۔ اور گورنر جنرل کو طمانیت دلاتے ہیں کہ "میر پور کے سردار کا

کسی صلح، مہ میں ذکر نہیں ہے، اسے سردار مذکور کا کچھ حال بھی معلوم نہیں ہے مگر لٹنٹ براؤی نے اس کو اطمینان دلایا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہمارا جانی دشمن رہا ہے گو کہ کوئی الزام (بہر قسمتی سے) اس کی نسبت ثابت نہیں ہوا ہے۔ ۴۴ دسمبر کو خیرپور کے انجروں کی طرف سے جرنیل کے پاس اطاعت اور فہمائش کے خطوط آئے۔ اور ان کے جواب میں وہ بعینہ تمام دریا کو عبور کر کے ان کے ملک پر قابض ہونے کے لئے گیا۔

اس وقت خیرپور کے قریب ڈاک روک دی گئی اور خطوط لٹ گئے۔ سر چارلس نیمپرس نے اس کا الزام میرستم پر لگایا اور ایک خط ان کے نام تنویب آمیز لکھا۔ اب کیا ناظرین اس پر اعتبار کریں گے کہ اس توہین آمیز تسلی کو انگریز جرنیل نے ہاکی قسم کی تحقیقات یا تامل کے رونا نہ کر دیا۔

ان تمام چورلیوں کا کرستے والا علی مراد تھا۔ لیکن اگر خیر صبح میرستم کے خلاف سازش کا جال ہے جیسا کہ واقعی امر ہے تو ایک سابق مجسٹریٹ کی عدالت

کے رد ہدیہ ثابت ہو گیا تھا کہ میرستم ان سب باتوں سے بے قصور تھا اور علی مراد کو اپنے انگریز دوستوں کا اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ ان کی ڈاک کو ان کے کیمپ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر لوٹنے اور اس کا اتہام اپنے بد نصیب بھائی پر لگانے میں دھماکا مل نہ کرتا تھا۔ انسان کو ایسے وحشیانہ و حاسدانہ الزامات سے اس خیال سے نفرت و شرم آتی ہے کہ ان پر ایسے لوگ بھروسہ کرتے تھے جو اپنے کو انگریز کہتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا حوالہ بھی ہونے والا تھا ۴۵ دسمبر کو جرنیل نیمپرس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ میرستم غریب رحم و خواست گار ہونے والا ہے اور اپنے نالائق بھائی کے ظلم و ستم سے انگریزی کیمپ میں پناہ لینے والا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ اس سے مجھے نہایت تردد ہوتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔ لیکن یہ خیال مجھ کو فوراً گذرا کہ وہ علی مراد کے پاس جاسکتا ہے جو اسے زیادہ تنگ کرے گا کہ وہ بطور خانگی انتظام کے ریلیک

پیارا محنتی سرشتہ دار ہے جس نے دس برس سے اپنے بھائی کے لڑکوں کو فائدہ کرایا ہے۔ دستار ریاست سے دست بردار ہو جائے۔ بالخصوص چونکہ رستم عرصے سے خواہشمند ہے کہ فائدہ تاملپور کی اس ذمہ داری سے پاک ہو اس لئے میں نے محنتی طور پر رستم اور علی مراد کو لکھا اور آج ایک بجے کے قریب علی مراد کے پاس سے میرے پاس ایک ڈاک آئی کہ اُس کا بھائی، اُس کے پاس بحفاظت ہے۔ (اُس قسم کی حفاظت جیسا کہ قاتل مظلوموں کی کرتے ہیں) علی مراد اب واصل نہیں ہے کیونکہ اگر میر رستم اُس کو دستار ریاست نہ دے گا تو ہر حال میں اُس کو علی کی بیعت کرنی ہی پڑے گی۔ جس کے قبضہ میں دافوس اُس بیکیں رئیس پر ہے، اُس نے خود اپنے کو بحکم انگریز جرنیل کے دے دیا ہے۔

اس خط کا خاتمہ اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے اور وہ حسب ذیل ہے :- میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کہاں تک اس وعدے کو کہ علی مراد کا بیٹا اُس کا جانشین ہوگا۔ مناسب سمجھیں گے۔ کیونکہ علی مراد کی وفات پر اُس کا یعنی میر رستم کا بیٹا وارث جائز ہے۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے یہ سوال کرے گا لہذا میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ مگر یہ کہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میر رستم نے صلح نامہ کے مسودہ کو منظور کر لیا ہے۔ اُس کا بیٹا محمد حسین ہمارا خاص دشمن اور فوج کا جمع کرنے والا تھا۔

غرض کہ یہاں انگریز جرنیل نے ایک خوف اس دوست کے لئے سر چارلس نیپیر کی مکاری پھیلا یا جس نے خود اُس کے اقرار کے مطابق صلح نامہ کو منظور کر لیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اُس نے دانستہ یہ سازش کی میر رستم اپنے بھائی کے قبضے میں آجائے جسے وہ جانتا تھا کہ میر رستم کو صرف دستار ریاست ہی سے دست بردار ہو جائے پر مجبور نہ کرے گا بلکہ روز حیات سے۔ مبادا اس بارے میں کوئی غلطی نہ ہو۔ سر چارلس نیپیر نے ہم لوگوں کو یقین دلایا ہے سرکاری کتاب کا صفحہ ۴۸۴ کہ خود وہی اس کا ردائی اور اُس خوفناک نا انصافی کے بانی تھے جو اُس سے نئیج ہوئی اور جسے چند اور جملوں کے بعد ہم ناظرین کے رو بہ پیش کر دیں گے۔

اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

اُس خیال نے مجھ کو ایک تدبیر بتائی جو کرنے کے قابل ہے۔ یعنی رئیس کو طاقتور بنایا جائے اور گورنمنٹ کو نگرانی میں رکھا جائے۔ اس لئے میں نے دستار کے حاصل کرنے میں غلی مراد سے آپ کی حمایت کا وعدہ کرنے کی ہمت کی۔ جسے آپ نے منظور کر لیا۔ دوسری کارروائی یہ تھی کہ وہ اپنے اختیارات اپنے بھائی کے حین حیات عمل میں لانے کے قابل ہو۔ یہ بات خوش قسمتی سے میں نے میرے مستم کو خود غلی مراد کے قبضہ میں چلے جانے پر آمادہ کرنے سے حاصل کی۔ اس بات پر مطمئن نہ ہو کر خلاف افسانہ اُس نے گورنر جنرل کو رائے دی کہ وہ دستار دیاست غلی مراد کے بیٹے کے لئے محفوظ نہ کریں۔ اور گورنر جنرل کو اس ناشنیدہ بدوائی پر آمادہ کرنے کے لئے اُس نے محمد حسین پر انزام لگایا کہ وہ بہادر دشمن اور ہمارے خلاف فوج جمع کرنے والا ہے۔ مگر کبھی کسی وقت بھی اس کا نہ نصیب رئیس کی صورت انگریز فوج نے نہیں دیکھی۔ جس شخص کو خاص دشمن ظاہر کیا گیا ہے نہ تو وہ کبھی اپنے باپ کے ساتھ فرانس میں شریک نہ اور نہ ہی کبھی آتے تک انگریز گورنمنٹ کے کسی اوق سے اوق ملازم کے خلاف کوئی کارروائی کی۔

انگریز جنرل نے بد نصیب میرے مستم کو اس کے جن بھائی کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے قبضے میں میرے مستم کی کیا حالت ہوئی؟ ناظرین! میرے ساتھ آئیے اور چند سال کے زمانے کو طے کیجئے تو میں آپ کو دکھاؤں۔

۴۔ ضروری مسئلہ کو اخبارات سے معلوم ہوا کہ غلی مراد کی بد اعمالیوں کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک کمیشن کو ان الزامات کی تحقیقات کا حکم دیا گیا تھا جو اس کے خلاف اُس کے ذریعہ سابق شیخ علی حسین نے لگائے تھے۔ یہ وہی علی حسین ہے جس کی بد عنوانیوں کے متعلق ایک سال سے کچھ زائد پہلے سکھر میں ایجنٹ کے پاس اطلاع آئی تھی اور ان الزامات کو گھڑنے میں اس کا وہ نمشی دھوکے رام بھی برابر کا شریک ہے جو اس وقت قید خانے میں پڑا مزا کاٹ رہا ہے۔

کمیشن نے تحقیقات کی اور اگر خبر سچ ہے تو علی مراد کے ساتھ اُس سے مختلف برتاؤ کیا گیا۔ جو اُس کے بد نصیب بھائیوں کے ساتھ ہوا۔ اُن لوگوں نے جب تک کہ کل معاملہ طے نہ ہو گیا یہ کبھی نہ سنا کہ کس جرم کا الزام اُن پر عاید کیا گیا ہے۔ وہ گواہ پیش کرنے پائے نہ تحقیقات ہوئی نہ صفائی لی گئی۔ مہربا کوئی جعلی خط اُن کے جرم کے ثبوت میں کافی تھا لیکن علی مراد کے خلاف یہ شہادت کے طور پر نہ لی گئی۔ وہ اپنے گواہ آپ لایا۔ خود اُن لوگوں سے جرم کی جو اُس کے مخالف تھے اور مجرم قرار پایا۔ اب تک وہ دغا بازی کا قانع جسے کمیشن نے ظاہر کیا مخفی ہے۔ لیکن شہادت کی تعداد سے کل امر مخفی نہیں ہو سکتا اس قدر کافی معلوم ہو گیا ہے کہ میر ستم کے خلاف اُس کے بھائی نے سازش کی اور انگریز جرنیل نے اُس سے چشم پوشی کی۔ میر ستم کو وجہی کے مضبوط قلعہ میں لے گئے۔ اُس کے ملازم علی محمد کے علی مراد کے لوگ تعینات کئے گئے اور وہاں اُس سے زبردستی دست برداری کرائی گئی۔ لیکن اس قدر کافی نہ تھا۔ ڈوبچی کے سردار نے نیپیر سے کہا کہ میر ستم نے صرف دستار ریاست یا اراضیات ہی کو نہیں بلکہ اپنا چوتھا فی فرزند ہی حصہ بھی دیدیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس نے اپنے عیال و اطفال کو بلا وسیلہ بسر معاش کے چھوڑ دیا ہوگا؟ کہ وہ ہلاک ہوں اور یہ صرف ایسے نہایت ہی عزیز بھائی اور حلیم رشتہ دار کے لئے جس سے درندہ بھی زیادہ رحیم ہو سکتا ہے۔

جعلی صلح نامہ اکیلا مراد اس دروغ عظیم کو بیان کرتا ہے اور انگریز جرنیل اُس پر اعتبار کرتا ہے یا اُس سے درگزر کرتا ہے۔ اسی علی مراد نے انگریز جرنیل کو دعوہ کیا دیا کہ بعد ہلاک جنگ میانہ کے کیپٹن براؤن کے منشی محی الدین کو دس ہزار روپیہ رشوت دے کر نہایت مخفی کاغذات ایجنسی سے منگوائے تاکہ اُن میں سے نوشہر کے صلح نامہ کو الگ کرے اور ایک نیا جعلی صلح نامہ تیار کر کے جرنیل کے روبرو پیش کر دیا۔ جس سے بدعوض جہڑ چھوٹے چھوٹے مواضع کے اُسے وسیع اضلاع مل گئے اور ایک کثیر رقم اُن افراد کو رشوت دینے کے لئے بھیجی۔ جس کے پاس اُس کے خلاف ثبوت تھے۔

یہ سب باتیں فطرتی کبھی اُس کی اگلی کامیابیوں کی تھی۔ ہم لوگوں نے اتنے عرصے تک اُس کی بد اعمالیوں سے چشم پوشی اور اُن میں شرکت کی تھی کہ وہ زیادہ ڈھیٹ ہو گیا۔ آخر کار اُس نے ہم لوگوں کو بھی فریب دیا۔ اُس وقت اللہ ایک طوفان برپا ہوا۔ جب تک وہ فوج اکٹھا کرتا رہا اور اپنے سردار میرستم کو مغلوب کرتا اور لوٹتا رہا۔

میرستم کی اسیری جب تک اُس نے ہمارے غشیوں کو ثبوت دی، اُداک بولی اور الزام میرستم کے سر تھوپا اور اپنے ضعیف بھائی کو ڈبکی میں قید کیا اور تکلیف اور جبر سے اُس کو تمام مقبوضات سے دست بردار کرا دیا۔ اُس وقت تک کچھ نہ تھا مگر جب اُس نے ہمارا ایک ضلع لے لیا تو اُس وقت اللہ ہم انتقام پر آمادہ ہوئے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ انگریز وزراء ان بد اعمالیوں کے ہوئے کا حال جانتے ہیں اور ہمارے گورنروں نے ثبوت پر ثبوت اُن کے رومہ پیش کیا ہے تاہم وہ نامنصف بیچ کی طرح خاموش بیٹھے ہیں اور کچھ نہیں کہتے تو واقعی ان کو نہ تو خدا کا اور نہ انسان کا خوف ہے۔ کیا سرگلاندسٹن ہم لوگوں سے نا انصافیوں کے اور بے قصور لوگوں کے تھید ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہیں جس کا اُن پر اس قدر اثر ہوا ہے اور اُنہوں نے اپنے نفسی بیانات سے ہر ایک شخص کے دل میں جسے آزادی سے الفت ہے غصہ پیدا کر دیا ہے اور ایک لفظ بھی اُن منہزوں کے بارے میں نہیں کہتے جو اُن پر ہماری ہی گورنمنٹ نے عاید کی ہیں۔

مقامی باشندوں کی تکالیف سے لاپرواہی اُنہیں ثبوت کو دیکھنا چاہیے کیونکہ اس قدر ہم اُن مقامی باشندوں کی تکالیف سے لاپرواہی ہے اور ہر ایک انگریزی مقنن سے درخواست کر سکتے ہیں۔ وہ ثبوت کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ایک دروغ گو، ہم معاش کے خوش کرنے کے لئے ہم نے بہت سی دروغ بیاباں ایک ایسے خاندان کی نسبت بطور شہادت کے تسلیم کیں جو ہمارا دوست تھا اور اُس کے لوگوں کو تمام چیزوں سے محروم کر دیا۔ جا بجا اُن کا تعاقب کیا اور انہیں قید خانوں میں ڈال دیا جہاں سے بجز عبرت کے اور کوئی رہائی کی شکل نہیں ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ

کہ وہاں خود ستانی یا کئی تھیلیوں کی جانب سے لاپرواہی تاہم وہ اس معاملہ میں مزور غور و فکر کریں گے!

باب دردناک انجام

اوٹرم کی دردناکیز رپورٹ | اب اس غمگین قصہ کی آخری کیفیت کا درجہ کرنا باقی ہے۔
 تعجب کی بات ہے کہ کس قدر کم لوگوں نے اُس کو اوٹرم کی دردناکیز
 اور سچی عبارت کو پڑھنے کی پردا کی ہے۔ تعجب ہے کہ کس قدر کم لوگوں نے ایسے خاکے پر غور
 کیا ہے جیسا کہ یہ ہے۔ جس بزرگ رئیس نے ملاقات چاہی وہ پچاسی سال کا تھا جسے سر
 چارلس نیپ نے ایک ضعیف بوڑھا شخص لکھا ہے اور واقعی ایسا ہی وہ تھا۔ جس کی عمر میں
 سے خمیدہ ہو گئی تھی۔ مذکورہ جیسا کہ اُس کے لوٹنے والے بھائی نے غلہ بین کیا ہے کہ عیاشی سے
 اُس کا یہ حال ہوا تھا۔ اُس کے ایام بُرے آگئے تھے۔ انگریز جنہیں اُس نے بطور دوستوں
 کے اپنے ملک میں آئے دیکھا تھا اور جس کی ضرورت کے وقت میں اُس نے امداد کی تھی۔ اُس
 وقت اُس کے ملک پر اس قدر فوج سے قابض تھے جو اُس کے فتح کرنے کے لئے کافی تھی اور لڑنا
 مشہور تھی کہ یہی اُن کی غرض تھی۔ کوئی کلمہ تسلی کا نہیں کہا گیا تھا نہ کوئی دوستانہ طمانیت دلائی

گئی تھی اور وہ شخص جس سے ستر برس تک کسی نے بجز ادب اور محاذ کے گفتگو نہ کی تھی اب تک نہ اور تحریف آمیز الفاظ سے منی طلب کیا جاتا تھا۔

میرستم کا اظہارِ تاسف | اُس کی زبان پر ایک پُر معنی جملہ یہاں حسبِ حال ہے۔ کہ وہ کہتا تھا کہ "میرے بیٹے محل میں ساری رعایا کے سامنے ذلیل کئے گئے

اور میرے سفید بالوں پر حرف آگیا۔ اُس نے اُس شخص کی ملاقات چاہی جس کے دستِ قدرت میں اُس کی اور اُس کے ملک اور رعایا کی تقدیر تھی اس امید سے کہ جو مصیبتیں اُس پر آنے والی ہیں وہ باز رکھی جائیں یا اُن کی وسعت معلوم ہو جائے۔ ایک بھائی نے جس پر وہ اعتبار کرتا تھا اور جس کی بیعت کا اُسے بھروسہ تھا۔ اُس کے ضروری حالات دریافت کرنے کے لئے آماندگی ظاہر کی مگر یہ بھی کہا کہ دغا ہوگی۔ اُس غریب نے اُس بیان پر اعتبار کیا۔ کیونکہ شدنی باتوں و غارت گری قید و حلاوتی کا پر تو پہلے پڑ جاتا ہے اُس کے دل پر پڑ گیا تھا اور اُس کی طبیعت میں ایسی بدگمانیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کا دفعہ جرنیل کی حرکات سے کم ممکن تھا۔

گورنر جنرل لارڈ دالین برا کا ظلم | ایسے شخص پر جس کا خاکہ یہاں کشی کیا ہے یعنی کمزور بوڑھا بزرگ اور اپنے خاندان میں بہ دل عزیز و عزیز پر ضرب رسید

کرنے میں جرنیل کو لطف آتا تھا۔ ہر قسم کی توہین اور ہر قسم کی مفرت جو حد اور ستائے کی مجنون تمنا پہنچا سکتی تھی اس کو پہنچائی گئی۔ گورنر جنرل نے فوراً اُس رائے قبیلہ کو جو میرستم کے فرزند کو دستارِ ریاست سے محروم کرنے کی غرضی منظور کر لیا اور ایک ایسی لاپرواہی سے عبارت ذیل اور نکھی جو عرصہ دراز تک ایسے افعال قبیلہ کے کوٹے سے عادت ہو جاتی ہے کہ مجھے بہت کم شک ہے کہ جب ایک مرتبہ علی مراد کو دستارِ ریاست پر قبضہ مل جائے گا۔ تو وہ ہماری حمایت سے اور زیادہ فطرتی اور معقول تسلسلِ ریاست و ستار کی نسبت توجہ کرے گا اور اُس میں ایک صورت جو ان کی پیدا کر دے گا۔ مگر جس مراد کو میرستم کا جانشین موجودہ سوان کے مطابق تسلیم کر کے جس کے مطابق میرستم کا بڑا امین محروم کیا جاتا ہے۔ میں یک بیک میر علی مراد کے

بڑے بیٹے کو اُس کا جانشین اُس اصول کے خلاف تسلیم نہیں کر سکتا۔ جس پر اُس کے باپ کے حقوق کی بنا ہے۔

لارڈ ایلن ہرلکی حقائق سے چشم پوشی | اب لارڈ ایلن ہرلکی اور جنرل نیپئر اپنی حرکت کا جو میرستم کے بیٹے محمد حسین کو اپنے ورثہ سے محروم کرنے کے بارے میں سرزد ہوئی کیا جواب دیں گے: جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ علی مراد نے اس مظلوم شخص کو اپنی حرام لوث کا نصف دینے کا وعدہ کیا تھا اگر وہ اُس کے فریب کی جانب سے جو انگریزوں اور میرستم کے ساتھ کرنا چاہتا تھا پسٹم پوشی کرے اور اس بد معاشی کی تجویز اُسی عقیدت کے ساتھ نامعلوم ہوئی جس کے قابل تھی۔ کیا پتھر تلک ایسے لوگوں کے خلاف نالاں نہیں ہیں؟ ۲۱ دسمبر کو جنرل نیپئر نے لکھا کہ شمالی و جنوبی سندھ کے تمام امیروں سے صلح نامہ کو منظور کر لیا ہے۔

جنرل نیپئر کے اپنے عظیم کے حق میں | ۲۰ دسمبر کو جنرل نے لکھا: سرچند کہ جنگ کا اعتبار نہیں دیا گیا ہے۔ اور نہ اُس کے دینے کی ضرورت ہے اور سرچند کہ صلح نامہ کو بخوبی منظور کر لیا گیا ہے تاہم اُس کا ارادہ قصہ امام ٹوڑھ پر حملہ کرنے کا ہے جو غلام حیدر خان کے فریاد پر میر محمد خاں کی ملک تھا اور جس کے ساتھ اُس نے خط و کتابت ملک نہیں کی تھی۔ انگریز جنرل میں زیادتی کی وجہ بیان کرتے ہیں اپنی تحریر کو پانچ با تروید کرتا ہے۔

اولاً: اُس کا بیان ہے کہ اُسے متحقق حاصل ہے کہ امام ٹوڑھ علی مراد کو منتقل کر دے کیونکہ میر رستم بھاگ گیا ہے اور اُس نے اُس ذرا کے قبل حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر یہ خفیف بات ہے:

دوئم :- اُس کا پھر بیان ہے کہ سرکاری کتاب نمبر ۳۳۳، "یہ قلعہ میر محمد خان کا ہے۔ لیکن علی مراد کی جاداد اُس کے رئیس خاندان مقرر ہونے سے ہو گیا ہے۔" پس جس حالت میں میر رستم سردار تھا تو وہ قلعہ محمد خان کا کیونکر تھا۔ اگر رئیس کی جاداد تھا تو کیوں اُس انتقامی دستاویز میں اُس کا ذکر نہیں ہے جو علی مراد نے بجر میر رستم سے حاصل کیا تھا اور جس میں اور قلعے رئیس کے تفصیل وار درج ہیں۔ جیسے شاہ گڑھ وغیرہ۔

سوم :- اُس کا بیان ہے :- "شمالی سندھ کے تمام قلعہ جات دستار ریاست کے متعلق ہیں" (تمہ سرکاری کتاب نمبر ۳۳۳) یہ محض واقعات کی خلاف بیانی ہے جیسا کہ پہلے کے وصیت نامے سے ظاہر ہے۔

چہارم :- اُس کا بیان ہے کہ "وہ علی مراد کا تھا لیکن تین سال ہوئے کہ اُس نے اپنے ایک عزیز کو دے دیا۔"

پنجم :- وہ لکھتا ہے کہ "بزرگ نفس علی مراد سندھ کے قانون کے مطابق رئیس ہے اور میر محمد اُس کا مالک اُس سے باغی ہے۔" (شرح فتح سندھ صفحہ ۲۵۰)

فتح محمد غوری کی اسیری
اُسی خط میں جس میں جرنیل نے ایک شخص رئیس کے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے وہ ایک امر کو اس طور پر بیان کرتا ہے کہ گویا بالکل قابل اعتراض ہو۔ یعنی علی مراد کے وزیر نے میر رستم کے نہایت ہی پیارے رفیق فتح محمد غوری کو قید کر لیا ہے۔ وہ علی حسین کو جسے وہ اپنی معمولی محبت کے ساتھ شیخ علی زعیر لکھتا ہے، نہایت چاناک و ہوشیار لکھتا ہے۔ دراصل ایسے شخص کے ہاتھ میں جرنیل تھا اور انگریز قوم کے اصل اغراض اور اُن کے رفقا کی جان و مال کا خون کر رہا تھا تا کہ اس کم بخت اور اُس کے بدذات آقا کی حالت کو درست کر دے۔ جرنیل گو کہ محض اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھا مگر بالکل اندھا تھا۔

وہ اپنے دو سرے خط میں جس میں اُس نے گورنر جنرل کو میر رستم کے فرار ہو جانے کی

وجہ لکھی تھی۔ یوں بیان کیا ہے: "میرستم جو ایک بزدل شخص ہے اور عرصے سے خیال کرتا تھا کہ میں اُسے قید کرنا چاہتا ہوں یہ سمجھا کہ وہ زمانہ قریب آگیا اور اُس کا بھائی اور میں دونوں اپنی سازش اُس کی نسبت پوری کرنے والے ہیں۔ اب مجھ کو یہ خیال آتا ہے کہ علی مراد نے اُس بوڑھے شخص کو ایسی حماقت کرنے کی جانب دُور اگر قصداً مستعد کیا ہوگا تاکہ اُسے دستار ریاست کا قبضہ قطعی طور پر مل جلتے یا علی مراد کے برتاؤ نے ایسا کیا۔"

نیمپیر کا اپنے منظم پر اظہارِ تفریح | مورخ نمبر ۱۲ اپنے بھائی کو امام گڑھ کی تباہی کے بیان میں سکندر اعظم سے تشبیہ دی ہے۔ یہ ایک

ایسا کام ہے جس پر اُس نے نہایت حمت آمیز فخر کے ساتھ بحث کی ہے۔ سرچارلس نے تین سو آدمیوں اور دونوں سے ایک قلعہ کو دھوا دیا جس کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں اور جس میں ایک بھی محافظ نہ تھا۔ امیروں کو کوئی بات مخالفت کی طرف رجوع نہ کر سکتی تھی۔ چاہے اُن سے فریب کیا جائے یا وہ دق کے حوائس۔ ورنہ کس آسانی سے انھوں نے جرنیل اور اُس کے قھوڑے سے لوگوں کو ایک ایسے ریگستان میں برباد کر ڈالا ہوتا جہاں پانی میسر نہ آتا تھا۔ واقعی انگریزوں کی حالت نازک تھی۔ بشرطیکہ ہم مورخ نیمپیر کی قابلِ تفسیح روایت کے ایک لفظ پر استدلال کر سکیں۔ کیونکہ میرستم سات ہزار آدمیوں سے قریب تھا اُس کے پاس سات سو آدمی بھی کہیں نہ تھے مگر اپنے غاندان کی عورتوں کی جان بچانے کے لئے زیادہ متروک تھا۔ خوف کی بھگدڑ میں محمد حسین کی بوڑھی ماں کجاوے سے گر پڑی۔ جس سے اُس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور اُس کی دو خادمہ ہلاک ہوئیں۔ مگر فرار ہی ایک ذریعہ تھا جس سے اُن پر نصیب شہزادیوں کے زیورات اور پوشاک جو بدن پر تھی بچنے کی امید تھی۔ حیدرآباد میں جہاں کچھ بھی مقابلہ نہیں ہوا۔ دیوان میا رستم کا بیان ہے کہ عورتوں

سے کپڑا تک اتار لیا گیا اور ایسی ہی یہ رستم کے خاندان کی بھی حالت ہوتی ہوتی۔

اہل سندھ کی تباہی و بربادی | خبر پور کی غارت، امیر اور ان کے خاندان والوں کا فرار، فتح غوری کی گرفتاری و قید، امام گڑھ کی تباہی، میر رستم سے ایک جبریہ تحریروں سے باہر جس سے اُس نے دستارِ ریاست اور اُس کے متعلقہ اراضیات و دیگر مقبوضات سے دست برداری کی، محمد حسین اور میر رستم کی دیگر اولاد کے محروم الارش ہونے، اور بہت سے تحریف آمیز اشتہارات کے جاری کرنے کے بعد جس میں میر رستم پر دروغ گوئی و حیلہ سازی کا الزام عائد کیا گیا ہے، جرنیل نے تقریباً مختلف امیروں کو طلب کیا کہ اُس کے قدموں پر سر رکھیں اور صلح نامے پر غور کریں۔ جس طرح ہم لوگ کتوں کو اُس وقت بلاتے ہیں جب کہ ہماری نیت اُن کو مار ڈالنے کی ہوتی ہے۔

اس عمارت کو منے جو جرنیل نے ایک ایسے رئیس کو بھیجی تھی اور اپنے سن اور بے دارغ زندگی کے لئے قابلِ اعزاز تھا۔ "امیر ایسا حیدر آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں آپ کو ایسی غلط بیانیوں کی آڑ میں نہ چھپنے دوں گا۔ میں ایسی دہری چالوں کو نہیں سمجھتا۔ میں آپ کو آپ کے قول و فعل کا پابند مقرر کرتا ہوں۔ میں اب تم کو تپوروں کا سردار نہیں سمجھتا۔ میں تم سے اس حیثیت سے معاہدہ کروں گا اور نہ اُن کے ساتھ گفتگو کروں گا جو تم کو رئیس مقرر کرتے ہیں۔" ہائے بد نصیب ملک جہاں اُس شخص کو رئیس تصور کرنا بھی جرم ناقابلِ معافی ہے جسے انگریز جرنیل کے آوردہ کے سردار ہونے کے لئے متایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا کو بطور نمونہ کے اُن تحریروں کا تصور کرنا چاہئے جو میر رستم کو لکھی گئی تھیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ذی ہوش شخص اپنے کو ایسے آدمی کے اختیار میں کر سکتا ہے جو ایسے الفاظ استعمال کرے۔ اس کے سوا جب جرنیل نے خبر پور کے امیروں کو صلح نامہ پر غور کرنے کے لئے پیام بھیجا تو اُن کے پاس جمیہا کا انھوں نے بہت صمیم بیان کیا، "تھا ہی کیا جس کی گفتگو کرتے۔ انگریز نے اُن سے سب کچھ لے لیا تھا۔"

امرانے حیدرآباد کی مارت کی ناکامی | قبل ان کی حاضری کی میعاد کے گزر جانے کے حیدرآباد

کے امیروں کے ایچی خیرپور میں آئے اور جو صوبہ دار اور حسین علی کی جانب سے آئے تھے ان کو کامل اختیار شرايط کرنے کے تھے۔ اب یہ بخوبی واضح ہے کہ اگر ان ایچیوں سے گفتگو کی گئی ہوتی تو انگریز جرنیل کے لئے اپنے مخالفانہ ارادہ کے پورا کرنے میں بڑی دقت ہوتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شرط ایسی نہ تجویز کی گئی ہوتی جس کو ان لوگوں نے منظور نہ کیا ہوتا۔ ایک ہی طریقہ صلح سے اقبناپ کرنے کا یہ تھا کہ کوئی حیدر صوبہ چاہے یا کوئی سازش میجر کلہبرن کو ہر باد کرنے والے بلوچیوں سے کی جائے مگر ان کا وجود صرف کاغذات میں تھا اور علی مراد کی بھی شفقی ہوشیاری نئے جلی خطوط میں صرف ہو سکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ میرستم نے آخر کار اطاعت قبول کی ہوتی تو اس کا قید کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ مگر اصل سردار اور رئیس کے ملک میں چھوڑنا جس کو کل رعایا محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اس نمک حرام کے لئے تباہت ہوتی جس نے اس کی جگہ چھین لی تھی۔ یہ حالت تردد آ میر تھی۔

لیکن سندھ کے تعلقات میں جو ہمارے ساتھ تھے ہم کو قبل ایسی ایسی ناوہ باتیں نظر آتی ہیں کہ ہم کو ایک اور عمدہ خیال پر تعجب نہ ہوگا۔ میرستم اور اس کے برادرانہ نصیر کو انگریز جرنیل نے حکم دیا کہ وہ حیدرآباد روانہ ہوں ورنہ دشمن تصور کے جائیں گے۔ جنونی سندھ کے سنیروں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے آقا کے پاس ہرنگ واپس جائیں۔ اور کرنیل اوٹرم سے جن کی انصاف اور بیانات پر تمام موقعوں پر ہم یہ نہیں کہتے کہ خیال نہیں کیا جاتا تھا مگر مخالف کارروائی کرنے کی ایک مفید فہرست تصور کی جاتی تھی۔

۱۶ شرح فتح سندھ صفحہ ۲۹۰۔ ان کے پہلے برتاؤ کو دوستانہ تصور کر لیجئے۔ ہم جانتا چاہتے ہیں کہ برتاؤ مخالفانہ محض خیالی طور پر نہ کہ عملاً کیا ہوتا۔ ۱۶

جنرل میسر کی مختصمانہ پالیسی : یہ کہا گیا کہ اُن سے وہاں جا کر مذاقات کریں۔ اس طور پر تین غرضیں پوری ہوئیں۔

اولاً : میررستم کو بطور محتاج کے اپنی برادری کے حیدرآبادی رئیسوں کے ہاں جانا پڑا اور اس طور پر انھیں ہر ایک خیال آبرو سے جو انسان کے دل میں ہوتا ہے مجبوراً اُس توہین اور بربادی سے بچانا پڑا اور اس ذریعہ سے اُن کو مقابلے پر آمادہ اور اُن کے بلوچی اعزاء کو مشتعل کرنے کا موقع ملا۔

دوئم :۔ اس طریقہ سے مہلت مل گئی اور وہ صلح نامہ جو اُسی جگہ طے ہو گیا ہوتا صرف ملوثی نہیں رہا بلکہ میررستم کو چالاک سے جنوبی سندھ روانہ کر دینے سے اُس کا طے پانا ناممکن ہو گیا۔

سوم :۔ جس زمانے میں میجر اوٹرم حیدرآباد میں گفتگو کر رہا تھا۔ انگریز جرنیل کو بے روک ٹوک اُس شہر پر چڑھائی کا موقع ملا۔ اور گفتگو سے جو دراصل محض تفریح تھی اُن لوگوں کو جو اصل اسرار سے واقف نہ تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ فی الواقع امیروں کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی عمل داری کے زرخیز خطوں کو حوالے کر کے باقی کو اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔

جنگ میان وڈباکی وجہ : اگر خیرپور کے مہاجرین سے پہلے کرنیل اوٹرم حیدرآباد پہنچ گئے ہوتے تو انھوں نے جنوبی سندھ کے امیروں کو جتا دیا ہوتا کہ میررستم کا اُن کی دارالسلطنت میں آنا اُن کو موجب بربادی ہوگا۔ اس لئے اُن کی یہ سخت کوشش تھی کہ جرنیل سے اپنی روانگی کا حکم حاصل کر لیں اور انھوں نے آخر کار بڑی دقت سے اجازت حاصل کر لی۔ جس سے وہ اس قدر پیشتر روانہ ہوئے کہ حیدرآباد میں (گوٹری محنت سے) عین موقع پر پہنچے۔ لیکن علیٰ مراد نے بڑی احتیاط کی کہ یہ اجازت اپنے مقام مقصود تک نہ پہنچے۔ اُس نے مراسلہ کو روک لیا اور اس طوع پر اپنی خواہش کو پورا کر کے لئے عہد

کر دیا۔

فی الواقع امیروں نے بادبود فوت کی پیش قدمی کے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے اور اسے انگریز جرنیل کے پاس بھیج دیا مگر وہ زندہ ہاتھ سے نکل گیا۔ میرستم کو اپنے درمیان بطور تارک الوطن کے اور اُس کی تمام کلہنوں کا حال سن کر جس سے ایجنسی کا خون بھی جوش کھانے لگتا ہے بہادر بلوچی باز نہ رکھے جاسکے۔ جنگ اور ہلاکت پر آمادہ ہو گئے بسندھ اُن کے خون سے تر ہوا ہے اُن کی ہڈیاں میاں اور دبا کے میدانوں میں گل رہی ہیں۔ اور اُن کے مکانات ویران ہیں۔ مگر عادل خدا ایک دن ضرور اُن کی تکلیفوں کا انتقام لے گا۔ خود میاں کے فتح کرنے والے کے الفاظ سنئے۔ ہم اُس کے فیصلے کو جو اُس نے اپنے خیال کے نسبت خود کیا ہے پڑھتے ہیں اور خود کوئی لفظ نہ کہیں گے۔

انگریز قوم پر بدشاداع | انگریز ہندوستان میں زیادتی کرنے والے ہیں اور گو کہ بادشاہ کوئی ضرر پہنچا نہیں سکتا مگر اُس کے اعمال پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی شخص اُس سے زیادہ الزام قبول نہیں کر سکتا۔ جو اُن انگریز عاقلوں پر بے جنوں نے ہندوستان اور سندھ کو فتح کیا اور اُن لوگوں کا بچاؤ کیا جنہوں نے وہاں دہلی زیادتیاں کیں جیسی کہ ہمارے منصف نے یہاں کی ہیں۔ مگر ایک بات کہی جاسکتی ہے کہ نپولین کو اسپین کے موجودہ بادشاہ کی حماقت سے ترغیب ہوئی۔ اور اُس کی غرض میں کوئی بات نکھی یا ظلمانہ نہ تھی۔ اس کے برعکس انگریز می گورنمنٹ کی غرض چند دوکان داروں کو مال دار بنانے کی تھی۔ یعنی فرقے دوکان داروں کے جیسا کہ اُن کا موزوں نام رکھا گیا ہے اور کسی قوم کی طاقت اس سے زیادہ نکمے اور ظالمانہ طور پر نہیں ہوتی ہے۔ ہماری غرض ہندوستان (سندھ) کو فتح کرتے ہیں اور ہمارے تمام

ظلم و ستم صرف زر حاصل کرنے کے لئے ہوئے :

گزشتہ ساٹھ برس کے اندر دس پدم سے زائد روپیہ ہندوستان سے نیا جا چکا ہے۔ اس کا ہر ایک جزو خون آلودہ اٹھایا گیا ہے اور قاتلوں کی جیب میں ڈالا گیا ہے مگر چاہے اس زر کو جس قدر صاف کر داور دھو ڈالو مگر اس کا وہ داغ صاف نہ ہوگا جو ہمارے دامن پر لگا گیا ہے۔ اور ہم لوگوں کو بھی اس جرم کی سزا خدا سے ملے گی۔ جس کے یہاں قومی تجارتی مقاصد کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ورنہ بیشتر جس پر ہمارا ایمان ہے اور جس کے حاصل کرنے کی ہم امید کرتے ہیں کوئی شے نہیں ہے۔ انصاف اور مذہب "ایک بڑے دست کار ملک" کی نگاہ میں کچھ نہیں ہیں کیونکہ ایسی قوم کا اصل مہودزر ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم | میرا بیان عجیب معلوم ہوگا لیکن میں ظلم نیولین کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظالموں پر ترجیح دیتا ہوں۔ جو شخص اختیار

اقتدار کا طامع ہوتا ہے وہ بالعموم مفتوحہ قوموں کے فائدے کے لئے حکم کرنا نہیں بلکہ لوٹ لٹ منفعیت کی ہوس رکھتے ہیں وہ صرف اپنے کو مال دار بنانے اور لکھو کی قوموں کی شہ دہانی کے تباہ کرنے کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ "ایک ملوک کہ مردود فرشتہ ہو مگر دوسرا ناری شیطان ہو" کیا یہ الفاظ اس شخص کے ہیں جو خون میں قدم رکھتا ہوا حیدرآباد کے خزانے تک گیا اور یہی وہ ظالم ہیں جنہیں وہ ناری شیطان کہتا ہے جنہوں نے ہمیشہ صلیح کی خواہش کی اور سندھ کی رٹانی کو بے عزت و خلاف مصلحت اور نامنصفانہ قرار دیا افسوس صد افسوس !

ڈاکٹر بیرٹ کی میر ستم کے متعلق رپورٹ | سندھ کے بد نصیب رومیوں کی تاریخ کی اس عام کیفیت کے بعد اب صرف ہر ایک کا حال اس وقت

سے لکھنا باقی رہ گیا ہے جب سے کہ اُن کا خاندان تباہ ہوا اور دارالسلطنت کو انگریزوں نے لوٹ لیا۔ میرِ ستم جو ۱۰ سال سے زائد کے سن سے گزر رہا تھا اور جس کی آخر زندگی اُن لوگوں کے ہاتھوں سے قید ہو کر تلخ ہو گئی تھی جن کو اسے خدمت کی تھی بہت جلد اپنی مصیبتوں کے بوجھ سے دب گیا۔ قید میں جن انگریز افسروں نے اُسے دیکھا وہ اُس کے استقلال کی نہایت تعریف کرتے تھے کہ وہ غم ناک تقدیر پر صابر تھا۔ ڈاکٹر بیرٹ جو پونا میں سول سرجن کی حیثیت سے امیروں پر تعینات تھے میرِ ستم کے شریفانہ طرز کی نسبت یوں لکھتے ہیں: "معزول امیرِ ستم ذل فیروپوری مع اپنے فرزند غور و علی بخش اور برادر نصیر خاں کے مارچ ۱۸۵۷ء سے میری سپردگی میں ہیں اور مجھے نہایت مسرت اس بات کی تصدیق کرنے میں ہوئی ہے کہ وہ اپنی مصیبت کو نہایت شرافت سے جھیل رہے ہیں۔ میں بہ اطمینان لکھ سکتا ہوں کہ جب سے مجھ سے اُن سے ملاقات ہوئی ہے میں نے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی ہے کہ جس سے ذرا بھی شک اُن کی بے غوری یا عیاشی کا ہوا اور مجھے بہت موقع اس کی تحقیق کرنے کا ملا ہے۔ کیونکہ میں ہر شب جا بجا کرتا تھا۔"

میرِ ستم جس کا سن اس وقت اسٹی سال سے زائد ہے اپنے تمام ہوش و حواس درست رکھتا ہے اُس کا حافظہ عمدہ ہے اور وہ اپنے مذہب کا نہایت پابند ہے کھانے پینے میں وہ نہایت پرہیزگار ہے گوشت دن میں ایک ہی مرتبہ کھاتا ہے اور بجز دودھ یا پانی کے اور کچھ نہیں پیتا۔

امرائے سندھ کی پرہیزگاری | کرنل اوٹرم نے بہت سی شہادت تمام پولیٹیکل افسران شاہی کی جمع کی ہے۔ جن کو کچھ بھی تعلق امیروں سے تھا۔ وہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ "امیر اُن بہ عنوانیوں سے بالکل پاک تھے جن کا الزام اُن پر کتاب نوح

سندھ میں عاید کیا گیا ہے۔ "تردید اس قدر مکمل ہے کہ اُس میں کچھ اور شامل کرنا غیر ممکن ہے۔ لیکن ہم ایک اور محلے کا حوالہ دیئے بغیر باز نہیں رہ سکتے۔ یہ انتخاب کیپٹن کارڈن کے خط کا ہے جس کی سپردگی میں اُس وقت امیر لوگ حیدر آباد میں تھے۔ میں اس لئے جواب تمہارے سوال کے لکھتا ہوں کہ امیر نہایت پرہیزگار لوگ ہیں جو ہر قسم کی شراب سے سخت پرہیز کرتے ہیں اور حقہ پینے سے بھی اُن کو نہایت نفرت ہے اور تمباکو کی بو تک نہیں برداشت کر سکتے۔ پس بہ لحاظ حقہ اور شراب پینے کے امیر ہم میں سے بہتیروں کے لئے قابل تقلید ہیں جو اُن سے اعلیٰ ترین شایستگی اور نفس کش اخلاق پر فخر کرتے ہیں۔"

میر رستم کی توقیر | اس سے کسی قدر تسلی اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو میر رستم کی عزت اور احترام کیا کرتے تھے کہ اُس کے نام کو اس طور پر اُن بہنامیوں سے محفوظ رکھا گیا ہے جو اُس سے منسوب کی جاتی تھیں۔ آخر کار وہ بوڑھا سردار اطمینان سے بیٹھی نیند سو رہا ہے اور اُسے وہ آرام نیر آ یا ہے جس سے عیسائی لوگوں نے اسے محروم رکھا تھا۔ بقیہ امیر جو اُس کے حین حیات اُس سے محبت رکھتے اور اُس کی قدر کرتے تھے اُس کی باتوں کو۔۔۔۔۔ افسوس سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنے ستلے والوں سے کوئی صلہ اُن کی تکلیفوں کا یا اُس کی لی ہوئی چیزوں کا نہیں چاہتے۔ یہ بات تو گزر گئی اور وہ صرف اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ اُن کے پیارے سردار کی ہڈیاں اُس کے پیدائش کے ملک میں بھیج دی جاتیں۔ اُن کو امید ہے کہ اس سے انکار نہ ہوگا اور اُن کو بھروسہ ہے کہ اُن کے دشمنوں کا حسد مُردے کے ساتھ نہ برتا جائے گا۔ کیا عیسائی حکام بوڑھی بیوہ کو اس آخری تسلی سے محروم رکھیں گے کہ وہ اپنی خاک اپنے متوفی شوہر کی خاک میں ملا دے۔ کیا دس سال کی جلا وطنی افلاس اور غربت اس آخری تسلی کو نہ حاصل کر سکیں گے؟

وزیر فتح محمد غوری پر الزامات | میر رستم کے بعد وزیر فتح محمد غوری کا زمانہ تھا۔ یہ ثابت

کیا گیا ہے کہ کس قدر ابتداء ہی سے اُس کے ساتھ بے انصافی اور حقارت کا برتاؤ ہمارے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر اسس بیل نے روار کھا۔ چونکہ وہ ہمیشہ اُس نمک حرام علی مراد کا مخالف رہتا تھا اس لئے سندھ میں ہماری عمل داری کی ابتداء ہی سے اُس عیار سردار نے اُس کی غیبت اختیار کر رکھی تھی۔ کہیں براؤن کو علی مراد کے وزیر کی وجہ سے کافی طعنہ پراس کی جانب سے نبض ہو گیا تھا اور اُس کی بدگمانیاں جنرل نیپئر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ وہ بچہ سردار کبھی ہمارے درباروں میں آنے نہ پاتا تھا۔ یہ علانیہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ ہم اُسے آئندہ میررستم کا وزیر تصور کریں گے۔ یہ ایک رفیق رئیس کے معاملات میں عجیب اور ناجائز دست اندازی کرتی ہے۔ مگر یہ بھی کافی نہ خیال کیا گیا۔ وزیر پر الزام لگایا گیا کہ اُس نے ہمارے سابق حاکم کبھی محمد شریف کو جو اُس وقت قید تھا رہا کر دیا۔ یہ مظہرہ جرم فتح محمد کا میررستم کی نسبت بطور ایک الزام کے غایر کیا گیا۔ جس سے اُس کے ملک کا غارت کرنا جائز تصور کیا گیا۔

شرمناک غلط بیانی ہماری جانب ایک عجیب غلط بیانی سے یہ کہا گیا کہ میررستم اپنے وزیر کے افعال کا ذمہ دار ہے۔ حالانکہ اُسی وزیر کو ہم نے ایہوں کا افسر مطلق نہیں تسلیم کیا۔ چونکہ فتح محمد اپنے سردار کا وفادار تھا۔ اُس کے ساتھ بھاگ کر حیدر آباد گیا اور اُس کے ساتھ ہی قید ہوا۔ اُس کے بعد اُس کی تاریخ میں ایک عجیب معاملہ پیش آیا۔ علی مراد نے جو اُس کے خون کا پیاسا تھا جس نے اتنی مدت تک اُس کی مخالفت کی تھی اُسے انگریز جرنیل سے اس بنیاد پر طلب کیا کہ وہ علی حسین کا چھ ہزار روپیہ کا قرض وارہے۔

یہ علی حسین چند سال قبل سندھ میں مفلس وارو ہوا تھا مگر اب برائے نام وزیر۔ لیکن دراصل ڈیجی کی ریاست کا حاکم ہو گیا تھا۔ انگریز جرنیل نے فتح محمد کو اُس کے دشمن جانی کے فوراً حوالے کیا جس نے اُسے قید خانے میں ڈال دیا۔ جہاں وہ بارہ مہینے تک

مثل عام مجرموں کے بیوی سال کے ہیں۔ میں رہا مگر خدا نے اُس کے ستائے والوں سے اُس پر زیادہ رحم کر کے اُن کی رہائی کا حکم دیا۔

خان بھاولپور | بھاولپور کے خان نے جس کے باپ کے دربار میں ایک زمانے میں فتح محمد وزیر رہ چکا تھا۔ سرچارلس نیپئر کو کھا کر وہ اُس کے باپ کے دوست اور مشیر کو اُس کے عوانے کرے۔ اور اُس انگریز نے علی مراد سے درخواست کرنے کے لئے کہا۔ علی مراد نے شاید ایک ایسے سردار کے خوش کرنے کے لئے جس کی انگریز نہایت عزت کرتے تھے۔ چھ ہزار روپیہ جس کے حیلہ سے اُس نے ظالمانہ طور پر بوڑھے مظلوم کو قید کیا تھا لے لینے پر رضامندی ظاہر کی اور اسے رہا کیا۔ جوں ہی فتح محمد بھاولپور میں پہنچا خان بھاولپور نے اُسے بیس ہزار روپیہ نقد اور ہزار سالانہ ایک جاگیر دی اور اُسے وزیر کے عہدے پر ممتاز کیا۔ جس پر کوئی شخص اُس زمانے سے مقرر نہیں ہوا تھا جب سے فتح محمد چلا گیا تھا۔

سکھوں کی دوسری جنگ | گراتھی برس کے سن اور اُن سختیوں کے اٹھانے سے جو حال میں اُس پر گزری تھیں اور نیز اپنے بڑے اور پیارے بیٹے کے قضا کر جانے سے فتح محمد کی عقل جو پہلے تیز تھی اب کند ہو گئی تھی۔ وہ خود ملازمت کا متلاشی نہ تھا جس کے لئے وہ اپنے کو انتہائی زن کے باعث ناقابل تصور کرتا تھا۔ اُس نے اپنی سکونت اُس جاگیر میں اختیار کی جو اُسے ملی تھی۔ اور اگر غمان میں لبوہ ہوا ہوتا تو پھر ہم نے اس شخص کا نام بھی نہ سنا ہوتا جو کسی زمانے میں نہایت لایق شخص تھا اور جس نے بہت حد سے اٹھائے۔

مگر دوسری سکھ لڑائی کے ہونے پر خان بھاولپور کو لاہور کے ریذیڈنٹ لٹیننٹ ایڈمز کی فوج کی شرکت میں مورچہ باغی کی فوج کے مقابل میں کارروائی کرنے کو کہا۔ بھاولپور

نے ادمر ادمر دیکھا تو کسی کو ایسا نہ پایا جس پر اس قدر اعتبار کیا جاسکے جیسا کہ فتح محمد پر۔
 باوجود اپنی زیاد عمر کے وہ بھادل پور کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا اور اُس نے ستلج کو ۳۱
 مئی ۱۸۳۷ء کو عبور کیا۔ اُس کی امداد کی وقعت جو اُس نے ایڈورڈز کو دی خود اُس افسر
 کی تحریر سے سمجھی جاسکتی ہے۔ ”فتح محمد خاں غوری کی حالت نازک ہے اور اُس پر میری کامیابی
 کا انحصار ہے“

۱۷ جون کو فتح محمد نے پانچ سو آدمیوں اور گیارہ توپوں سے مقام گوانس میں شجاع آباد
 سے بارہ کوسس پر لفٹنٹ ایڈورڈز کی ہایت کے مطابق مورچہ تیار کیا گیا۔ اُس کی کمان میں
 جو فوج تھی وہ محض بے قاعدہ لوگوں کی تھی۔ جنہوں نے کبھی گولہ چلتے نہیں دیکھا تھا۔ مولراج
 کا بھادر نسبتی رنگ راج جانب شمال پندرہ میل کے فاصلے پر نو ہزار توابعہ دان سپاہیوں اور
 دس توپوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ جانب مغرب دریائے چناب کے پار اور قریب ہی داؤد پور
 کی فوج کے لفٹنٹ ایڈورڈس اور جنرل کانلینڈ تین ہزار آدمیوں اور دس توپوں کے ساتھ تھے۔
 ۱۷ کی شب کو سکھ فوج روانہ ہوئی۔ تاکہ وہ فتح محمد اور لفٹنٹ ایڈورڈز کی
جنگ کا آغاز فوج درمیان آجائے اور ساتھ ہی ساتھ وہ گھاٹ پر حاوی ہوتا کہ ایڈورڈز
 کی فوج عبور کرنے سے باز رہے۔ پیرابراہیم کی تجویز سے داؤد پوتوں نے سکھوں کی چال اس مو
 پر مات کی کہ خود موضع کیری میں آگئے جس میں ایڈورڈز کو گھاٹ سے اترنا پڑتا تو جانا پڑتا۔
 ۱۸ جون کو جب ایڈورڈز مدیا عبور کر رہا تھا سکھوں نے جو نوار کی بلندیوں پر کیری کے شمال میں
 جے ہوئے تھے فتح محمد خاں کے داہنے بازو پر حمل کیا اور ایک سخت معرکہ پیش آیا جو دن کے زیادہ

۱۷ ایضا صفحہ ۳۹۱۔

۱۸ ایضا صفحہ ۳۹۲۔

۱۹ بھادل خاں کی فوج۔ ۱۲

جسے تک قائم رہا اور گویاں چھ گھنٹہ تک برابر چلتی رہیں۔ اس کی وجہ کو نوآ موز بے قاعدہ سپاہیوں نے اس قدر عرصے تک تجربہ کار باقاعدہ فوج کا مقابلہ کیا۔ صرف ان کی دلیری اور ان کے کمانڈر کی مضبوطی معلوم ہوتی ہے۔ دو بجے فتح محمد کو مجبوراً اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا پڑا۔ جو اس نے رفتہ رفتہ انجام دیا اور جانب راست سے ابتدا کر کے دریا کی طرف چلا آیا۔ لڑائی کی لڑک جھونک جو اس وقت تک داؤد پوتوں نے برداشت کی تھی۔ اب لفٹنٹ ایڈورڈز کے پٹھان سپاہیوں پر آنے لگی۔ ان وحشی لڑنے والوں کی سرگرمی کو روکنا اور انھیں دشمن کی توپوں پر جاگرنے سے باز رکھنا ناممکن تھا جو عمدہ طور پر کام میں لائی جاتی ہیں اور چونکہ اب ان کا مقابلہ داؤد پوتوں کی توپوں سے نہ تھا وہ ایڈورڈز کے پٹھانوں کو تباہ کرنے لگیں۔

انگریزی فوج کی کمک | اس وقت میں جب یہ معلوم ہوا کہ ان کو حملہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے جس سے غالباً وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے ہوتے۔ جنرل کالینڈر

نے جو کمک ایڈورڈز کو روانہ کی تھی۔ وہ نہایت عجلت کے ساتھ آئی۔ اس میں چھ توپیں اور دو پٹھان قوادان پیدلوں کی تھیں اور ان کے آنے سے لڑائی کے انجام کی شکل بالکل بدل گئی۔ سکھ پیدلوں کی فوج کثیر پٹھانوں کے پرے کے قریب آگئی تھی اور اس کو ایک بارہ گراف کی نوز سیدہ توپوں سے ماری گئی جس کی آمد سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں پٹھانوں نے جو کمک کے لئے آئی تھیں حملہ کیا اور پٹھان سواروں کی ایک مختصر جماعت سے دو توپیں سکھوں کی لے لیں۔ اب سکھ لوگ اتبری کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگے۔ ان کا جنرل رنگ رام پہلے ہی سے بھاگ گیا تھا۔ اور جب لفٹنٹ ایڈورڈز کی فوج ہر جانب سے بڑھی تو دشمن میدان سے سرکے بل بھاگ نکلے۔ اس درمیان میں داؤد پوتوں نے ایڈورڈز کی بائیں جانب اپنی صف دست کر لی تھی۔ اور شدید تعاقب کیا اور دو توپیں اور سکھوں کی چھین لیں۔

فتح محمد غوری کی اعلیٰ فوجی صلاحیت | یہ کیفیت جنگ کیزی کی ہے جس میں فتح محمد خاں غوری نے اس فوج کے اول و دثیرن کی کمان کی تھی جس نے مولیم

ناگہ پہلی اور نہایت ہر وقت فتح حاصل کی تھی۔ یہ وہی فتح محمد ہے جس نے ایک جھوٹے قرضے کے جرم میں انگریز جرنیل کے حکم سے پورے بارہ مہینے قید خانے میں مصائب اٹھائے۔ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ اس نے انگریزوں کے ایک قیدی کی رہائی پر چشم پوشی کی اور اس جرم پر اسے اپنے عہدے سے معزول کیا گیا اور اس کے ساتھ شمالی سندھ کا پولیٹیکل ایجنٹ اور اس کا منظور نظر ماتحت سخت حقارت اور اہانت سے پیش آیا۔

لفٹنٹ ایڈورڈز دل سے فتح محمد کی دلیری کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے کہ وہ جرمیل صرف نام ہی کا نہ تھا کیونکہ اُسی کے حکم سے داد پوتے ہا ہتلی چھ گھنٹے کے معرکے کے بعد ہٹے اور متفقہ فوج کے داہنی جانب سے بائیں جانب کو جگہ منتقل کی۔ مگر وہ بوڑھے وزیر کو عقل کے سلب ہو جانے کا الزام دیتا ہے اور اس کا گردہ ایک درخت کے نیچے پیٹے کھینے کپڑے پہنے اپنے گرد و پیش کے امور سے بالکل غافل بیٹھا ہوا تسبیح خوانی کر رہا تھا اور گولے جو درخت کی شاخوں سے اُس کے سر پر سے گزر رہے تھے اُن کی آسے کچھ پرانا نہ تھی۔ اُس کا بیان ہے کہ پریشانی نے ہر طرف چلنے لگنے کی ذہنی طور پر معذور کر دیا تھا اور اُس نے ایک ہی نگاہ میں دیکھ لیا کہ وہ لمبا حاشخص ہو اُس کے قریب گرتا پڑتا آ رہا اور تعجب سے اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اُس کی باتوں کو سمجھ نہ سکتا تھا۔

فتح محمد کی فوجی صلاحیتوں کا اعتراف | غرض کہ یہ ایسے شخص کے لئے جس نے ولنگٹن یا زید میٹر کے سن کو بے کڑوا لیا تھا ایک جرم ٹھہرا کہ اُس میں شائبہ کا جوش نہ تھا۔ یہ گویا ایسے شخص کے لئے جرم تھا میں کا سن انٹی برس سے زیادہ تھا اور حال ہی میں قید خانے سے چھوٹا تھا کہ وہ ذکاوت میں ہمارے ایک نہایت ہی لائق یوروپین افسر کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ رہا یہ کہ وہ ایک درخت کے نیچے بے کار بیٹھا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لفٹنٹ ایڈورڈز نے خود بھی ایسا ہی کیا۔ اور سات گھنٹہ جون کی دھوپ میں جہاں بجز ایک جھاڑی کے سایہ کے کچھ نہ تھا اور نہ ایک نظرہ پانی نہ ذرا سی ہوا اُس نا قابل برداشت گرمی کے کم کرنے کے

لئے نہ تھی :- بیٹھا رہا۔

زنگ رام سکھ جنرل بھی ویسا ہی بیکا رہا اور متفقہ فوج کے کمانڈروں سے زیادہ ہوشیاری کی کیونکہ :- وہ ایک ہاتھی پر سوار پہاڑیوں سے باطمینان جنگ کو دیکھ رہا تھا جو ہونہار کے گاؤں کے گرد بھڑکی تھی اور مخالف فوج کے بڑھنے پر نہایت عجلت کے ساتھ مقام جنگ سے جس قدر دور ہو سکا ہٹ گیا۔ اندازہ کرنا چاہئے کہ اُن تکلیفوں کے بعد جو فتح محمد نے انگریزوں کے ہاتھوں سے اٹھائی تھیں۔ یہ بات محض ہندوستانی سرداروں کی عادت کے مطابق ہوئی ہوئی کہ انھوں نے اس سے کم تکلیف میں یا تو بالکل میدان سے کنارہ کیا ہوتا یا دشمن کے ساتھ فریکہ ہو گئے ہوتے۔ فتح محمد لڑائی میں برابر چھ گھنٹہ تک شریک رہا۔ اُس کے بعد واپس جانے سے ہٹ کر بائیں جانب اپنی فوج درست کی۔ دشمن کی بربادی میں امانت کی۔ اور اُس کے آدمیوں نے دھوپ میں پھین لیں۔

فتح محمد غوری کا توپوں پر قبضہ | ایک شخص کا قول ہے جو اس معرکہ میں پیش پیش تھا کہ فتح محمد طعن و تشنیع کے قابل نہ تھا اور اُس نے خدشے کی جانب سے وہ لاپرواہی نظر ہر کی جس کے لئے وہ اپنی زندگی بھر مستعد تھا اور اگر اُس نے ان توپوں کو جو جنگ میں پکڑی گئی تھیں۔ اپنے پاس رکھنے میں اصرار نہ کیا ہوتا تو اُس کے صنفِ مقل و غیر کی روایت نہ سننے میں آتی۔ ان توپوں کا وہ دعوے دار اس وجہ سے تھا کہ اُس نے متفقہ فوج کے بڑے گروہ کی کمان کی تھی دشمن پر پہلا حملہ کیا تھا اپنی جگہ پر چھ گھنٹے تک اُن کے مقبضے میں قائم رہا تھا اور ان سواروں کو دیا تھا جنھوں نے دشمن کا تعاقب کیا۔

اُس کا قول تھا کہ وہ توپوں کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اُس کی فوج نے انھیں حاصل کیا ہے اور اُن کے لئے یہ پست ہمتی کی بات ہوتی اگر اُن کی فتح کی یہ نشانیاں چھو جاتیں۔ یہ بھڑائی ہو کہ چھانڈوں کے پاس بادکش بیل نہ تھے مرنے والے کے پاس چھ سو بیل تھے۔ چنانچہ اُس نے انھیں توپوں میں جوت دیا اور میدان جنگ سے کچھ اگے گہرا چلنے چلا دیا۔

ہوا جس کے وقت میں فتح محمد زارت کے عہدہ پر بحال رہا۔

سعادت خاں پر حملہ | پھر ایسا اتفاق ہوا کہ سعادت خاں ایک روز فتح محمد کے ساتھ ایک ہی اونٹ پر سوار تھے یعنی خان آگے تھا اور فتح محمد پیچھے۔ اونٹ اُن لوگوں کے اُتارنے کے لئے بیٹھ گیا تھا کہ سعادت خاں کے ایک رشتہ دار بخر خاں نے اُس پر سخت حملہ کیا اور تلوار چلائی اُس ضرب سے خاں کی ران میں زخم آیا اور اونٹ کو زخم لگا جو اُچھل پڑا اور فتح محمد زمین پر گر گیا۔ اس ہلچل میں بخر نکل بھاگا۔ فتح محمد گر جانے سے اپنے آقا کی امانت نہ کر سکا جس نے اس وجہ سے یہ خیال کیا کہ وہ اُس کے خلاف سازش میں شریک تھا۔

فتح محمد کا فرار | چنانچہ فتح محمد کو جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ ملتان گیا جہاں مظفر خاں حکمران تھا جو اُس شہر کو رنجیت سنگھ کے مقابلے میں محفوظ رکھنے میں مارا گیا۔ خان بھاول پور نے اُس کے نکال دینے پر اصرار کیا جس سے انکار کیا گیا۔ اس سے وہ معرکہ پیش آیا جسے میجر ایڈورڈز نے لکھا ہے کہ فتح محمد کی فریب آمیز اور بے جا کوششیں تسلیم سے شجاع آباد تک کے ملک کے لئے لینے کی تھی۔ ملتان یوں نے شکست پائی اور فتح محمد بھاگ کر رہ گیا۔ جہاں رنجیت سنگھ اُس کے ساتھ باخلاق پیش آیا۔ مگر اُس نے شاید بخیال اختلاف مذہب اُس بادشاہ کی ملازمت سے انکار کیا۔ اور میرہ غازی خاں کے راستے سے شمالی سندھ میں آ گیا۔ جہاں وہ فوراً وزیر کے عہدہ پر ممتاز ہوا۔ جس طور پر خیر پور میں اُس کے ساتھ ہر تاد ہوا اور جو محبت میر سہراب اور میر ستم کو اُس کے ساتھ تھی وہ عجیب طور پر اُس کیفیت سے اختلاف رکھتی ہے جو میجر ایڈورڈز نے اُس کی بیان کی ہے۔ لیکن اُس سے بتر فائزہ ہے۔ جن غلط بدگمانیوں سے وہ بھاول پور سے نکالا گیا تھا وہ صاف ہو گئیں اور اُس کا بے قصور ہونا اس قدر کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ موجودہ خاں نے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اُس کی رہائی کے لئے علی مراد کو روپیہ دیے اور فوراً اُسے اپنی ریاست کا افسر اعلیٰ بنادیا۔

برنس کے فتح محمد کے متعلق تاثرات | قبل اس بیان کے ختم کرنے کے یہ کہا جاتا چاہئے کہ یہ عجیب تقدیری امر تھا کہ شمالی سندھ میں اول شخص

فتح محمد تھا جس نے انگریز ایچی کا خیر مقدم کیا۔ برنس کے سفرنامہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۱۱ میں ایک نہایت ہی قابل لحاظ کیفیت اُس ملاقات کی درج ہے جو اُس میں اور برنس میں ہوئی۔ "دریائے سندھ کے کنارے پر ہماری ایک عجیب ملاقات خیرپور کے وزیر سے ہوئی۔ جسے میرستم نے روانہ کیا تھا۔ اُس نے انگریز گورنمنٹ سے صلح نامہ کرنے کی گفتگو پیش کی۔ پھر اُس نے اُن ریاستوں کے نام لئے جن کی ہمتی ہماری رفاقت سے قائم ہے۔ مثلاً داد پوتوں کا سردار و جیسلمیر کا راؤ و بیکانیر کا راجا اور آخر میں کہا کہ یہ بات بخویوں نے پہلے سے کہی ہے اور کتابوں میں میں نے لکھ لی ہے کہ انگریز ایک دن تمام ہندوستان پر قابض ہوں گے جس پیشین گوئی کی نسبت میرستم اور مجھ کو اطمینان ہے کہ مزور وقوع میں آئے گی اور اُس وقت انگریز پوچھیں گے کہ تم لوگ کیوں رفاقت کی درخواست لے کر نہ آئے۔ اُس نے کہا کہ "ستارے اور آسمان انگلستان کی خوش قسمتی کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔"

فتح محمد کی خدمات | اب اس قدر کہنا باقی ہے کہ فتح محمد اُس جاگیر سے جو خان بھادل پور نے اُسے عطا کی ہے اپنی زندگی باعزائد اکرام بسر کر رہا ہے۔ یہ امید کی جا سکتی ہے کہ کمیزی کی عمدہ فتح سے جس کے باعث اُس کے شریکوں کو اس قدر عزت ملی اب بھی اُن لوگوں سے اُس کی خدمات کا کچھ صلہ دیا جائے۔ اس نے یہ جنگ انگلستان کے لئے لڑی تھی۔ اس طرح کچھ تلافی اس ظلم اور نا انصافی کی ہو جائے گی جو ہمارے ہاتھوں ہوئی۔

میرستم کے خاندان کا حشر | میرستم کے بعد خیرپور کے امیروں میں درجہ کے لحاظ سے میرستم کا بڑا فرزند محمد حسین ہے۔ اس وقت وہ پچیس سال

کا ہے۔ ہر چند کہ وہ اس وقت میں جب کہ جہول نیپئر مئی لٹانہ طور پر شمالی سندھ پر چڑھاؤ کر رہے تھے کچھ فوج کی کمان رکھتا تھا مگر اُس نے کسی طور پر اُس جرنیل کی زیادتیوں کو نہ بردہ

اُس نے اپنے باپ کو امیروں کے بال بچوں کے روانہ کرنے سے باز رکھا اور اُن کے ساتھ حیدرآباد بھاگ کر جانے سے انکار کیا۔ اُس کی ذات سے کبھی کوئی وجہ ناخوشی کی انگریز جرنیل کو نہیں پیدا ہوئی۔ اپنے باپ اور بھائیوں کے قید کے بعد وہ اپنی ماں یعنی میرستم کی بیوی اور خاندان کی اور مستورات کے ساتھ گزر گیا اور کچھ دنوں تک مزار یوں اور مریوں کے ساتھ قیام کیا جنہوں نے اُس کی مصیبت میں ہمدردی کر کے اپنے ہاں پناہ دی۔ ایک سال کے گزرتے پر وہ ملتان کے صوبے میں چلا گیا۔ وہاں کے سکھ سردار نے شہر کے قریب آنے سے منع کر دیا مگر اسے سرحد کے قریب ایک موضع میں رہنے کی اجازت دی۔ جہاں وہ اس وقت مقیم ہے۔

جس وقت علی مراد کے معاملہ کی کمیشن تحقیقات کر رہا تھا وہ خود بخود اس کے روبرو حاضر ہوا۔ جس سے خطرہ اُس کے گرفتار ہو جانے کا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ اس قعدہ پر درد اور نظری سادگی سے اپنی شہادت دی کہ جس سے سب لوگ راج اور ثنا خواں ہوتے۔ گورنمنٹ نے اُس کے نفعانات کا یقین واثق کر کے پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر کرنا چاہا مگر اُس نے اس بنیاد پر انکار کیا کہ یہ اُن بہت سے اشخاص کی پردہش کے لئے کافی دھوکا جو اُس کی زیرکفالت ہیں۔ اور یہ کہ وہ کوئی شے لینا پسند نہ کرے گا جس کو یہ معنی پہناتے جائیں کہ اُس نے اپنے قصور کو تسخیم کیا۔ اس شخص کو ہم نے ملک سے ہر کر دیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جا بجا ادارہ دطن بتلائے ریخ و عن مارا مارا پھرے۔

میرستم اور میر مہارک کے فرزند عزیز کو سرچارلس نیپیر نے علی مراد کے حوالہ کیا جس نے اُن پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا ہے جو حسد اور عداوت سے خیال میں آتا ہے۔ اُن کے حصے میں بھوک اور پیاس سردی اور غریبی تھی ہے۔ سرچارلس نیپیر کو جو درخواست اُن لوگوں سے کی ہے اُس میں لکھا ہے کہ ایسی حالت سے موت بہتر ہے اُن کے ستائے و نالے کا ادئے سے ادئے لازم اگر اُن کی حالت کا مقابلہ اُن کے افلاس سے کیا جائے تو چہین کرتا ہے۔ کئی شخص مر گئے۔ اور تا وقتیکہ انگریز

گورنمنٹ و مت اندازی نہ کرے اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ سب یا تو فائدہ سے یا اُن ظلموں سے مر جائیں گے جو اُن پر کیا جاتا ہے۔

مقید امرا کے سندھ کا انجام | وہ لوگ بے شک عزیز تھے مگر اُن کے عزیز سے اُن کو آرام و سلطنت و قربت و آزادی و زندگی سے محروم کر دیا۔ حیدر آباد

کے مقید امیروں کی کیفیت ہم کو کم معلوم ہے۔ میر نصیر خاں میر صوبہ دار خاں اور میر فتح علی صوبہ دار کا فسر زند اکبر مر گیا۔ میر پور کا امیر شیر محمد لاہور میں ہے جہاں وہ سکھ لڑائی کے زمانے میں برابر رہا۔ وہاں اُس کو موقع ہمارے دشمنوں کو اپنی شمشیر سے مار کرنے کا ملا۔ لیکن اُس کے تحمل سے ثابت ہے کہ وہ اُسی وقت لڑا جب اُسے اپنا گھر بچانے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ غلام علی کا بیٹا میر محمد خاں اور اُس کے ہر اور زادے نور محمد اور سفیر کے فرزند اب تک حیات میں۔ آٹھ برس کا زمانہ گزر گیا جب کہ یہ بد نصیب رئیس اپنے خاندان اور اپنے پیاروں سے الگ کئے گئے تھے۔ نور محمد فرزند اکبر میر شاہ داد بطور خونوں کے سورت کے قلعہ میں قید کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُس پر کینپن انیس کے قتل کی تہمت لگا کی گئی تھی۔ آخر کا گورنر جنرل کی رائے ہوئی جس کے روبرو امیر کے مقدمات کی تحقیقات کی گئی اور اُس نے عزت و حرمت سے رات حاصل کی۔ یہ تو انصاف ہے۔ بیٹی ایک رئیس پانچ سال تک بطور خونوں کے قید کیا گیا اور اُس مزا کے بعد باعزت بری ہوا۔ محض انسانیت یہ تھی کہ اُسے رہا کر دیتے مگر نہیں وہ سورت کے قلعہ سے نکلا گیا۔ تاکہ بنگال کی ناقص آب و ہوا میں اپنے وطن سے اور زیادہ فاصلے پر قید کیا جائے۔ مگر انسان کا ظلم اب اُس کے لئے قریب الاختتام ہے کیونکہ وہ اپنی انتہا کر چکا کہتے ہیں کہ شاہ داد اب زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا۔

شاہ داد کے متعلق ایک انگریز کی رائے | اسی شاہ داد کے ساتھ ایک اعلیٰ اور جہ کے شخص نے ملاقات کی تھی۔ جس کی کیفیت ذیل قابل ذکر ہے۔

میری گفتگو شاہ داد کے ساتھ ایسے معمولی الفاظ میں تھی جیسا کہ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ

دو اجنبی شخصوں میں ہوتی ہے۔ چند وجوہات سے میں قریب دو گھنٹوں کے جہاز پر رہا اور ایک ہندوستانی ذی رتبہ شخص کو دیکھ کر میں نے معمولی صاحب سلامت کی جس کا جواب مشرق کے شرفاء کے اخلاق کے ساتھ ملا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے گفتگو اُس کے بحری سفر کی بابت دریافت حالات کر کے شروع کی اور ہم لوگوں نے بھاپ کی قوت وغیرہ پر باتیں کیں۔ حتیٰ کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ سرہنری پانچرکب آئیں گے۔ اُس نے کہا کہ وہ اُس کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ کیونکہ وہ اُس کا اور اُس کے خاندان کا رفیق ہے۔

مجھے خیال ہے کہ اُس نے چند سوالات سندھ اور علی مراد کی نسبت کئے۔ چونکہ حال میں میں کلکتہ سے ہو کر آیا تھا میں نے کہا کہ میں نے امیروں کو بھی پر سوار جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سے کچھ گفتگو کلکتہ کی ہوئی تھی۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا کہ سرچالس نیپئر کیا کرتے ہیں اور اُس کی نسبت کہا کہ وہ ایک بہادر جرنیل ہے۔ اور یہ کہا کہ میرے خیال میں وہ نیک بخت شخص معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ مشرق کی زبان، طور و طریقہ رسم و رواج سے ناواقف ہے اور کوئی واقفیت سندھ کے امیروں اور اُن کی رعایا کے حقوق کی نہیں رکھتا نہ یہ کہ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے۔ اور اگر اُسے وہ واقفیت حاصل ہوتی جو سرہنری پانچرکب اور دوسرے ذی رتبہ عہدہ داروں کو ہے جن کو باشندگان ملک سے ربط و ضبط رکھنے کی عادت

۱۷ اب شاہ دادخان کی گفتگو کا مقابلہ جرنیل غینہ کی گفتگو سے کیجئے جو ذیل کے پر جوش الفاظ میں ہے: اگر تم مجھے اور زیادہ تکلیف دہ دغ بیانوں سے دو گے جیسا کہ تم نے اپنے دغ خطوں میں کیا ہے تو میں تمہیں قید کردوں گا جس کے تم لائق ہو۔ تم لوگ قیدی ہو اگرچہ میں تمہیں ہانک نہ کروں گا جیسا کہ تم نے اپنے لوگوں کو انگریزوں کی نسبت حکم دیا تھا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تاہم تم کو کسی جہاز پر پابہ زنجیر کر کے بھیج دوں گا۔ میں اب تمہارے خطوط کا جواب سندوں گا جن میں سخت دغ بیانوں کا محض اعادہ ہے جنہیں میں پسند نہیں کرتا۔ ۱۸

تھی۔ تو جس قدر مضرت اُس نے ہمارے خاندان کو پہنچائی ہے اُس سے اجتناب کیا ہوتا۔
 یہ جہاں تک کہ مجھے یاد ہے ہماری گفتگو کا خاکہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُس صفائی اور لطف
 سے مجھے تعجب ہوا جس کے ساتھ ایک سندھی امیر ایسے جرنیل کی نسبت گفتگو کرتا تھا جس
 نے اُس کی ریاست کو فتح کر لیا تھا۔ اور کوئی شخص شاہ داؤد کی گفتگو کا نیپڑ کی گفتگو سے مقابلہ
 کرے تو اسے تعجب ہو گا۔ اور دیکھے کہ دونوں میں سے کون سا شخص ہمارے مذہب کے اصول
 کے قریب تر ہے۔ اپنے دشمنوں سے محبت کرو اُن کو دعا دو جو تم کو بددعا دیں اور اُن سے
 بھلائی کرو جو تم سے نفرت کریں۔

نیپڑ کا سفر پن | سر ولیم نیپڑ کو غصہ اس بات سے آتا ہے کہ امیروں نے اپنی درخواست
 میں حضرت عیسیٰ کا واسطہ رحم کرنے کے لئے دلا یا ہے۔ کہا وہ اس بات
 سے ناواقف ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو ایک بڑا نبی تصور کرتے اور انھیں روح اللہ کہتے
 ہیں۔ کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے اگر وہ عیسائیوں سے اُس نام سے التجا کریں جسے وہ لوگ
 تسلیم زیادہ مانتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کون زیادہ حضرت عیسیٰ کے نام کی توہین کرتا ہے
 آیا وہ جو اُسے رحم کی التجا کرنے میں لیتا ہے۔ یا وہ جو ذرا رحم نہیں کرتا۔ ایسا شخص جو اُس

۱۵۔ ہم یہاں ناظرین کو سر ولیم نیپڑ کی عنایت کے ایک عمدہ نمونے کی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ
 سکتے۔ وہ صفحہ ۱۲ میں کتاب فتح سندھ میں لکھتا ہے کہ "یہ ہانخ محمد شیدی افریقہ کا غلام تھا
 جو غالباً کسی حبشی کا فرزند تھا جو مصر میں فرانسیسی فوج کے ساتھ رہا ہو بشرطیکہ اُس کا پہلا نام صبح
 ہو۔ اب ناظرین کو معلوم ہو گا کہ ہوش ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی فہم و طبیعت و روح کے ہیں اس
 لئے ہوش محمد کے معنی ہیں محمد کا ہوش یا روح۔ کیا اسے کوئی اعتبار کر سکتا ہے۔ کہ سندھ کا مورخ
 اس نام کو فرانسیسی نام ہانخ کے ساتھ بھٹ کرتا ہے۔ یہ ایک مثال اُس اخلاط و تخلیقات کی ہے جو امیروں کے تمام
 امور کی ہوئی ہے۔ ایسے لوگوں کی رائے سے سادق اور بی ہرگ کے نام کے خطوط اہل فرار دیئے گئے تھے۔ ۱۲۔

کے نام سے التجا کرنے والے کی درخواست نامنظور کرتا ہے گویا اُسے بُرا تصور کرتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک سیاسی غلطی | آخر میں چند الفاظ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں کہ سندھ کی فتح صرف ایک جرم ہی نہ تھا بلکہ فرانسیسیوں کی ظرافت کے لحاظ سے اُس سے بدتر تھا۔ یعنی ایک پولیٹیکل غلطی تھی۔ اگر حیدر آباد کے قلعہ میں درحقیقت وہ دو کروڑ روپے ہوتے جنہیں سر ایگزیٹوڈر برنس نے ناحق تصور کر لیا تھا۔ یا اگر لارڈ الینبرا کے ہونہار فرزند نے ہماری بہن کی محکمال چمکتی دیکھ کر چاندی انڈیل دی ہوتی تو تعجب نہیں ہے کہ ہر ایک شخص ایک بد نصیب قوم کے مصائب کی جانب سے بہرا ہو جاتا۔ ایک شخص اپنی ذات خاص سے بددیانتی کی حاصل کی ہوئی منفعت کو واپس کر سکتا ہے بلکہ بہت سے لوگ مثل اورٹم کے ایسے ہیں جو حقارت سے پانچ لاکھ کے انعام سے منہ پھیر لیں گے جو اصل وجہ امیروں کی بربادگی کی تھی۔ مگر کب کسی قوم نے کسی منفعت بخش شے کو واپس کیا ہے۔ ہر چند کہ وہ کیسے ہی ناجائز طور پر ملی ہو۔ اس وجہ سے سرولیم پیپر نے اپنی آخری درخواست اختتام پر کی ہے۔ یہ درخواست نسل انسانی کی سب سے زبردست اور بدترین خواہش کی نسبت ہے یعنی طمع۔ لیکن انصاف کے حق میں یہ مفید ہے کہ جو زر وہ دکھلاتا ہے وہ کھوٹا ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں جن کی طرف ہم ناظرین سے بخوبی متوجہ ہونے اور اس صحیح نقشہ سے مقابلہ کرنے کے لئے درخواست کرتے ہیں جو ہم نے ان کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اُن تمام لوگوں کی عام رائے جو سندھ کی آمدنی سے واقف ہیں یہ ہے کہ وہ بہت بڑھ جائے گی۔ سب سے ہائق ٹھکڑ کا خیال ہے کہ ایک کروڑ سے زیادہ پانچ سال میں ہو جائے گی اور گورنمنٹ کا خرچ نہ پڑے گا۔

قبل اس کے کہ ہم اصل کیفیت کو ان رایوں سے مقابلہ کریں یہ سندھ کا رقبہ اور مالیہ | ضروری ہے کہ ایک مختصر خاکہ امیروں کے زرعی انتظام کا اور

تھیں مال گزاری کے اُس طریقہ کا جو انگریز جرنیل نے قائم کیا ہے، پیش کیا جائے اور اس خاکہ کے تیار کرنے میں ہم شاید ناظرین کو فرعون کے خواب کی طرف متوجہ کریں گے کیونکہ واقعی جرنیل کے لاپٹے نے اپنے پہلے کی قرب مرغی کو کھا لیا ہے اور پھر بھی دیے ہی دے ہیں۔

سندھ کا رقبہ ۵۴ ہزار مربع میل شمار کیا جا سکتا ہے جس میں سے تقریباً پانچواں حصہ علی مراد کا ہے۔ آبادی مختلف طور پر تخمینہ کی گئی ہے اور حال میں اخبار کلکتہ ریویو کے ایک مضمون میں انگریزی حصہ کی آبادی پانچ لاکھ چھپس ہزار آدمی تخمینہ ہوئی ہے جس میں اگر آٹھواں حصہ بقدر علی مراد کی رعایا کے شامل کر دیا جائے جس کے ضلع بہت آباد نہیں ہیں تو کل آبادی سندھ کے موٹے حساب سے صرف چھ لاکھ نوے ہزار ہوتی ہے۔ اس حساب سے پندرہ باشندے فی مربع میل میں آتے ہیں جس سے اور بھی زیادہ ناقص خیال بہ نسبت اُس کے ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

خوش قسمتی سے ہم پہلے پہل اپنے ناظرین کے روبرو ایک صحیح نقشہ سندھ کے باشندوں کا مع تقسیم جنس ذات کے پیش کرتے ہیں۔

نقشہ کل آبادی ملک سندھ بتا رہے ہیں ہم فروری ۱۹۵۷ء

ملکت ہال	تعداد نسبا	مسلمان			ہندو			دیگر اقوام			میزان	
		مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	میزان	عورت
کراچی	۱۱۳۱۱	۹۱۰۹۰	۵۱۳۵۵	۷۰۳۷۲	۵۷۹۶۳	۳۰۳۱۳	۲۰۵۱۳	۱۸۶۲۲۲	۹۸۱۲۶	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳
شاہ پور	۱۳۱۳	۱۳۱۳	۱۱۳۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۱۵۱۳	۱۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳
جید آباد	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳
میزان	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳	۲۰۵۱۳

(نوٹ) مرد عورتوں کی تعداد میں جو زیادہ غیر مناسبت اس نقشہ میں نظر آتی ہے اس کی وجہ کسی قدر یہ ہے کہ مشرق کے باشندے خاص کر مسلمان اپنی عورتوں کا حال بتانا پسند نہیں کرتے۔ گمان غالب ہے کہ اس طور پر کتنی بیگیاں اور خادماں بھیٹ گئی ہیں۔

زندگی بھر اسی ملک میں رہتے آئے تھے اور اُس کی زبان و طور طریقہ سے واقف تھے۔
صرف باشندوں ہی کو ہو سکتی ہے یہ بات رعایا کے لئے ناممکن تھی کہ وہ اپنی اصلی حالت کو
اُن سے چھپائیں یا چھوٹے چھوٹے عہدہ دار وہ فریب کریں جس سے اجنبی و غیر ملک والے اکثر
دھوکا کھا جاتے ہیں۔ جو کچھ ہمارا زعم و گمان ہمارے اپنے عہدہ ترین انتظام کی نسبت سے یہ
بات یقینی ہے کہ امیروں کے ان انصران مال کے وقت میں سندھ میں آموہہ اور فارغ البال تھے۔

ایک بڑا فائدہ کاشتکار کے لئے یہ تھا کہ تمام فصلوں کی مال گزاری جنس میں
رگان اراضی دی جاتی تھی بجز تمباکو و شکر و سبزی کے جنہیں صرف مال دار کاشتکار پیدا
کرتے تھے۔ چونکہ یہ چیزیں بہت فروخت ہوتی ہیں اُن کے مالک نقد مال گزاری دیتے تھے۔

اور اراضیات میں سرکار کا حصہ پیداوار میں جنس میں لیا جاتا تھا جو زیادہ تر ثباتی کے ذریعہ
سے ہوتا تھا۔ یہ ایک بنیاد ہی منصفانہ انتظام تھا جس کے ذریعہ سے مال گزاری فصل کی پٹیا
کے مطابق لے لی جاتی تھی اور زمین کے حق دار سے کوئی تسبیح نہ رہتا تھا۔ اوسط حصہ گورنمنٹ
کا پیداوار میں پانچ حصوں میں سے دو حصہ سے لے کر نصف تک تھا جو بالکل مالک مفسرینی
و شمالی کے رگان کے برابر ہے۔ اب اُس طریقے کی جانب متوجہ ہونا چاہیے جو تیسرے اس
قائمہ کو از سر نو درست کرنے کے لئے تجویز کیا تھا۔ بہت سے انتظام کے بعد جن سے نیا
قائمہ جاری ہوا۔ ہم کو ایسی اصلاحوں کی امید کرنی چاہیے جس کی جانب کیسا ہی نہ توجہ کرے والا
اور متعصب شخص ہو رجوع ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اصل میں کہاں نظر آتی ہیں۔

اولاً۔ مزاوہل جن کے تجربے اور تربیت کے باعث اُن کے یوروپین آقا جہالت نے دریا
میں غرقاب ہونے سے بچتے تھے کارداروں کے عہدے پر تنزل کر دیئے گئے۔ اور اُن کی
تخواہ پہلے جس قدر امیروں کے وقت میں تھی۔ اُس کا پانچواں حصہ اور دسواں حصہ
کردی گئی۔ اُن کے عہدوں پر بطور مزاوہل کے بہت یوروپین مقرر ہوئے جن کو پہلے سے
کچھ تربیت نہ تھی۔ اور ہر ایک بات کو سیکھتا تھا۔ حتیٰ کہ فصل زریع خریف کا فرق نہیں جانتے

تھے۔ اگلے کارداروں کی تنخواہ نصف دی گئی اور ان کے سزاواروں کے ساتھ بلا استثنا ایسا برتاؤ ہوتا تھا جیسا بے ایمانوں کے ساتھ۔

فوجی قانون اور غیر معمولی سزائیں بالکل چھٹ گئے۔ ان کی جگہ پر حاجت مند لوگوں نے جن کے پاس کوئی شے ہاتھ سے نکل جانے کی نہ تھی ملازمت اس امید پر قبول کی کہ رعایا کو بجا وقت کے لوٹ لیا جائے۔ اس وقت ایک طریقہ عام دغا بازی اور بے ایمانی کا جاری ہوا۔ بہت جلد سڑکوں پر بد معاشوں کے گروہ نظر آنے لگے جو چند روز تحصیل داروں کے عہدے پر رہ کر اب قیدیوں کے لباس میں تھے تاکہ رعایا کو سرکاری ملازمت کی عبرت ہو۔ یہ نہ تھا کہ وہ لوگ ہمیشہ مجرم ہی ہوتے تھے بلکہ فوجی قانون عادی تھا۔

ملازم ہونا مجرم ہونے کے برابر تھا اور سزائیں انتہا سے زیادہ دی جاتی تھیں۔ معمولی سزا میں دس پندرہ یا بیس سزا روپیہ جرمانہ بشمول قید سخت سات یا دس سال یا اس سے زیادہ کی تھیں۔ جہاں سزا کوئی جزو ہوتی تھی تو اسی وقت دی جاتی تھی۔ گو کہ اپیل کر کے کی جازت تھی اور ممکن تھا کہ مجرم تکلیف و بدنامی پہننے کے بعد بری ہو جائے۔ امیروں کے وقت میں مال گزاری کا صاب ہمیشہ کسی پہینے میں ختم ہو جاتا تھا مگر موسم پر موسم گزرتے جاتے تھے اور کوئی تفرقہ نہ ہوتا تھا۔ باوجود سزاؤں کی لا انتہا سختی کے کارداروں کو اور ان کے ماتحتوں اپنے یورپین آقاؤں کی لاعلمی اور نا تجربہ کاری سے ہر قسم کے فریب اور زیادہ لینے کی ہمت ہوتی تھی۔ اس کے سوا شرح مال گزاری تمام سندھ میں یکساں تھی اور کوئی تفسیق یا لحاظ زمین یا سہولت آب پاشی یا زمین کے کسی مدت تک زیر کاشت رہنے کے نہ تھی۔ سب کو یکساں دینا پڑتا تھا چاہے وہ مخزن بن کا کاشتکار ہو یا دریا کے دہانے کے مدغیر میراب کھیتوں کا ہوشکایت اور نہ ہالیش کچھ بھی نہیں سنی جاتی تھی۔

کیا اب اس بیان میں کچھ اور بھی لکھنا ضرور ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں

کہ نہیں ہے۔

اس قدر دیکھ کر کہ سندھ نے اپنی نئی حکومت سے کیا ٹھہرا پایا اب ہم خود اپنے حساب کتاب کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ اُس سے ہم کو سرولیم نیپئر کی اس پیشین گوئی کی صداقت معلوم ہوگی کہ سندھ کی آمدنی پانچ سال میں ایک کروڑ ہو جائے گی۔

ذیل کے نقشہ سے ناظرین راستے قائم کر سکیں گے کہ اُس کے مالی حساب پر کہاں تک استدلال کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اُس کے بیانات بخوبی غلط ثابت ہو سکتے ہیں اور اس سے اور معاملوں میں بھی جس میں ریاضی جیسے علم کی صحت ناممکن ہے اور کسی کے اوپر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

JALALI BOOKS

سندھ کا میزانیہ
سندھ کی آمدنی و خرچ اُس کے زمانے الحاق یعنی ۱۸۴۳ء

فاصل خرچ	خرچ	آمدنی	
۴۶,۳۵۰.۳۲	۷۶,۶۲۹.۷۹	۹۸,۷۹۷.۷۹	۱۸۴۲ء و ۱۸۴۳ء
۳۱,۱۳۳.۲۹	۵۸,۵۳۳.۰۶	۸۷,۶۶۶.۶۲	۱۸۴۳ء و ۱۸۴۴ء
۳۰,۳۰۱.۶۷	۷۸,۶۰۹.۵۲	۸۷,۰۰۰.۸۱	۱۸۴۴ء و ۱۸۴۵ء
۳۸,۵۵۳.۰۲	۷۵,۷۶۷.۰۲	۸۶,۵۱۷.۷۹	۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء
۴۲,۱۳۳.۲۹	۵۲,۳۳۵.۵۱	۸۰,۲۰۰.۳۲	۱۸۴۶ء و ۱۸۴۷ء
۱۹,۶۹۹.۹۹	۸۸,۳۰۵.۵۰	۸۹,۳۳۵.۵۰	۱۸۴۷ء و ۱۸۴۸ء
۱۲,۰۸۶.۷۷	۳۳,۹۲۳.۳۳	۷۹,۸۶۷.۷۷	۱۸۴۸ء و ۱۸۴۹ء

۲۳,۵۵۳.۸۳

یعنی ۲۳,۵۵۳.۸۳ پونڈ

لے یہ اُس باقاعدہ فوج کی تنخواہ و کتبہ چھوڑ کر ہے جو سندھ میں ہے۔ یہ رقم معمولی فوجی خرچ میں شامل ہوجاتی ہے

رہنما نقشبات ۱۱ اگست ۱۸۵۱ء

خود غرضانہ اصول و مقاصد | سندھ پر قبضہ کرنے سے ہم نے سات برس کے اندر دعائی کروڑ کا اضافہ اُس کے قرضہ میں کر دیا ہے۔ یہ کیا ہے انصافی کا لطف اٹھانے کے لئے اس قدر صرف کرنا گراں نہیں ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ آئندہ گورنمنٹ ہند یعنی کورٹ آف ڈائریکٹرز اپنی پالیسی کے لحاظ سے جانچی جائے گی۔ مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن پر ایک نامنصفانہ جنگ سے جسے اُن لوگوں نے ناپسند کیا تقریباً دو تین کروڑ کا بار پڑ گیا ہے اور اُن کے خزانے سے برابر ایسے ملک کے الحاق سے صرف ہوتا جائے گا جس سے امیروں کے ساتھ اتحاد کرنے کے زمانے میں تمام فوائد سرحد کے حاصل تھے اور موجودہ خرچ نہ تھا۔ ان دعائی کروڑ روپیہ سے جو بے جا دست درازی میں صرف ہو گئے ہیں ہندوستان کی اندرونی ترقی کے لئے کیا کچھ نہ ہو سکتا تھا کیسی کیسی نہیں اور پیل کی سڑکیں جاری ہو سکتی تھیں۔ ورنہ پٹر اور نورپول کے سوداگر جنھیں سرحد پر بس دوکان امت کہتے ہیں اس کا خیال کریں اور سوچیں کہ ہندوستان کی کیا حالت ہوگی اگر اختیار حکومت کمیٹی کورٹ آف ڈائریکٹرز کے ہاتھوں سے نکال لئے جائیں۔ جیسا کہ وہ جبر نکال لئے گئے ہیں اور ایک غیر ذمہ دار جماعت وزراء کے سپرد کی جاتے جو آئے دن بدلتی رہتی ہے اور ہر ایک کارروائی کو چاہے وہ کیسی ہی قوی کیوں نہ ہو اپنے نئے خود غرضانہ دے اصولانہ مقاصد کے لئے جانور قرار دینے پر آمادہ رہتی ہے۔

۱۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو کورٹ آف ہیرد پراسٹس کے ایک جلسہ میں جب رزولوشن ویل تجویز ہوا کہ یہ کورٹ نہایت سرگرمی سے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو ہدایت کرتی ہے کہ نوآئیں کارروائی ملک منظر کے ذرا سے ذکر کر کے یا اور طرہ پر عمل میں لائے کہ جملہ ممکنہ معارضات اس بے انصافی کا جو جو سندھ میں کی گئی ہے اور ایسی حکمت عملی سے دست برداری کراتے جو نیک نیتی کے مخالف اور ہندوستان میں انگریزی حکومت کے مفاد کے خلاف ہے تو مشرک وادار کوڑنے بیان کیا کہ یہ رزولوشن فضول ہے کیونکہ چھ مہینے پہلے سے یہ سوچ لیا گیا ہے۔ ۱۷

ضمیمہ نمبر (۱)

مقیاس حرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں (کھلا ہوا میدان) کوہ الہو پر ماہ اپریل ۱۸۸۷ء میں۔

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱۶	۶۲	۶۶	۶۹	۷۷	آسمان صاف۔ ہوا خفیف
۱۷	۶۰	۶۶	۶۹	۷۷	کسی قدر ہوا تیز۔
۱۸	۶۶	۷۰	۷۳	۸۱	”
۱۹	۶۸	۷۲	۷۵	۸۲	ہوا تیز
۲۰	۷۰	۷۵	۷۸	۸۶	سرد و ہلکی ہوا
۲۱	۷۲	۷۶	۸۰	۸۸	”
۲۲	۷۲	۷۸	۸۰	۸۷	”
۲۳	۷۲	۷۸	۸۰	۸۷	”
۲۴	۷۰	۷۶	۷۸	۸۶	”
۲۵	۷۱	۷۷	۸۱	۸۸	معتدل ہوا
۲۶	۷۰	۷۸	۸۱	۸۸	روکا ہوا
۲۷	۷۹	۸۷	۸۹	۸۳ $\frac{1}{2}$	ہوا شپ کو باد تیز
۲۸	۷۸	۸۳	۸۶	۸۲	تیز ہوا
۲۹	۷۳	۸۲	۸۳	۷۹	ہوا سرد و ٹھہری ہوئی
۳۰	۷۳	۸۱	۸۲	۸۱	ہلکی ہوا۔

(نوٹ) ان نقشوں اور آلو کے نقشہ کے لئے میرستم سابق اسٹنٹ اجنٹ گورنر جنرل متعینہ راجپوتانہ کا مشکور ہوں۔

مقیاس حرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں رکھا ہوا میدان (کوہ ابو ہریرہ) مئی سترہویں۔

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱	۷۶	۸۳	$۸۳ \frac{1}{2}$	۸۵	مخت ہوا آسمان صاف
۲	۸۳	$۹۰ \frac{1}{2}$	۹۱	۸۷	تیز و گرم ہوا۔
۳	۷۹	۷۹	$۹۲ \frac{1}{2}$	$۷۹ \frac{1}{2}$	بغیر قمر گرم ہوا۔
۴	۷۹	۸۶	۷۹	۸۶	ہوائے سرد و مفرح مشرق سے
۵	۷۶	۸۳	$۸۳ \frac{1}{2}$	۸۲	ہوا نم ہوئی۔
۶	۷۲	۸۳	۸۶	۸۳	سرد و تیز ہوا مشرق و جنوب سے۔
۷	۷۵	۸۲	۸۶	۸۳	سرد ہوا۔
۸	۷۳	۸۰	۸۲	۸۰	سرد ہوا مشرق و جنوب سے کسی قدر بارش کے
۹	۷۲	۸۱	۸۲	۸۳	تیز ہوا شب کو بجلی کی کردک۔
۱۰	۷۵	۸۵	۸۶	۸۲	تیز بارش پانچ بجے۔
۱۱	۷۳	۸۷	۷۹	۷۶	صبح کو سنہاٹا بجے ہلکی ہوا۔
۱۲	۷۷	۸۹	۸۹	۸۷	صبح کو صبح سے پہر کو ہلکی ہوا
۱۳	۸۰	۹۰	۹۱	۸۸	مغربی ہوا کی ہوئی۔
۱۴	۸۱	۸۹	$۹۰ \frac{1}{2}$	۸۷	" "
۱۵	۸۹	۸۶	۷۰	۷۸	ہوا سرد
۱۶	۷۵	۸۳	۸۵	۸۲	
۱۷	۷۳	۸۳	۸۶	۸۲	ہوا خوش آمد ہوا۔
۱۸	۷۳	۸۲	۸۵	۸۲	خفک و خوش آئند ہوا۔
۱۹	۷۱	۸۱	۸۳	۸۱	سرد و تیز جنوب و مغرب کی ہوا۔

مقیاس حرارت کی بلندی میجر ڈوننگ کے مکان میں (کھلا ہوا میدان) کو دہرے ۱۰ بجے کی شدت میں

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۲۰	۷۱	۸۰	۸۴	۸۱	" " " "
۲۱	۷۵	۸۰	۸۳	۸۱	افتق بادل سے گھرا ہوا جانب جنوب و مغرب
۲۲	۷۸	۸۱ $\frac{1}{2}$	۸۴ $\frac{1}{2}$	۸۵	تیز مغرب و جنوب و مغرب کی ہوا۔
۲۳	۷۹	۸۰	۸۴	۸۱	مغرب و جنوب مغرب کی ہوا رو کی ہوئی مگر تیز
۲۴	۷۹	۸۰	۸۵	۸۱	مگر کسی قدر کم۔
۲۵	۷۳	۸۲	۸۵ $\frac{1}{2}$	۸۲	صبح کو ساٹھ بجے پہلے مغرب جنوب مغرب کی ہوا۔
۲۶	۷۴	۸۴	۸۶	۸۲	خفیف زلزلہ وقت شب۔
۲۷	۷۳	۸۲	۸۶	۸۲	زیادہ ہوا نہیں۔
۲۸	۷۴	۸۵	۸۶	۸۳	خوش آئند جنوب و مغرب کی ہوا۔
۲۹	۷۸	۸۲ $\frac{1}{2}$	۸۳ $\frac{1}{2}$	۸۲	" " " "
۳۰	۷۵	۷۸	۸۲ $\frac{1}{2}$	۸۰	سرد جنوبی ہوا۔
۳۱	۷۶	۷۹	۸۵ $\frac{1}{2}$	۸۰ $\frac{1}{2}$	" " " "

بلندی مقیاس لحرارت مقام ابو واقع جون سنہ ۱۹۵۷ء

تاریخ	طلوع آفتاب	دوپہر	۳ بجے	غروب آفتاب	کیفیت
۱	۷۳	۷۹	۸۲ $\frac{1}{4}$	۰	سرد جنوبی ہوا ابر
۲	۷۱	۷۷	۸۳	۰	کم ہوا قریب شام
۳	۷۰	۸۳	۸۶ $\frac{1}{4}$	۰	کسی قدر جنوبی ہوا ساٹا اور مغربی ہوا
۴	۷۹	۸۶	۸۴	۰	جس وقت صبح کو کٹ وقت دوپہر شام زیادہ خشک
۵	۷۸	۸۵	۸۶	۰	دن بھر جس گرت وقت دوپہر
۶	۷۷	۸۶ $\frac{1}{4}$	۹۰	۰	ت
۷	۸۰	۸۹	۹۳	۰	خف مغربی ہوا چند گھنٹہ تک ابر
۸	۸۳	۹۹	۹۲ $\frac{1}{4}$	۰
۹	۸۱	۷۷	۹۰	۰	مغرب جنوب مغرب سے تیز و تازہ ہوا
۱۰	۸۰	۸۶	۸۸	۰	جھونکا و تیز بارش جس کے بعد
۱۱	۷۵	۸۶	۸۳ $\frac{1}{4}$	۰	دن بھر ساٹا گرم خشکی ۹ بجے شب کو ہوا کا جھونکا اور
۱۲	۷۳	۷۷	۷۷	۰	ابر صبح کو خشکی دن بھر
۱۳	۷۲	۷۷	۷۹	۰	پانچ سے
۱۴	۷۰	۸۳	۸۶	۰

یادداشت۔ بالعموم ۶ درجہ فرق ہینٹ کے تھرمائیٹر کا دوپہر کو قیمہ میں اور کھلے ہوئے میدان میں نظر آتا ہے۔ ۵ دن تک ابو پر سنہ ۱۹۵۷ء میں جیسا کہ اس نقشہ سے ظاہر ہے کم سے کم درجہ تھرمائیٹر ۷۹ تھا اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ یعنی کی جیسی ۷۹ تھی۔ یہ موسم معمول سے زیادہ گرم تھا اس نے عمدہ پیمانہ آب و ہوا کا نہیں تصور ہو سکتا مگر بہر حال وہاں نشیبی ملک کی آب و ہوا کے ۱۵ درجہ زیادہ خشکی ہے۔

نقشہ ہذا میٹر دفا رنگ ہائیت ۱ جو کمی مالا بمقام آلودگی ۱۱ ۱۵ ۱۸ میٹر میں تھا

یا دراشت ضروری۔ سم پھر کو آلودہ یا ہم بچے دیکھا جاتا تھا اور بالعموم دق کے زیادہ سے زیادہ حرارت ظاہر کرتا ہے اور شب کو ۹ بجے دیکھا جاتا تھا۔

ابھیل ۱۸ ۱۵ ۱۱

کیفیت				کیفیت			
رات	سپر	صبح	تاریخ	رات	سپر	صبح	تاریخ
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹	۲۲				۱۴
۹	۹	۹	۲۳				۱۵
۹	۹	۹	۲۴				۱۶
۹	۹	۹	۲۵				۱۷
۹	۹	۹	۲۶				۱۸
۹	۹	۹	۲۷				۱۹
۹	۹	۹	۲۸				۲۰
۹	۹	۹	۲۹				۲۱
۹	۹	۹	۳۰				۲۲
۹	۹	۹	۳۱				۲۳
۹	۹	۹	۱				۲۴
۹	۹	۹	۲				۲۵
۹	۹	۹	۳				۲۶
۹	۹	۹	۴				۲۷
۹	۹	۹	۵				۲۸
۹	۹	۹	۶				۲۹
۹	۹	۹	۷				۳۰
۹	۹	۹	۸				۳۱
۹	۹	۹	۹				۱
۹	۹	۹	۱۰				۲
۹	۹	۹	۱۱				۳
۹	۹	۹	۱۲				۴
۹	۹	۹	۱۳				۵
۹	۹	۹	۱۴				۶
۹	۹	۹	۱۵				۷
۹	۹	۹	۱۶				۸
۹	۹	۹	۱۷				۹
۹	۹	۹	۱۸				۱۰
۹	۹	۹	۱۹				۱۱
۹	۹	۹	۲۰				۱۲
۹	۹	۹	۲۱				۱۳
۹	۹	۹					

اپریل ۱۹۵۸ء

کیفیت	رات	صبح	دفعہ	تاریخ	کیفیت	رات	صبح	تاریخ
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۴	مفسرانی ہوا۔	۵۱۰۵	۰	۱۵
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۵	مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۸
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۶	بہت کم ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۹
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۷	ت	۵۱۰۵	۰	۲۰
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۸	ابریں گرج و کسی قدر بارش	۵۱۰۵	۰	۲۱
مفسرانی ہوا	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۲۹	مشرق سے جھونکا	۵۱۰۵	۰	۲۲
مفسرانی ہوا۔	۵۱۰۵	۰	۱۶/۵	۳۰	نوبھال و گرج	۵۱۰۵	۰	۲۳

رسالہ منی

کیفیت	شب	سہرہ	صبح	تاریخ	کیفیت	شب	سہرہ	صبح	تاریخ
نہایت غم مشرق و جنوب کی ہوا۔	۰	۰	۰	۲۵	مغربی ہوا کمر درجہ بارش	۰	۰	۰	۱۴
۰	۰	۰	۰	۲۶	ہوا آندہ دارو۔	۰	۰	۰	۱۵
۰	۰	۰	۰	۲۸	مغربی ہوا۔	۰	۰	۰	۱۶
۰	۰	۰	۰	۲۹	۰	۰	۰	۰	۱۷
۰	۰	۰	۰	۳۰	مشرقی ہوا۔	۰	۰	۰	۱۸
۰	۰	۰	۰	۳۱	جنوب و مشرق کی غم ہوا۔	۰	۰	۰	۱۹

ماه و روز

کفایت				کفایت			
رات	سپهر	صبح	تاریخ	رات	سپهر	صبح	تاریخ
۰	۰	۰	۹	۰	۰	۰	۱
۰	۰	۰	۱۰	۰	۰	۰	۲
۰	۰	۰	۱۱	۰	۰	۰	۳
۰	۰	۰	۱۲	۰	۰	۰	۴
۰	۰	۰	۱۳	۰	۰	۰	۵
۰	۰	۰	۱۴	۰	۰	۰	۶
۰	۰	۰	۱۵	۰	۰	۰	۷
۰	۰	۰	۱۶	۰	۰	۰	۸
۰	۰	۰	۱۷	۰	۰	۰	۹
۰	۰	۰	۱۸	۰	۰	۰	۱۰
۰	۰	۰	۱۹	۰	۰	۰	۱۱
۰	۰	۰	۲۰	۰	۰	۰	۱۲
۰	۰	۰	۲۱	۰	۰	۰	۱۳
۰	۰	۰	۲۲	۰	۰	۰	۱۴
۰	۰	۰	۲۳	۰	۰	۰	۱۵
۰	۰	۰	۲۴	۰	۰	۰	۱۶
۰	۰	۰	۲۵	۰	۰	۰	۱۷
۰	۰	۰	۲۶	۰	۰	۰	۱۸
۰	۰	۰	۲۷	۰	۰	۰	۱۹
۰	۰	۰	۲۸	۰	۰	۰	۲۰
۰	۰	۰	۲۹	۰	۰	۰	۲۱
۰	۰	۰	۳۰	۰	۰	۰	۲۲
۰	۰	۰	۳۱	۰	۰	۰	۲۳

ماده جون

کيفيت				کيفيت			
تاريخ	صبح	ظهر	رات	تاريخ	صبح	ظهر	رات
۲۲	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۲۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۲۶	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۲۷	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۲۸	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۲۹	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۳۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۳۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۳۲	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۳۳	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰

نگار بار بارش اور تيز هوا

هوا و پانی

تا

تيز هوا

ايز

تا

حوالی سندھ

کنہیت	رات	صبح	صبح	تاریخ	کنہیت	رات	صبح	صبح	تاریخ
.	.	۰۵	۰۶	۴	ابر	.	۰۵	۰۶	۱
.	.	۰۶	۰۷	۵	مغول ہوا آمان صاف	.	۰۵	۰۶	۲
.	.	۰۷	۰۸	۶	م	.	۰۶	۰۷	۳
.	.	.	.	۷	مقام گرمی سکریچورٹ اونچی ہوئی ہوئی	.	۰۷	۰۸	۴
آج صبح میں ہوا بقی ملک میں ہوا میں مکان میں	.	.	.	۱۰	.	.	۰۸	۰۹	۵
مجموعہ کریمپور اور ہوا اور ہوا کا فرق رکھتا ہے۔	۰۹	۱۰	.

نوٹ:- تقریباً میر وقت طلوع آفتاب بالعموم کھلے میدان میں مکان سے ۷ درجہ نیچے رہتا تھا۔ تقریباً میر بالعموم شام سے مکان کے شروع تک ۱۰ درجہ نیچا رہا۔ پھر اس وقت سے مروجائی تک مشکل سے اس کا نصف فرق نظر آتا تھا۔

بیرہ میٹر نیچے اور ابو کے اوپر حسب ذیل تھا:-

بیرہ میٹر | تھرامیٹر فارن ہائیٹ کے پیمانے | تھرامیٹر نیچر فارن ہائیٹ کے پیمانے

۸ اپریل موضع انا دورہ زیریں پہاڑ } چار بار کا اوسط۔
۳۸۰۹۶۰

۹۰۷۹ ۹۰۷۱

۹ اپریل نکی نالادہ۔ ۳۸۰۹۶۰

۷۸ ۷۸

۵ جولائی۔ گوری سکر سب سے بلند چوٹی۔ ۳۸۰۹۶۰

۷۵۱۵ ۷۵۱۵

۳ جولائی۔ مقام نکی نالادہ تین بار کا اوسط۔ ۳۸۰۹۶۰

۷۵۱۵ ۷۵۱۵

بیرہ میٹر کی اونچائی سمندر کی سطح سے حسب ذیل فرض کی گئی ہے:-

بیرہ میٹر۔ ۳۸۰۹۶۰ تھرامیٹر مع پیمانہ فارن ہائیٹ ۸۴ درجہ، تھرامیٹر بلا پیمانہ فارن ہائیٹ ۸۴ درجہ۔

مختلف مقامات کی بلندی سطح سمندر سے اس قدر ہوگی۔ انا دورہ ۳۸۰۹۶۰ فٹ۔ نکی نالادہ

۳۸۳۶ فٹ یعنی ۳۸۶۸ فٹ انا دورہ سے اوپر۔ وگوری سکر ۵۶۴۲ فٹ یعنی نکی

نالادہ سے ۱۷۸۵ فٹ نکی نالادہ سے اوپر۔

نکی نالادہ انا دورہ سے ۱۵ درجہ زیادہ ٹنک پائیگی جس سے حرارت کی کمی فی ۱۹۱

فٹ چڑھائی کے لئے ایک درجہ کی نظر آتی ہے۔ گوری سکر نکی نالادہ سے ۷۵ درجہ زیادہ

سرد ہے۔ جس سے ہر ۱۰۰ فٹ چڑھائی کے لئے ایک درجہ کی کمی ہے۔ اور یا اور اچل گدھ

بلندی اور حرارت میں نکی نالادہ اور گوری سکر کے نیچے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں جگہ کے

درمیان سات میل کا فاصلہ ہے۔

باب ۱۶

امراتے سندھ کا خیر مقدم

ضمیمہ نمبر ۲

امراتے سندھ کے دکھار کی خط و کتابت کوئی شخص جو ذیل کی خط و کتابت پڑھنے کی تکلیف گوارا کرے ہم کو مطلع کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے رؤسا جن کو کوئی شکایت ہو یا وہ ایسے سمجھتے ہوں تو وہ کیا کارروائی کر سکتے ہیں ہم فرض کر لیتے ہیں اور اس قدر تو واقعی لوگ تسلیم کریں گے کہ یہ ممکن ہے کہ یہ جھوٹی مشہادت یا تعصب یا ان بے شمار باتوں میں سے جو انسان کی رائے کو خراب کر دیتی ہیں کسی کی وجہ سے ہندوستان کا اعلیٰ ترین حاکم کسی ہندوستانی رئیس کی نسبت کوئی سخت فیصلہ کر سکتا ہے یہ بھی فرض کر لو کہ جو لوگ کہ ہندوستانی معاملات کے عمدہ سمجھنے والے مسلمہ طور پر ہیں۔ یعنی کورٹ آف ڈائریکٹرز اس ہندوستانی رئیس کی نسبت نہایت افسوس سے ظاہر کریں کہ وہ اپنے فرض کے لحاظ سے کارروائیوں کے عام طریقے کو نہیں پسند کرتے اور فرض کر دو کہ جو افسر پہلے اس رئیس کے دربار میں تعینات کئے گئے ہوں اور عرصے تک وہاں رہے

ہوں وہ بالاتفاق اُس کے موافق ہوں۔ تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی عدالت اپیل نہ ہوتی چاہتے جس میں ایسے معاملے پر اس پر غور کیا جائے یا وہ معاملہ پارلیمنٹ کی کمیٹیوں کے سر ہکا جائے۔ جن کا کام پہلے ہی سے بڑھ رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کورٹ آف ڈائریکٹرز خود ہی عدالت اپیل ہیں اور جس قدر کم اُن پر نگرانی کی جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

خط بنام ایڈیٹر نامز

بنام ایڈیٹر صاحب اخبار نامز

جناب من۔ ہم آپ کی اور پبلک کی اطلاع کے لئے اس ذریعہ سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ یہاں معزول امیران سندھ کی جانب سے ہم لوگ اُن بد نصیب رئیسوں کی تکالیف کا دفعہ کرانے کو موجود تھے جنہوں نے ہندوستان میں کئی بار ناحق اپنے مقدمہ کو پیش کرنے اور انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور آخر کار انہیں مجبور ہو کر ہم لوگوں کو یہاں بھیجنا پڑا۔ ہم لوگوں نے یہاں کر اس رابرٹ ہیل اور معاملات ہند کے بورڈ آف کنٹرول اور کورٹ آف ڈائریکٹرز سے خط و کتابت کی اور سب نے محاف جواب ہمارے مقدمے کی تحقیقات کے بغیر دیا۔ پس ہم لوگوں کو مجبوراً اس قدر نہ پایہ نہ ہونے سے کہ یہاں رہ سکیں نہ یہاں واپس جانا پڑا مگر ہماری خواہش ہے کہ قبل روانگی تمہارے پرچہ کے ذریعہ سے بالعموم پبلک پر وہ خط و کتابت ظاہر کریں جو ہم میں اور حکام میں ہوئی ہے بلکہ ہندوستان میں ہوئی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم ہمارے مقدمے کے من و قبح کا بھاق داری اور خوب جاننا ہی سے انصاف کر دو گے۔

درخواست بنام گورنر جنرل ہند

نقل خط من جانب امیران سندھ بنام گورنر جنرل ہند

(ترجمہ فارسی)

گلستان شوکت و نامتناہی عالی مرتبت، من حشمت و اجلال ہمارے دوران
لذات معلی القاب سرہنری بارگزنک، ہادی گورنر جنرل صوبہ ہات ہند سلمہ اللہ تعالیٰ
از باران رحمت الہی تروتازہ باد۔

بعد سلام و نیاز مانوق کے حضور کے ہمیر پر توجہ پر آئینہ ہو کہ بوجہ حضور کی آمد
مبارک کے ہم لوگوں کو امید تھی کہ حضور کی زیارت نصیب ہوگی۔ لیکن چونکہ کچھ زمانہ
گذر چکا اور ہم لوگوں کو وہ نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ لہذا ہم لوگ اس عنایت کے
امید دار ہیں جس سے ہم لوگوں کو کامل مسرت ہوگی۔ جو کچھ ظلم ہم لوگوں پر ہو سکا۔
انگریزی کے دوست تھے۔ ایذا اور سہ چارس نیمپڑے کیا ہے۔ ہم امید کرنے
ہیں کہ حضور کو خوب معلوم ہے۔ جس عرصہ دراز سے ہم لوگ مقید ہیں اس سے
ہماری طبیعتیں بہت پست ہو گئی ہیں مگر ہم کو حجت کچھ امید انگریز گورنمنٹ کی عنایت
سے ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

معروفہ ۵ ہر ماہ شعبان سنہ ۱۲۸۹ مطابق ۹ ستمبر ۱۸۷۲ء

میر محمد نصیر خان

میر میر محمد خاں

میر میر محمد دارخان

مقدمہ گورنر جنرل کا خط بنام کمیشن گارڈن

ترجمہ مکرر ترجمہ فارسی خط مرشد آف کری صاحب سکرٹری گورنر جنرل ہند بنام کمیشن ایم۔ ایف گارڈن سپرنٹنڈنٹ ایمپارچ امیران سندھ۔

بجواب آپ کے خط کے ہم کو یہ تحریر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ گورنر جنرل کوئی ضرورت امیروں سے بارکوں میں ملاقات کرنے کی نہیں دیکھتے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ آپ صاف صاف امیروں کو نہائش کر دیں کہ گورنر جنرل کوئی لفظ اُن امیروں سے کہنا نہیں چاہتے جس کے ذریعہ سے اُن کی رہائی ہو یا اُن کی حالت میں تبدیلی آئے۔ لیکن اگر امیر اس نہائش کے بعد بھی ملاقات کے طالب ہوں تو گورنر جنرل ایک دن اُس کے لئے مہینہ کریں گے۔

امراء سندھ کی درخواست بنام گورنر جنرل ہند

خط من جانب امیران بنام گورنر جنرل

محکمات شریعت و نامتناہی عالی مرتبت، امن و حشمت و اجلال ہمارے دوراں نواب معلی القاب سرہنری رحمت الہی تروتازہ باد۔ پس از تسلیم و نیاز حضور کے منیر محبت آمیز پر منقش ہو کر نسبت اُس عریضہ کے جو ہم لوگوں نے حضور کی خدمت میں معرفت کمیشن گارڈن کے رواد کیا ہے اور جس کا جواب مسٹر کری نے بھی اور ہم کو کمیشن گارڈن کے منشی نے ترجمہ کر کے سنایا۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ حضور کوئی لفظ ایسا نہیں ارشاد فرما سکتے ہیں کہ ہم کو فائدہ پہنچے۔ یا ہمارا حالت بدلے۔ ہر چند کہ ہم لوگ واقف ہیں کہ حضور اس ظلم و ستم کے حالات سے بخوبی

آگاہ ہیں جو ہم میں سے ہر ایک پر گویا بطور معاوضہ اس اتحاد کے کیا گیا ہے جو ہم کو سرکار انگریزی کے ساتھ تھا مگر چونکہ حضور کو کوئی اختیار ہمارے معاملہ میں دست اندازی کا نہیں ہے پس ہم لوگ کیوں حضور کو اپنے مصائب کے حالات سنا کر تکلیف دیں جن سے اس قدر خلاف معمول ظلم کے افعال پائے جاتے ہیں۔

اب ہماری تکلیف کے دفعیہ کا ایک ہی علاج ہے۔ یعنی ہم میں سے دو یا تین شخص لندن جا کر اپنے کل حالات حضور ملک معظمہ و وزیر اعلیٰ کے روبرو پیش کریں۔ ہم کو امید ہے کہ حضور اس درخواست سے واقف ہو کر اُسے منظور فرمائیں گے۔ اگر حضور کو ہمارے معاملے میں دست اندازی کا اختیار ہوتا تو حضور نے ہمارے دلوں کو ہمارے حقوق عطا فرما کر خوش کیا ہوتا جس سے انگلستان جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ چونکہ حضور ہمارے مقدمے سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں ہم کو یقین ہے کہ حضور نے حتی الوسع ہمارا ہر طرح انصاف کیا ہوتا۔ اب چونکہ ہماری جان و مال و آبرو سب کچھ انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم کو دلی امید ہے کہ حضور ہمارے انگلستان جانے کی ممانعت نہ کریں گے۔

ہم اُن لوگوں سے جو ہمارے پیارے تھے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ جو حالت ہماری ہو گئی ہے وہ معاوضہ اُن خدمات کا ہے جو ہم نے انگریز گورنمنٹ کی کی ہیں اور جس کے ہم مستحق نہ تھے۔ ہم یہاں اس امر کو درج کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزی قانون کے مطابق چاہے کوئی بے قصور ہو یا سنیین جرم کا مجرم ہو۔ بغیر سماعت عذر کے سزا یا ب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُسے ہمیشہ اپنے مقدمے کی کیفیت علانیہ عدالت میں بیان کرنے کا حق حاصل رہتا ہے اور جب اہل عدالت یعنی جوری بخوبی مقدمے پر غور کر لیتے ہیں اُس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بے قصور یا تقصیر وار ہے۔

جب تک ہم لوگوں کے مقدمے کا فیصلہ لندن میں سننے میں نہ آئے ہم لوگ

تصور کریں گے۔ کہ ہم ہر مرقع ہیں۔ لہذا ہم لوگ مستعدی ہیں کہ حضور ہماری درخواست منظور فرمائیں اور جب اجازت ہو جائے گی تو ہم لوگ ایک فرد حضور کی خدمت میں پیش کریں گے جس میں ہم میں سے دو یا تین شخصوں کے نام درج ہوں گے۔ جو لندن جائیں گے۔ خدا حضور کو شاداں و فرحان رکھے۔

معروفہ ۲۶ رمضان ۱۲۷۵ مطابق ۱۰ اراکٹوبر ۱۸۵۴ء

مہر میر محمد نصیر خاں

مہر میر محمد خاں

مہر میر صوبہ دار خاں

محمّد گورنر جنرل کا خط بنام گارڈن محافظ امیران سندھ

ترجمہ مکمل ترجمہ فارسی خط من جانب آف کری صاحب سکریٹری گورنر جنرل ہند بنام کیپٹن ایم۔ ایف گارڈن محافظ امیران سندھ۔

آپ کا خط مؤرخہ ۵ مارچ ۱۸۵۴ء مع ملفوفات و خطوط من جانب امیران بنام گورنر جنرل بہ استدعا اس امر کے کہ ان میں سے دو شخصوں کو انگلستان اس غرض سے جانے کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنی شکایات بحضور ملکہ معظمہ بہ اجلاس کاؤنسل پیش کریں موصول ہوا۔

مجھے اُس کے جواب میں اس امر کے کہنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ گورنر جنرل اس درخواست کو منظور نہیں کر سکتے۔

آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ اس معاملے سے جو حال میں ظہور پذیر ہوا ہے امیران سندھ کو مطلع کر دیں۔ شہنشاہِ دہلی نے ایک شخص کو روانہ کیا تھا کہ وہ ان کے چند معاملات سے انگریز گورنمنٹ کو مطلع کرے مگر چونکہ شخص مذکور

باجازت یارتت معین حکام کے نہیں بھیجا گیا تھا کورٹ آف ڈائریکٹرز نے نہ تو اس سے ملاقات کی اور نہ اس کی سماعت ہوئی ۔

سربراہ برٹش ہیل کا اطلاعی خط بنام وکلاء امیران سندھ

نقل خط من جانب سربراہ برٹش ہیل بجواب ایک خط مرسلہ سفیران امیران سندھ
سربراہ برٹش ہیل اخوند حبیب اللہ و دیوان میٹرام و دیوان دیارام کو تسلیم کرتے
ہیں اور ان کے خط مورخہ ۲ ماہ رواں کی رسید دیتے ہیں ۔
مطابق قاعدہ سررشتہ کے سربراہ برٹش ہیل نے وہ مراسلہ وزیر اعلیٰ کے پاس
بجھج دیا ہے جو معاملات ہند کے محکمہ کے پرنسپل ڈپٹی ہیں ۔

اسناد وکلاء امیران سندھ کی واپسی

نقل خط من جانب پرنسپل ڈپٹی بورڈ آف کنٹرول متعلقہ معاملات ہند بجواب ایک
خط مرسلہ امیران سندھ و نیز ایک خط مرسلہ سفیران امیران سندھ ۔

انڈیا بورڈ اپریل ۱۸۷۵ء

صاحبان ۔ مجھے کشتران معاملات ہند نے ہدایت کی ہے کہ آپ کے خط
مورخہ ۲ ماہ رواں کی رسید دوں جو آپ لوگوں نے تمام اس بورڈ کے پرنسپل
کے روانہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ بحیثیت وکلاء میر نصیر خاں و میر محمد خاں دیر
صوبہ دار خاں امیران سندھ کے ہم لوگ اپنے اسناد بھیجتے ہیں اور اس بات
کی استدعا کی تھی کہ جلد موقع اس ملک میں آنے کی غرض پرنسپل ڈپٹی کے روبرو

پیش کرنے کا دیا جائے۔

مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ اُس پکیٹ کو جس میں تمہارے اسناد ہیں
جوں کاتوں واپس کر دوں اور آپ کو اطلاع دوں کہ کوئی عرضداشت گورنمنٹ
ہند کی نسبت جس کا حکام انگلستان کے روبرو پیش کرنا مناسب سمجھا جائے۔
سب قاعدہ معرفت کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی آئی جائیے۔

آپ کا تابعدار

جے ایم سن ٹینٹ

خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز

نقل خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز من جانب امیران سندھ
بخدمت آنرہبل چیرمین و ڈیٹ چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی۔
آنرہبل صاحبان۔ ہم لوگ اشخاص مندرجہ ذیل و کلاء میر میر محمد نعیر خاں و
میر میر محمد خان و میر صوبہ فار خاں امیران سندھ ہر توسط آپ صاحبان کے بحضور
آنرہبل کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی نقل خط موصول شب گذشتہ
مرسلہ مشربے ایمرسن ٹینٹ من جانب ارل اورین و کمشنران معاملات ہند
مع اسناد محولہ خط مذکور پیش کرتے اور عاجزانہ استدعا کرتے ہیں کہ آنرہبل کورٹ
انھیں روانہ کر دے اور امیران سندھ کے مقدمے کی کیفیت مکمل طور پر حضور
ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ سے ظاہر کرے۔

آپ کے تابعداران

اخوند صبیح اللہ دلیوان مٹارام و دلیوان دیانام

کورٹ آف ڈائریکٹرز کا جواب

نقل خط مرشد کورٹ آف ڈائریکٹرز بجواب مذکورہ بالا

ایسٹ انڈیا ہاؤس ۸ مارچ ۱۸۴۵ء

ساحبان! آپ کا خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی بہ غرض پیشی استاد وکالت من جانب معزول امیران سندھ و استدعائے حصول اجازت بغرض عرض حال مشارالیه موصول ہو کر کورٹ آف ڈائریکٹرز کے حضور میں پیش کیا گیا۔

بجواب اس کے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو مطلع کروں کہ کورٹ مذکورہ کوئی عرض حال من جانب معزول امیران سندھ تاوقتیکہ بہ توسط گورنمنٹ ہند نہ ہو۔ سننے سے معذور ہے لہذا میں آپ کو آپ کے اسناد واپس کرتا ہوں۔

آپ کا نائبدار

جیمس میلور

بخدمت

اخوند صیب اللہ

دیوان میٹارام

دیوان دیارام

خط بنام چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز

نقل خط مرشد سفیران بنام چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی
 اخوند حبیب اللہ دیوان میٹارام و دیوان دیارام آنریبل کورٹ آف ڈائریکٹرز
 ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیرمین صاحب کی خدمت میں تسلیم عرض کرتے ہیں اور اس
 امر کو ایک عنایت خاص تصور کریں گے اگر ان کو مطلع کیا جائے گا کہ کس وقت وہ
 مدد و البیہ کی ملازمت حاصل کر سکتے ہیں۔

چیرمین کورٹ آف ڈائریکٹرز کی معذوری

جواب مذکورہ بالا مع خط مرشد کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی۔
 صاحب چیرمین ایسٹ انڈیا کمپنی اخوند حبیب اللہ دیوان میٹارام و دیوان دیارام
 کو تسلیم عرض کرتے ہیں۔ انھیں اپنے بارے میں خط کے جواب سے جو بنام ڈائریکٹرز
 تمنا معلوم ہوا ہوگا کہ چیرمین ان سے ملاقات کرنے سے معذور ہے جیسا کہ انھوں
 نے اپنے خط میں درخواست کی ہے۔

ایسٹ انڈیا ہاؤس ۱۸ اپریل ۱۹۴۵ء

درخواست وکلاء بنام اہل اودین

نقل خط بنام اہل اودین مرسلہ سفیران امیران سندھ۔

انھوں نے حبیب اللہ دیوان یثا رام و دیوان دیارام وکلاء امیران سندھ اہل اودین کی حضور میں نقل خط جو انھوں نے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو حسب ہدایت اہل موصوف مطابق تحریر مسٹر ایمرسن ٹینٹ بھیجا تھا اور دوسرا جو انھوں نے بحضور چیرمین کورٹ مذکور بھیجا تھا مع اُس کے جواب دستخطی مسٹر مہلول صاحب روانہ کرتے ہیں۔

وکلاء اس امید کو بہ سرگرمی تمام ظاہر کرتے ہیں کہ حضور ان خلیفہ رسمی امور کو جن سے وہ لوگ بہ درجہ ایکشنٹ کے ناواقف ہیں ان کے مقدمے پر غور کامل کئے جائے میں ہارن دہونے میں گے جس کے معائب کے لحاظ سے وہ بخوبی مستحق اُس امر کے ہیں کہ غور کیا جائے۔

۱۹۔ ہارن اسٹریٹ ۲۲ اپریل ۱۸۴۵ء

انڈیا بورڈ کا جواب

نقل جواب مذکورہ بالا

انڈیا بورڈ ۲۲ اپریل ۱۸۴۵ء

صاحبان ! کمشنران معاملات ہند کی خواہش سے میں اُس خط کی رسید دیتا ہوں جو آپ لوگوں نے بنام پریزیڈنٹ بورڈ سنانہ کیا ہے اور ایک نقل اُس خط و کتابت کی جو آپ سے اور کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوئی، ملفوف

کیا ہے۔

بورڈ مجھ کو حکم دیتا ہے کہ آپ کو مطلع کروں کہ جو خط آپ کے پاس ۱۸ مارچ
رواں کو بحکم کورٹ آف ڈائریکٹرز روانہ کیا گیا تھا وہ اس بورڈ سے پہلے
سے منظور ہو چکا تھا۔

آپ کا تاجدار
(جے ایمرسن ٹینٹ)

وکلار کی دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) سے پہلے

نقل عرضی من جانب میران امیران سندھ تمام ہاؤس آف کامنز
بخدمت آنریبل کامنز برطانیہ کلاں وائرلینڈ بہ اجلاس پارلیمنٹ
فدویان اخوند حبیب اللہ ودیوان میا رام ودیوان دیارام من جانب امیران
سندھ حسب ذیل عرض رساں ہیں۔

فدویان ایک ملک دور و دراز سے جسے قادر مطلق نے زیر حکومت سرکار
انگریزی کیا ہے آئے ہیں اور امیران سندھ کی شکایات کے پیش کرنے کے لئے
بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کو امید کامل ہے کہ آپ کا آنریبل ہاؤس حضور ملکہ
معظمہ سے سفارش کرے گا کہ وہ امیران سندھ کا انصاف کریں اور کچھ خیال
ایک قدیم قوم کے سرداروں کا فرمائیں جو آسودگی اور سرسبزی کی چوٹی سے مصیبت
اور تکلیف کے قعر عمیق میں گر گئے ہیں۔ خالق نے بعض قوموں کو قوت عطا کی
ہے کہ وہ اپنے ابنائے خبیث کے فائدے کے کام کریں۔ اگر یہ طاقت بے جا طور پر
کام میں لائی جاتی ہے اور غربا اور مصیبت زدہ لوگوں کی فساد میں لاہروائی سے

سنی جاتی ہیں۔ تو خدا اپنے مصیبت زدہ بندوں کی امداد کرتا ہے اور اُن کو مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

فدویان بادب عرض کرتے ہیں کہ بنگال کی آب و ہوا امیروں کی تندرستی کے موافق نہیں ہے جنھوں نے پونا اور بمبئی سے لائے جانے کے وقت سخت اعتراض کیا تھا مگر پھر بھی وہ جبراً کلکتہ بھیج دیئے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ امیر نصیر خاں نے بوجہ قید و رنج کے جاں بحق تسلیم کی اور بقیہ امیر ہمیشہ بیمار رہتے ہیں اور اگر مجبوراً وہاں رکھے جائیں گے تو مر جائیں گے اس لئے وہ آپ سے ملتی ہیں کہ انھیں کلکتہ سے پھر بمبئی یا پونا بھیج دیا جائے جہاں اُن لوگوں نے آب و ہوا کا تجربہ کیا ہے اور اُسے اپنی تندرستی کے موافق پایا ہے۔ اس کے سوا اُن کی بیویاں و بال بچے اُن کے شریک حال ہونے کی اجازت پاتیں اور اُن کے اطمینان کے لئے میر عباس میر محمد علی یا نوجوان امیروں میں کوئی اُن کی محافظت کرنے کے لئے بھیجا جائے اور چونکہ انھوں نے کبھی سمندر کے مصائب نہیں جھے ہیں۔ ایک جہاز اُن کے اختیار میں کیا جائے اور اگر اُن کو خشکی کی راہ پسند ہو تو اُن کی پردہ داری اور حفاظت کا سامان رہے جو اُن کے رتبہ عالی اور حالت بے کسی کے شایاں ہے اُن منہوم بیویوں کی مصیبت ذیل کے عرض سے ظاہر ہے جو انھوں نے ہم کو دی ہے اور جسے ہم کو امید ہے کوئی رفیق اُن بد نصیبوں کا ملکہ و کنواریہ تک پہنچائے گا۔

ہیگمات امیران سندھ کا خط بنام ملکہ وکٹوریہ

الہی ملکہ وکٹوریہ کا سایہ دولت جو مثل بلقیس کے پاک دامن اور باحشمت
میں بروئے ترقی ہو۔

دو برس کا زمانہ گزرا کہ سرچارلس نیپیر حیدرآباد سندھ میں فوج و قوت
خانہ لے کر آئے اور ہمارے مکانات سے تمام زر نقد و جوہرات و زیورات اور
جملہ اشیائے قیمتی لوٹ کر لے گئے اور اُس کے ساتھ وہ ہمارے شوہروں
یعنی امیروں اور بچوں کو ہندوستان بطور قیدی لے گئے۔ اب نسبت ہم
عورتوں کے جس کو کوئی اختیارات نہیں ہیں اور جس وقت سرچارلس نیپیر
آئے اپنے مکانات میں بیٹھے ہوئے تھے یہ کیا رسم ہے کہ وہ ہمارے مکانات
میں داخل ہوں اور ہمارے زیورات لوٹ لیں اور ہماری پرورش کے لئے
کچھ نہ چھوڑیں۔

دو برس ہوئے جب سے اُنھوں نے ہم کو اپنے مکانات اور وطن سے
جدا کیا اور ہم کو مجھو پیڑوں میں مثل فقروں کے رہنے پر مجبور کیا اور ہماری
پرورش کے لئے کافی سامان نہیں دیا چنانچہ جو کچھ وہ دیتے ہیں اسے ہم ایک
ہفتہ میں کھا ڈالتے ہیں۔ خدای اُس مصیبت کو جانتا ہے جو ہم کو کھانے
اور کپڑے کی جانب سے ہے اور امیروں کی جدائی سے ہم کو وہ تکلیف اور مایوسی
ہے کہ زندگی و بال ہو رہی ہے۔ اگر کوئی خدا کی مرضی سے قضا کر جائے تو کوئی
پڑساں نہیں ہے۔

ہم کو ہر روز ایک نئی موت کی تکلیفیں پہنی پڑتی ہیں اس لئے ہم امید
کرتے ہیں کہ بوجہ اس کے کہ آپ خود بھی ملکہ میں جس طرح کسی زمانے میں ہم لوگ

تھے آپ ہم سے ہمدردی کرنے کے قابل ہیں اور اس لئے ہم پر رحم کریں گی اور
 اُن چیزوں کو واپس کرا دیں گی جو ہم سے سرچارلس نیپئر لے گئے ہیں اور چونکہ
 ہمارے دل امیروں اور اپنے فرزندوں کی عداوت کے رنج سے مجروح ہو رہے ہیں
 اور جس سے ہم لوگ مایوسی کے درجے کو پہنچ گئے ہیں آپ ہماری اس تکلیف کو
 رفع فرمادیں ورنہ ہم اپنا ہلاک ہونا بہت بڑی نعمت تصور کریں گے۔ خدا آپ کی
 عمر دراز کرے۔

معروضہ، ۲۷ مارچ ۱۸۵۷ء، شوال ستلہ، مقام حیدرآباد سندھ

دستخط امیر کرم علی خاں

• • • میر محمد نصیر خاں

• • • میر نور محمد خاں

• • • میر میر محمد خاں

• • • میر صوبدار خاں

ہم لوگ یہ بھی دستخط کرتے ہیں کہ۔

چونکہ امیروں کی تنخواہ اُن کی پرورش اور نیز اُن کے رفیق ملازمین
 کی پرورش کے لئے جو اُن کے ہمراہ جلا وطن ہوئے ہیں ناکافی ہے وہ اُن کے
 رتبہ اور عہدے کے مطابق بڑھادی جائے اور مناسب مکانات امیروں اور
 اُن کے عیال و اطفال کے لئے حسب رواج اُن کے ملک کے دیئے جائیں۔ جواہر
 خج کا اسباب جو امیروں اور اُن کی بیویوں سے چھین لیا گیا ہے۔ اُن کو واپس
 ملے اور سرچارلس نیپئر کو حکم دیا جائے کہ وہ خج کے کاغذات و فہرست اشیاء
 واپس کر دیں۔ تاکہ امیر اپنے اسباب اُن کاغذات کے مطابق واپس لیں۔ جملہ
 امیر جو پوتا سورت ہزاری باغ اور کلکتہ میں ہیں۔ ایک ساتھ رہنے چاہئیں اور

اس قدر سخت حراست میں نہ رکھے جائیں۔

میر کرم علی خاں کی بیگمات کے پاس کچھ جاگیر تھی جسے سر چارلس نیپیر نے لے لیا ہے اور چونکہ بہت سے بلوچی سرداروں کو اُن کی جاگیریں واپس ملی ہیں ان معزز بیگمات کو بھی جوتا پور خاندان کی سرتاج ہیں۔ اُن کے پرانے مقبوضات مع اُن کے زہد رات اور بچ کی جائداد کے واپس دیئے جائیں۔ اور معقول مکانات ان بد نصیب بیوہ گان کے لئے مہیا کئے جائیں۔ دیکھو کہ اُن کے قدیم مکانات سر چارلس نیپیر کے ہاتھوں میں ہیں اور اُن کو سندھ میں ٹھہرنے کی اجازت دی بات۔ نہ یہ کہ اُن کو ایک اجنبی ملک میں اپنے وطن مالوف سے دور بقیہ عمر بسر کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور ہم لوگ ہمیشہ آپ کے دعا گو رہیں گے۔

دکلا، امیران سندھ کا خط بنام ملکہ وکٹوریہ

نقل عرضی

محضور بندگان علیا حضرت جناب وکٹوریہ ملکہ معظمہ برطانیہ اعظم وائرلینڈ علیا حضرت۔ فدویان اخوند حبیب اللہ دیوان بیہارام دیوان دیارام مقربہ سفیران معزول امیران سندھ بندگان علیا حضرت کی خدمت میں عرض پرواز ہیں کہ قدر مطلق نے بادشاہوں کو اپنی مخلوقات میں برتر بنایا ہے۔ اور اُن کو دنیا کی بادشاہت عطا فرما کر اُن کے ہاتھوں میں زمام حکومت دی ہے اور انہیں انسانوں کے کاروبار کا ہادی اس غرض سے بنایا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق کی حفاظت کریں اور ایک شخص کو دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں۔

چونکہ ہم پر ایسا ظلم و بیداد انگریز گورنمنٹ کے ملازمان کی جانب سے ہوا ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ ہم لوگ ایک دور دراز ملک سے اس شہر میں اُن ایذاؤں کی داد پانے کے لئے آئے ہیں جو ہم پر ہوئی ہیں۔

ہم بغرض اطلاع وہی روشن دل بادشاہ کے عرض کرتے ہیں کہ سندھ سے لے کر ^{۱۸۳۹} سندھ تک جس قدر صلح نامے ایٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین نے دربار سندھ سے کئے سب کی خلاف ورزی کی گئی اور برابر سخت ترین شرائط امیران سندھ سے کئے گئے۔ جن کو اُن لوگوں نے بوجہ ضرورت کے جبراً و تہراً منظور کیا اور کسی حالت میں یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ہمارے آقا امیروں نے اپنے معاہدوں کی سخت پابندی سے انحراف کیا۔

سرچارلس نیپئر نے سندھ میں پہنچ کر ایک نیا صلح نامہ ہمارے امیروں کے پاس بھیجا جو ہمارے قبضہ میں ہے۔ ہم باادب بتاتی ہیں کہ حضور عالیہ بہ اجلاس کونسل براہ الطاف خسروانہ ایک نگاہ صلح نامہ جات مذکورہ کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ معلوم ہو کہ فریقین میں سے کس نے اُن معاہدوں سے خلاف ورزی کی ہے۔

اس کی نسبت جو کچھ سرچارلس نیپئر نے بیان کیا ہے کہ اُن کو چند خطوط مہری میر محمد نصیر خاں کے دستیاب ہوئے ہیں جو انھوں نے ایک بگٹی سردار بی برگ اور دیوان سائزل مل حاکم ملتان کو لکھے تھے اور جس کی وجہ سے سر نیپئر نے اُن زیادتیوں کے کرنے کا اپنے کو مجاز سمجھا جو اُن سے ہوئیں۔ ہم مودبانہ عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص دیوان میا رام وہ شخص ہے جسے محمد نصیر خاں نے سرچارلس نیپئر کے پاس مقام روہڑی میں ان مفروضہ گرفتار شدہ خطوط کی حقیقت مال کی دریافت کے

لے بھیجا تھا جن سے سرچارلس نیپیر نے قطعاً فرمایا کہ میں کچھ بھی خطوط کی نسبت نہیں جانتا شاید گورنر جنرل لارڈ ایلنبراؤن سے کچھ واقف ہوں مثل تمھارے میں بھی گورنر جنرل کا وکیل ہوں اور جو کچھ احکام وہ بھیجتے ہیں مجھے تعمیل ضروری ہے۔ اس کے بعد جب ہمارے آقا رئیسوں نے میجر اوٹرم پولیٹیکل ایجنٹ حیدرآباد سے ملاقات کی انھوں نے ان خطوط اور مہروں کو دیکھنے کے لئے مانگا جن کا پانا سرچارلس نیپیر بیان کرتے تھے۔ میجر اوٹرم نے جواب دیا کہ ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے آپ سرچارلس نیپیر سے دریافت کریں۔ اس کے چند روز بعد جب وہ مقام سالور میں قید تھے تو انھوں نے ان خطوط اور مہروں کا ذکر کیپٹن گارڈن سے کیا۔ جنھوں نے بیان کیا کہ مجھ کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ گورنر جنرل کے پاس ہیں۔

حکومت پہنچ کر انھوں نے پھر خطوط اور مہروں کی بابت کپتان گارڈن سے پوچھا جنھیں انھوں نے گورنر جنرل کے پاس بیان کیا اور ان لوگوں نے کیپٹن گارڈن سے اپنی خواہش بہ اصرار ظاہر کی کہ جن فرضیہ خطوط کے باعث سے وہ اس قدر معتبوب ہوئے ان کا سچا یا جھوٹا ثابت ہونا چاہئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس ضروری تحقیقات کو کروں گا اور اس سے آپ لوگوں کو مطلع کروں گا دو روز کے بعد انھوں نے آکر بیان کیا کہ لارڈ ایلنبراؤن کو انگلستان کے حکام کے پاس رواد کر دیا۔ اس کے چند ہی روز کے بعد لارڈ ایلنبراؤن بلائے گئے اور ان کے جانشین سرہنری ہارڈنگ حکومت میں آئے۔

ان کے نام امیر نے ایک خط روانہ کیا اور اپنے مقدمے کی تحقیقات کرانے کی نسبت استدعا کی جس کا مختصر جواب یہ ملا کہ ان کی نسبت گورنر جنرل کو کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اس طے پر ہندوستان میں دادرسی سے

ہر طور پر محروم ہو کر ہمارے امیروں کو مجبوراً ہیں اس ملک کو روانہ کرنا پڑا۔ اب چونکہ لارڈ ایلنبرا اس وقت انگلستان میں ہیں ہم اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ اُن سے مظہرہ خطوط اور مہروں کی صداقت کے ثبوت کی نسبت استفسار کیا جائے گا۔ تاکہ ہمارے امیروں کی وفاداری کا امتحان ہو اور سرچارلس نیپئر نے جو کچھ خلاف معمول قلم ہم پر کیا ہے وہ ظاہر ہو۔

ہم لوگ بورڈ کنٹرول کے پریذیڈنٹ ارل اورین اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کو لکھ چکے لیکن وہ ہماری سماعت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ پس ہمارا چارہ تحت کے رحم میں ہے اور ہم نہایت غمزے استعدا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ براہ الطاف خسرانہ ہماری استعدا قبول فرمائیں اور حکم صادر کریں کہ ایک تحقیقات ہمارے مقدمے میں بغرض ہماری دادرسی کے کی جائے۔

حضور عالیہ کی درازی عمر کی دعا کے ساتھ ہم لوگ حضور کے فرماں بردار تابع دار ہیں۔

افخمہ حبیب اللہ

دیوان میٹارام

دیوان دیارام

لندن ۱۹ مارچی اسٹریٹ۔

۳۰ مارچ ۱۸۴۵ء

امیران سندھ کے وکلاء کا حلف نامہ

ضمیمہ ۳

ہم لوگ اخوند حبیب اللہ دیوان میا رام دیوان دیارام سند یافتہ
 سفیران امیران سندھ بہ حلف اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے کبھی کسی موقع پر
 اُن الزامات کی صداقت کو تسلیم نہیں کیا ہے جو ہمارے آقا امیروں پر
 قائم کئے گئے ہیں۔ ہم یقین کرتے اور ہم اُس کا اقرار صنفی کرتے ہیں
 کہ جو خط بی برگ بختی کو من جانب میر محمد نصیر خاں لکھا گیا بیان ہوا ہے
 وہ جعلی تھا۔ ہم لوگ خدا کے رو برو اپنا یقین ظاہر کرتے ہیں کہ
 امیر بالکل اُن الزامات سے بے قصور ہیں جو اُن پر عائد کئے گئے
 ہیں۔

دستخط اخوند حبیب اللہ

دیوان میا رام

دیوان دیارام

۱۹ ہادیی اسٹریٹ

۱۵ اگست ۱۹۴۵ء

امیران سندھ کا مقدمہ

ضمیمہ نمبر ۱۰

ترجمہ حالات مقدمہ امیران سندھ مرتبہ دیوان میارام حسب الحکمہ
وہایت خاص امیران سندھ۔

اصل نامہ ۱۸۰۹ء | اوٹا لارڈ شو نے ماہ اگست ۱۸۰۹ء میں ایک صلح نامہ
گورنمنٹ سندھ سے کیا اور ان کے بعد لارڈ ولیم کیونڈش
بنٹک نے دو صلح نامے کئے۔ ایک ۱۸۲۲ء میں اور دوسرا ۱۸۲۳ء میں دونوں معرفت
سرہنری پانچمرے۔ ان میں یہ درج تھا کہ انگریز گورنمنٹ کے خیالات دوستانہ سندھ
کی جانب سے بدلہ ملے گا۔ اور قیامت یکساں رہے گی اور انگریز گورنمنٹ امیران
سندھ کی ملوکہ عمل داری کے ایک ایچ کی تحریریں بھی ذکرے گی۔

تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کی منظوری | اس کے بعد سرہنری پانچمر سندھ میں
بغور سفیر گورنر جنرل کے آنے اور درخواست
کی کہ تاہر اور تجارتی جہاز سندھ میں دریائے سندھ کے نشیب و فراز میں
بے روک ٹوک آنے جانے پائیں۔ حاکمان سندھ نے اس خواہش سے کہ
انگریز گورنمنٹ سے اتحاد زیادہ بڑے۔ جس کا ان سے ہمیشہ کے لئے وعدہ
ہو چکا تھا درخواست مذکور کو منظور کیا۔ اور انگریزی عمل داری کے رہنے
والے تاجروں کو سندھ میں بلا روک ٹوک تجارت کرنے کی اجازت دی۔

انگریز فوج کے گزرنے کی اجازت | ایک مرتبہ پھر سرہنری پانچمر سندھ میں آئے
اور امیران سندھ سے کہا کہ انگریز فوج سندھ

سے ہو کر کابل اور افغانستان جائے گی۔ امیروں نے اس بات کو منظور کیا کہ انگریز گورنمنٹ کی فوج مع اپنے کل سامان کے سندھ میں اترے۔ اُس پر اُن سے کہا گیا کہ اپنے لوگوں کو کشتی اونٹ لکڑی اور دوسری مزدوری اشیاء انگریز فوج کے لئے مہیا کرے گا حکم دیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعاون | ہر چند کہ اس قسم کے مطالبات کا کوئی ذکر صلیح نامہ بات میں نہیں ہے تاہم امیروں نے اُس اتحاد کے بڑھانے اور مضبوط کرنے کے لئے جو دوا می طور پر انگریز گورنمنٹ نے وعدہ کیا تھا گشتیاں، اونٹ اناج لکڑی اور دوسری اشیاء جس کی انگریزی فوج کو خراسان کی عزیمت کے لئے ضرورت تھی، مہیا کیا۔ مگر بلوچی قبیلے کسی طرح امیروں کی اس حرکت سے کہ انگریز فوج کو مزدوری چیزیں دی گئیں خوش نہ ہوئے۔ اور اس کے سوا امیروں نے اسی وجہ سے افغان قوم کی عداوت اور مخالفت مول لی تاہم دائمی اتحاد مذکورہ بالا کی غرض سے امیروں نے بلوچی فرقوں کے نام احکام جاری کئے کہ وہ انگریزی فوج کی مخالفت سے اجتناب کریں اور اُن سے ب کو سزا دینے کے لئے کہا جو کسی طرح انگریز گورنمنٹ کے سہ راہ ہوں گے اس حکم کے مطابق بلوچی قبیلے بالکل خاموش رہے اور انگریز فوج کو کچھ تکلیف نہ دی۔

انگریز فوج کے اخراجات کا مطالبہ | جب سہ جان کین جہارک میں پہنچے جو حیدرآباد سے بارہ کو س ہے انھوں نے برخلاف صلیح نامہ کے کمپن ایسٹوک کے پاس ایک یادداشت شکایات کی لکھ بھیجی جس میں یہ بیان تھا کہ تین امیر اُس وقت سے تین لاکھ روپیہ سالانہ انگریز گورنمنٹ کو انگریز فوج کے اخراجات ادا کرنے کے لئے دیا کریں جو سندھ میں

تعمینات کی جائے گی اور وہ لوگ اکیس لاکھ روپیہ انگریز گورنمنٹ کے خرچ کے لئے فوراً دیں ورنہ انگریز گورنمنٹ اُن سے جنگ کرے گی۔ ہرچند کہ یہ مطالبے امیروں کے باعث تکلیف اور بالکل نامنصفانہ اور اس اتحاد مذکورہ بالا کے خلاف تھے۔ جس کا انگریز سرکار نے وعدہ کیا تھا مگر چونکہ کوئی چارہ نہ تھا امیروں نے انھیں منظور کیا اور لارڈ آکلینڈ نے بے جا طور پر جو رقم طلب کی انھوں نے دی۔

ان رقموں کو امیروں نے اپنے بچ کے خزانے سے ادا کابل کی مہم میں امداد کیا۔ اس کے علاوہ جب سر جان کین کابل سے روانہ ہوئے تو امیروں نے جیسا کہ لفٹیننٹ پوسٹنس اور دوسرے حکام بخوبی تصدیق کر سکتے ہیں رسہ کی آمدورفت کے لئے سڑکیں جاری کیں اور انگریزی دفاعی کشتیوں کو بے روک ٹوک دریائے سندھ کے اُتار چڑھاؤ میں مع فوج و سامان جہاں آئے جائے دیا۔

اگر امیروں نے اس طور پر انگریز گورنمنٹ کی امداد نہ کی ہوتی تو اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ کابل کی عزیمت بہت جلد رک جاتی اور اس کی کامیابی نہایت مشکوک رہتی۔ امیروں نے یہ خدمات اس امید سے انجام دیں کہ انگریز گورنمنٹ اُن کا معقول صلہ دے گی اور اُن کو یہ خیال نہ تھا کہ وہ ایسے مصائب میں مبتلا کئے جائیں گے جن میں وہ ہوتے ہیں۔

بہر حال بعد روانگی سر جان کین سرہنری پانٹھر ایک اور صلح نامہ ۱۸۳۷ء صلح نامہ ۱۸۳۷ء کو لارڈ آکلینڈ کا مہری اور دستخطی لے کر آئے۔ اس میں مثل سابق کے نکتوں کے یہ درج تھا کہ یہ صلح نامہ مثل "سکندر" کے مضبوط ہوگا اور وہ نسلاً بعد نسل دوام تک نافذ رہے گا۔ اس

درمیان میں سرسبزی پانچبڑ کو سدھارے اور میجر اوٹرم سندھ کے ریڈیٹ ہوئے۔ امیروں نے ہر ایک امر میں نئے ریڈیٹنٹ کی ہدایت سے کام کیا۔ بعد کچھ عرصے کے میجر اوٹرم بلوچستان گئے۔ اور مسٹر بیکی اُن کے قائم مقام دربار حیدر آباد میں ہوئے۔ اس افسر کو میر محمد نصیر خاں نے اطلاع دی کہ وہ ایک سفیر دربار لندن میں چند شکایتوں کے پیش کرنے کی غرض سے روانہ کرنے والے ہیں۔ مسٹر بیکی نے فحشی مادیہ کی معرفت جو انگریز گورنمنٹ کا ایک ملازم تھا کہلا بھیجا کہ شاید امیر کا سفیر کمپنی کے خلاف شکایت پیش کرنے والا ہے۔ جس حالت میں کمپنی امیر کی مخالف ہو جائے گی۔ اس طور پر امیر نے مجبور ہو کر اپنا ارادہ لندن کو سفیر بھیجنے کا فسخ کر دیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد مسٹر بیکی بیمار ہو کر کراچی چلے گئے۔ اور مسٹر بیکی اُن کی جگہ حیدر آباد میں آئے۔

اس کے بعد سر چارلس نیپیر پہلے پہل ستمبر
سر چارلس نیپیر کا استقبال میں کراچی میں داخل ہوئے اور وہاں کچھ عرصے تک

بوجہ غلات کے رہ کر بعد کو حیدر آباد آئے۔ امیروں نے جملہ سامان اُن کے اعزاز کا کیا۔ انھوں نے ایک بالکی طلائی کام کی اُن کی سواری کے لئے روانہ کی اور اُن کے ہمراہی افسروں کے لئے ساندنی تقری و طلائی سازد سامان سے بھیجی اور عباس علی خاں و دیگر امرا اُن کے استقبال کو روانہ کئے۔ اس شان و شوکت کے ساتھ سر چارلس نیپیر نے امیروں سے ملاقات کی اور قیام گاہ کو گئے۔ اور دوسرے دن ایک دفاعی جہاز پر سوار ہو کر سکھر کو روانہ ہوئے۔

کچھ عرصے بعد کمپنی اسٹانی حیدر آباد میں سکھر سے ایک اور
من مانی شرائط صلح نامہ اور خط سر چارلس نیپیر کے لئے کر آئے۔ امیر نے

صلح نامہ اور سر چارلس نیپیر کے خط کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور دوبارہ دیکھا

سرچارلس نیپئر کے پاس دریافت حال کے لئے روانہ کے کہ اس نئے صلح نامہ سے کیا غرض ہے۔ جس میں اس قدر شرائط امیروں اور اُن کے محکومہ ملک کی مزرے بھرے ہوئے ہیں۔ سرچارلس نیپئر نے جواب دیا کہ ہم کو اس سے کچھ واقفیت نہیں ہے اور ہم صرف لارڈ ایلنبراک کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں مثل تمھارے محض دکیل اور دوسروں کے حکم کا محتاج ہوں۔

نیپئر کا خیرپور پر حملہ | اس کے بعد سرچارلس نیپئر نے فوج اور توپوں کے ساتھ خیرپور پر چڑھائی کی۔ اور امن کی حالت میں میر رستم کو بے عزتی سے اُن کی موردنی عمل داری سے بدر کیا۔ یہاں تک کہ اُنھیں بارش اور طوفان میں اپنی جویوں اور بچوں سمیت ریگستان میں نکل جانا پڑا۔ اس درمیان میں میجر اوٹرم بمبئی سے سکھر میں آئے اور سرچارلس نیپئر کے قلعہ دیکھی میں شریک ہوئے۔ اُس وقت سرچارلس نیپئر نے قلعہ امام گڑھ پر حملہ کیا۔ جو میر رستم کے بھتیجے میر محمد خاں کے رہنے کا مقام تھا۔ اور اُسے گرا دیا۔ اور اُس کا قلعہ وغیرہ لوٹ لیا۔ یہاں سے سرچارلس منزل بہ منزل حیدرآباد پر بڑھے۔ امیروں نے اُن کی آمد کی خبر سن کر اُن کے پاس کھلا بھیجا کہ اُن لوگوں نے خلاف اپنی خواہش کے اُن کی دھمکیوں میں آکر نئے صلح نامہ کو منظور کر لیا ہے۔ پس وہ اب یکوں حیدرآباد پر فوج اور توپ لے کر آ رہے ہیں۔

امراء کی مہروں کی حوالگی | جن دکھار کو امیروں نے اُن پیغامات کے ساتھ روانہ کیا وہ مرزا خسرو بیگ اور یوسف خدمت گار تھے اور وہ سرچارلس نیپئر کے قیام گاہ مقام نوسشہرہ میں گئے۔ جو درمیان خیرپور اور حیدرآباد کے ہے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے سرچارلس کو امیروں کی مہربوں حوالے کر دیں جو وہ نئے صلح نامے کی تصدیق کے لئے لائے تھے۔ سرچارلس

نے بعض مہر لگانے کے ایک خط و کیلوں کو دیا اور اُن کو امیروں کے پاس واپس لے جانے اور اُس کے احکامات کی تعمیل کرنے کے لئے کہا۔ خط کا یہ مضمون تھا کہ امیر میر رستم کو حیدر آباد میں بلوالیں اور میجر اوٹرم حیدر آباد جا کر رستم خان کے معاملات کا تکملہ کریں گے۔ اور حیدر صلح نامہ پر امیروں کی مہر لگائیں گے۔

میجر رستم کو میجر اوٹرم سے ملنے کا حکم | خط میں یہ بھی ذکر تھا کہ ہر چند سرچارلس نیپئر کا پختہ ارادہ بزودی تمام حیدر آباد پر بڑھنے کا تھا۔ مگر بالفعل وہ روانگی ملتوی رکھیں گے۔ اور اگر حسب ہدایت میر رستم میجر اوٹرم سے نہ ملیں گے تو وہ بطور دشمن کے تصور کئے جائیں گے۔ چنانچہ میر رستم دونوں دھلا۔ اور میجر اوٹرم حیدر آباد میں ۸ فروری ۱۸۴۷ء کو اکٹھا ہوئے۔ جوں ہی میجر اوٹرم پہنچے۔ انھوں نے امیروں سے کہلا بھیجا کہ وہ صلح نامہ کی تصدیق کریں جس کو اُن لوگوں نے بوجہ کوئی چارہ نہ ہونے کے باوجود اُس کی بے انصافی کے منظور کیا اور اپنی مہریں روانہ کر دیں۔

میجر اوٹرم کی امراء سے ملاقات | دوسرے دن ۹ فروری کو میجر اوٹرم نے امیروں سے ملاقات کی۔ جنھوں نے انھیں مطلع کیا کہ سرچارلس نیپئر کے برابر بڑھتے چلے آنے کی خبر سن کر بلوچی نہایت برا فروخت ہو رہے ہیں اور اُن کی یاد دہانی کی کہ اگلے دن اُن لوگوں نے اپنی مہریں تصدیق صلح نامہ کے لئے بھیج دیئے ہیں۔ امیروں نے یہ بھی درخواست کی کہ میجر اوٹرم کسی افسر کو سرچارلس نیپئر کے پاس فوراً بھیجے اور ان سے کہے کہ وہ حیدر آباد کی طرف پیش قدمی روک دے۔ اس درخواست کو میجر اوٹرم نے منظور کیا اور اسی دن آٹھ بجے شب کو ایک افسر میر نصیر خاں کے پاس روانہ کیا۔

..... جسے امیروں نے فوراً ایک تیز ساندھی پر سرچارلس

نیپیر کے پاس روانہ کیا۔ یہ افسر انگریز فوج میں پہنچا اور ۱۲ کو ساربان جو اُسے لے گیا تھا ایک نطامیروں کے پاس منشی میلا رام کے پاس سے لے آیا جو اُن کے حکم سے سرچارلس کی فوج کے ساتھ موجود تھا اس میں لکھا تھا کہ جو نہی انگریز افسر سرچارلس تک پہنچا انھوں نے غصہ اُکھاڑا اور حیدرآباد کی جانب روانہ ہوئے۔

جبری صلح نامہ | امیروں نے یہ خبر میجر ادٹرم تک پہنچا دی۔ وہ اُسی روز یعنی ۱۲ ماہ مذکور کو دو بجے امیروں کے پاس آئے اور اُن سے صلح نامہ پر قہر کرنے کے لئے کہا اور بیان کیا کہ اگر وہ تعمیل کریں گے تو میجر ادٹرم ایک خط اپنا اُن کو دیں گے جسے وہ اپنے ایک افسر سے سرچارلس نیپیر کے پاس روانہ کر سکتے ہیں اور اُسے پاکر سرچارلس شمالی سندھ کی جانب واپس چلے جائیں گے۔ امیروں کو جبراً اس امر سے منظور کیا اور انھوں نے صلح نامہ پر دستخط و ثمر کر دیا۔ اُس وقت میر نصیر خاں نے میجر ادٹرم سے کہا کہ میر رستم کو بڑھاپے میں نکال دینا اچھا نہ تھا اور سرچارلس نیپیر نے میر رستم کی عمدہ جائیداد روٹری سے سبزل کوٹ تک لے لی ہے۔ پس انھیں لازم ہے کہ بقیہ اُن کو دے دیں۔

حیات خاں کی گرفتاری | سرچارلس نے لکھا تھا کہ جب میجر ادٹرم حیدرآباد میں جائیں گے۔ تو میر رستم کے معاملات کا تصفیہ ہوگا۔ اس سے میجر ادٹرم نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میر رستم سے کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا اُسی وقت ایک ملازم حیات خاں مری کا حیدرآباد کے قلعہ پر پہنچا اور اُس نے بیان کیا کہ جس وقت حیات خاں حیدرآباد کو آ رہا تھا۔ سرچارلس نیپیر نے اُس کو گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ بلوچیوں نے میر رستم کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ

اور حیات خاں کی گرفتاری کا حال سُن کر اور یہ دیکھ کر کہ سرچارلس نیپئر سے صلح کرنے کی بالکل امید جاتی رہی میجر اوٹرم پر قلعہ سے باہر جانے پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

میجر اوٹرم کی حفاظت | امیروں نے میجر اوٹرم پر مجوزہ حملہ کی خبر سُن کر بلوچوں کو اپنے ارادے سے باز آنے کا حکم دیا اور اپنے کئی

سرواروں کی حفاظت میں میجر اوٹرم کو ان کی قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ اُس وقت انھوں نے امیروں کے پاس خط جس کا وعدہ کیا تھا بھیج دیا جس سے جرمنیل کو آگے بڑھنے سے روکنے کا مقصد تھا۔ وہ خط فوراً امیروں نے جرمنیل کے پاس بھیج دیا اور جو مقاصد اُسے لے کر گیا وہ بہ نبرے کر واپس آیا کہ جوں ہی سید چیس خیمہ لے اُسے پایا۔ انھوں نے فوراً خیمہ اکھاڑا اور حیدر آباد پر بہ عبثت بڑھنے لگے۔

پارلس نیپئر کی بدنتی | امیروں نے اس خبر کو پا کر ایک خط اپنا جرمنیل کے پاس یہ امر معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا کہ وہ کیوں حیدر آباد

پر بڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے تمام تکلیف وہ مطالبوں کو جو ان سے کئے گئے منظور کر لیا ہے۔ امیروں نے یہ بھی دریافت کیا کہ آیا ارادہ زبردستی کرنے کا ہے تو اُس حالت میں ہم شہر چھوڑ دیں۔ اور رگستان میں جا کر لودو باشس اختیار کریں اور دہاں سے ایک وکیل داورسی کے لئے لندن روانہ کریں۔ ان کا کچھ جواب سرچارلس نیپئر نے نہ دیا۔

اہل حیدر آباد کا عزم مدافعت | اس درمیان میں بلوچوں کی ایک جماعت جس کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی اس امر کو

انگریز جرمنیل کے تیز بڑھتے آئے اور حیات خاں کو گرفتار کر لینے سے باور رکھ کر کہ باوجود اس کے کہ امیروں نے اُس مضر و نخبش صلح نامہ کو منظور کر لیا ہے جو

اُن سے جبراً کرایا گیا سرچارلس نیپیر واپس نہ جاتیں گے۔ بلکہ امیروں اور اُن کے بلوچی سرداروں کی تخریب کا قصد رکھتے ہیں۔ حیدر آباد کے شہر کے باہر جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ سرچارلس نیپیر ہم کو ہلاک کر ڈالیں اور اُس کے بعد ہمارے گھروں کو لوٹ لیں جس میں وہ ہماری لاشوں پر سے داخل ہونے پائیں گے۔ اس پر نصیر خاں نے اس امر کو یقین کر کے کہ بلوچیوں کی سرکشی اُن کی تخریب کا باعث ہوگی میجر اوٹرم کے پاس ایک پیغام منشی مارصو کے ہاتھ روانہ کیا کہ وہ یعنی امیر بلوچیوں کو تسلی دینے جاتے ہیں اور آپ ایجنسی کو چھوڑ کر دھانی جہاز پر سوار ہو جائیں تاکہ شاید جس وقت امیر بلوچیوں سے گفتگو کرتے ہوں جو سرچارلس نیپیر پر حملہ کرنے پر آمادہ ہیں کوئی دوسرا گروہ ایجنسی پر حملہ کرے جس سے امیروں کی بدنامی ہو۔

اسی زبانی مضمون کا ایک خط بھی منشی نے میجر اوٹرم کے پاس روانہ کر دیا۔ چنانچہ ۵ مارچ کو نصیر خاں نے بلوچیوں کو سرچارلس نیپیر کے مقابلے کے لئے روانہ ہونے سے باز آنے پر آمادہ کیا اور دوسرے دن ایک اور وکیل اُن کے پاس روانہ کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ حتی الوسع جو کچھ مطالبہ کیا جائے سب کو منظور کر کے حملہ نہ ہونے دیں۔

مگر ۸ مارچ کو دوپہر کو بلوچیوں کی ایک جماعت نے میجر اوٹرم کے خیمہ پر حملہ کیا اور اُن کے خیمہ پر حملہ کیا اور میر محمد خاں کو جو حیدر آباد کے قلعہ میں تھے اس کی اطلاع ہوئی۔ انھوں نے دلاور خدمت گار بلوچیوں کے بلا لینے کے لئے روانہ کیا۔ دلاور فوراً روانہ ہوا تاکہ ایجنسی اور بلوچیوں کی بڑھتی ہوئی جماعت کے درمیان میں جارہے اور جب یہ ایجنٹ کے پاس سے گزرا تو سب اہیوں کے گاروں نے جو میجر اوٹرم کے ہمراہ تھے، ایک باڑہ اُس کی جماعت کے

داعی اور ان میں سے ایک کو مار ڈالا۔ دناور نے فوراً اپنے کواکینی اور بلوچیوں کے ہتھیاروں میں داخل کیا اور ان کو اپنے ارد گرد سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ دونوں جانب سے گولیاں چلتی لگیں۔ اور دو بلوچی اور ایک سپاہی رینڈ پٹنٹ کے گارڈ کے کام آئے۔

دو انگریز سپاہیوں کی گرفتاری و رہائی | ایک مختصر معرکے کے بعد میجر اورٹم اور جو لوگ ان کے ہمراہ تھے اکیسی سے نکل گئے اور دفائی جہاز پر سوار ہو گئے اور بلوچیوں نے دو یو۔ پی۔ سپاہی قید کئے جن میں سے ایک کو وہ میر نصیر خاں کے پاس لے گئے اور دوسرے کو میر محمد خاں کے پاس جنھوں نے قید کیا کہ گوشت اور شراب دی اور رہا کر دیا۔ میر محمد خاں نے اپنے قیدی کو ایک تیزاونٹ پر بھارک بھیج دیا جہاں وہ ایک کشتی میں دیا کے پار بھارک میں اتار کے رہا کیا گیا۔

چارلس نیپیز کا بلوچیوں پر حملہ | اس کے بعد میر نصیر خاں ایک اہل دیکھنے والے فوج میں بھیجے والے تھے کہ اس درمیان میں سرچارلس نیپیز نے بلوچیوں پر حملہ کیا اور توپوں کی آوازیں سب کے کانوں میں پہنچیں اورانی کچھ دیر تک رہی حتیٰ کہ بہت سے بلوچی مارے گئے اور بقیہ بھاگ گئے۔ میر نصیر خاں اس مصیبت انگیز واقعے سے سخت رنجیدہ ہو کر جو ان کی مرضی کے خلاف ہوا حیدر آباد کے قلعہ میں داخل ہوئے اور وہاں ایک فوج بارہ ہزار بلوچیوں کی خاص کر حیدر آباد کے قریب و جوار سے جمع ہوئی۔ میر نصیر خاں نے ان کو لڑنے سے منع کیا۔ اور انھیں روانہ کر دیا۔

میر نصیر خاں اور نیپیز | ۱۸۷۱ء کو میر نصیر خاں خود سرچارلس نیپیز کے خیمہ میں گئے اور وہاں اپنی تلوار کمر سے کھول کر جرنیل کے حوالہ کی۔ جرنیل نے اپنے

ہاتھ سے اُن کی تلوار واپس کی۔ اور امیر کے باندہ دی اور کچھ الفاظ تسلی آمیز امیر سے اس معنوں کے کہے کہ پچیس دن کے اندر امیروں کے معاملات اُن کے حسب دل خواہ تصفیہ پا جائیں گے۔ اور اُن کا ملک مثل سابق اُن کے قبضہ میں رہے گا۔ یہ ملاقات بمقابلہ میجر ادٹرم ہوئی اور اُنھیں کے مقابلے میں یہ الفاظ کہے گئے۔ دوسرے دن سر چارلس نیپیر نے آگے بڑھ کر ریڈیسنی کے پاس قیام کیا اور ایک گارد امیر پر تعینات کر دیا۔ دوسرے دن کے بعد میجر ادٹرم بمبئی سے واپس اُن کی روانگی کے دوسرے دن منشی علی اکبر ایک پیام امیروں کے پاس جرنیل کا لاتے کہ وہ قلعہ دیکھنا چاہتے ہیں اور امیر اپنے کچھ آدمیوں کو اُن کے ساتھ کر دے۔

مرزا خسرو بیگ کی اہانت | چنانچہ میر نصیر خاں نے اخوند بیکل و دیوان مٹیارام جہاد خدمت گار کو جرنیل کے ہمراہ بھجوا دیا۔ اس وقت سر چارلس نیپیر بہ ہمراہی کرنیل پٹین و دیگر افسران قلعہ میں مع دو پلٹن پیدل و سوار و دو توپوں کے داخل ہوئے۔ اس کے بعد صاحب بہ ہمراہی دیگر افسران و سپاہیوں کے میر کرم علی خاں مرحوم کے زنان خانے میں گئے اور مرزا خسرو بیگ کی گردن میں ہاتھ دے کر اور بدسلوکی سے پیش آئے اور اُس سے جس قدر اشیائے قیمتی میر کرم علی خاں کے زنان خانے میں قریب پندرہ لاکھ روپیہ کی قیمت کی تھیں لے لیں۔

چارلس نیپیر کا زنان خانے میں برستی داخل | میر کرم علی کی عورتوں نے یہ کیفیت دیکھ کر صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اُن کے لئے پاکی منگوا دیں کہ وہ تین جوڑے کپڑوں کے سے کر شہر سے نکل جائیں صاحب نے انکار کیا اور منشی علی اکبر کے ساتھ زنان خانے میں زبردستی داخل ہوئے اور وہاں جو کچھ زیورات و کپڑے و ظروف سونے و چاندی کے تھے

لوٹ لئے اور عورتوں کے ہاتھ پاؤں سے زیورات اتار لئے۔ بد نصیب عورتیں غرم اور خوف سے شہر سے نکل کر بھاگیں اور میدانِ باد سے پانچ کوس پیدل گئیں۔ اور صاحبِ فلاں و صاحبِ فلاں و صاحبِ فلاں امیر میرٹھ۔ محمد خان کے زنان خانے میں گئے اور اُسے بھی اسی طرح لڑا۔ چنانچہ عورتوں کو اسی طرح اپنے گھر سے بھاگ کر کہتر میں پیدل جانا پڑا۔

۲۲ فروری سن ۱۸۵۷ء کو امیر میر محمد خاں قلعہ سے لائے بیگمات کی اہانت و بے حرمتی گئے اور انگریزی فوج میں بطور قیدی کے رکھے گئے

اور ایک زنان خانہ اُن کی عورتوں کا اسی طرح لوٹ گیا۔ اس کے بعد میر صوبہ دار کی عورتوں سے جو کچھ اُن کے پاس تھا لے لیا گیا۔ اور وہ پیادہ پانچل بھاگیں۔ صاحب نے میر صوبہ دار کے بیٹے میر فتح علی سے دقتی کرے مانے جو انھوں نے حوالے کئے۔ میر صوبہ دار کے گھر کی ایک عورت نے کچھ روپیہ اپنی کمر بنڈم لیا تھا۔ بھاگتے وقت کچھ روپے گر پڑے جس پر وہ فوراً گر نثار کر لی گئی اُس کا کمر بند کاٹ ڈالا گیا اور روپے لے گئے۔ اُس کے بعد ہر ایک عورت کو علیحدہ سے جا کر اُس کے ہاتھ پاؤں کان ناک سے زیورات اتارے جاتے تھے۔

زیورات کی بالجبر وصولی | اب قلعہ میں جانے کی ممانعت ہو گئی اور میر نور محمد خاں مزعوم و میر نصیر خاں کی عورتیں جواب تک قلعہ میں تھیں

دو روز تک بے آب رہیں۔ میر نصیر خاں کے بیٹے میر حسین علی خاں و میر عباس علی خاں نے جو قلعہ میں آسیر تھے ایک شخص کو صاحب کے پاس پانی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جواب یہ ملا کہ سر چارلس نیپئر کا حکم ہے کہ جس شخص کو پانی کی خواہش ہو وہ گارڈ کے کمانڈنگ افسر کے ہنگامہ میں آکر پنی لے۔ آخر کار بعد خرابی بسیار ایک مشک پانی تو شخصوں کے لئے ملا جن میں امیران مذکور کے زنان خانے کے

لوگ بھی تھے۔ اتنے تھوڑے باقی سے ہر شخص صرف اپنا حلق تر کر سکتا تھا مگر پیاس نہ رنج ہو سکتی تھی۔ تھوڑے موزوں کے بعد صاحب فلاں و صاحب فلاں سپاہیوں کے ایک گروہ کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں امیروں کی بیگمات نے پناہ لی تھی۔ اور دروازے کھانڈوں سے توڑ کر ان سے زیورات طلب کئے۔ چنانچہ مجبوراً ان لوگوں سے تمام زیورات اتار کر حوالے کئے۔

خواتین کی جامہ تلاشی | دوسرے دن صاحب فلاں کمرے میں آکر بقیہ اسباب اٹھائے گئے ایک عورت جس نے بھاگنا چاہا۔ رشتی پاچا اپنے ہونٹوں سے سپاہیوں نے دروازے پر دکا اور کپڑے اتروائے۔ میر نور محمد خاں ہجوم کی بیوہ نے کچھ کپڑے ایک خادمہ کو دیئے تھے کہ انھیں بیچ کر اس کے لئے کھائے کو کچھ لائے۔ محمد حسین نے جو فلاں صاحب کے منشی تھے اسے گرفتار کیا۔ اور کپڑے لے لئے۔ اس کے بعد دو عورتیں دروازے پر لا کر تعینات کر گئیں جو ہر ایک باہر جاتے ہوئی عورت کی تلاشی لیتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ امیروں کی جائداد میں جو کچھ چیزیں تھیں سب لے لی گئیں۔ یعنی وہ بالکل لٹ گئے۔

میر صوبہ دار خاں درمزا خسرو بیگ کی گرفتاری | اس وقت میر صوبہ دار خاں کو انگریزوں نے فوج میں لا کر قید کیا اور دو عوار میں جو پہلے دن میر نصیر خاں کے فرزندوں کو دے دی گئیں تھیں اب ان سے لے لی گئیں۔ اس کے بعد درمزا خسرو بیگ کا مکان لوٹا گیا اور وہ خود قید کر کے غیر میں لایا گیا جہاں سے قلعہ میں لے گئے۔ اور وہاں اسے اس قدر مارا کہ وہ عرصے تک بے ہوش رہا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اس کی مشکلیں کس لیں اور فیصہ میں لے جا کر قید کر دیا۔

لارڈ امین براکی برہمی | تھوڑے دنوں کے بعد امیروں کو بھی لے گئے۔ اور دہلی
 سے ہالور جہاں وہ دس ماہ تک قید رہے۔ اس کے بعد
 وہ کلکتہ لائے گئے۔ اُس وقت لارڈ امینبرا نے اُن کو ہزاری باغ میں مقید کرنا چاہا
 جو غیر آباد ہے۔ امیروں نے لارڈ امینبرا کو دکھا دیا کہ اس کی شکایت کی جس پر وہ
 نہایت غصہ ہوا اور میر نصیر کے بیٹے اور میر نور محمد کے بیٹے حسین علی اور میر نصیر
 اور شاہ محمد کے دونوں بھائیوں اور میر شاہ محمد کے بیٹے کو دوسرے امیروں سے
 جدا کر کے ہزاری باغ میں رکھا اور بڑے امیروں کو دوسری دیرن جگہ میں ٹھونٹا
 چلا۔ اس درمیان میں وہ ہندوستان کی گورنری سے فارغ ہوا اور لندن
 روانہ ہوا۔

گورنر جنرل ہارڈنگ | اس کے بعد وہ نصیب امیر میر نصیر خان ریختے سے شکستہ
 دل اور اس نئی مصیبت سے مغلوب ہو کر یعنی اس کا پیارا
 بیٹا اُس سے جدا کیا گیا دن رات رو دیا کرتا تھا حتیٰ کہ موت نے اُس کو اُس کی
 تکالیف سے نجات دی۔ لارڈ امینبرا کی معزولی کے بعد سر جرج ہارڈنگ گورنر جنرل
 ہوئے اُن کو امیروں نے ایک عرضی اپنی وادری اور ملاقات کی غرض سے لکھی۔ اُس
 کے جواب میں سر جرجی مسٹر کمری نے کمپن کا رٹن کو جو امیروں کا محافظ تھا گورنر
 جنرل کوئی لفظ تسلی کا امیروں کی نسبت نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر اس بات کو
 سمجھ لینے کے بعد بھی امیر ملاقات کے خواہاں ہوں تو گورنر جنرل ایک دن اُس
 کے لئے معین کریں گے۔

ہارڈنگ کا نیپیر کے مظالم کا اعتراف | چنانچہ ملاقات ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مقام بارہ پور
 میں ہوئی جس میں سر جرجی ہارڈنگ نے
 مذنبہ فرمایا کہ امیروں کے ساتھ بے شک ظلم ہوا لیکن کہا کہ مجھ کو کوئی اختیار نہیں

ہے۔ اس کے بعد امیروں نے وہ بارہ سو مہری ہارمونگ کو مکھا کہ اگر وہ اُن کا انصاف نہیں کر سکتے تو وہ انھیں اپنی جماعت میں سے کسی شخص کو ملکہ معظمہ تک جانے کی اجازت دیں۔ اس کے جواب میں گورنر جنرل کے مسٹر سکریٹری کری نے انکار کیا جس پر امیروں نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر قرضہ لیا اور انگلستان کو اپنے وطن روانہ کئے۔

ان دکیلوں نے لارڈ مورین وزیر ہندوستان و کورٹ آف ڈائریکٹرز و ملکہ معظمہ کی حضورِ ہی کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ اور اب انھیں بوجہ کمی خسرپ کے ہندوستان واپس آنا پڑا۔ جہاں وہ خدا سے ہمیشہ انصاف کی دعا مانگا کریں گے اس امید میں کہ جس شے سے ان کا انکار کرتا ہے خدا عطا کرتا ہے۔

(محرمہ ۲۰ اگست یوم شنبہ قبلہ دیوک تیارام)



ضمیمہ نمبر ۵

جنگ میانی کے نقشہ کی اشاعت | تھارٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان جلد ۲
صفحہ ۱۱۹ میں یہ الفاظ درج ہیں: "روائی کے
حالات مفصل کم معلوم ہوتے ہیں: اس کی واقفیت کے پورا کرنے کے لئے
ذیل کے حالات جنگ میانی کے مع نقشہ کے ایک افسر کے مرتب کئے ہوئے جو وقت
روائی کے موجود تھا شائع کئے جاتے ہیں۔

۱۶ فروری ۱۸۵۷ء کے سہ پہر کو مقام ہالہ سے اکیس میل کی مسافت بعید طے
کر کے انگریز فوج جس کی تعداد تقریباً تین ہزار وزیرگمان میجر جنرل سر سی جے نیپئر
کے سی. بی. ہے۔ متھارا کے موضع میں حیدر آباد سے سترہ میل شمال کو خیمہ
زین ہوئے۔

میجر اوٹرم کی امر سے ناکام گفتگو | اتفاقاً قیام دیا گئے سندھ سے ایک یا دو میل کے فاصلہ
پر ہوگا اور میجر اوٹرم جو سندھ کے امیروں سے
ناکام گفتگوئے صلح کر رہے تھے۔ یہاں چنیٹ نامی دخانی جہاز سے بہ ہمراہی اپنے گارڈ

۱۵ دریائے سندھ اور پھیلی ندی کے درمیان کے ضلع کو نام "میان" ہے۔ ۱۶
۱۷ یہ فوج تقریباً تین ہزار تھی جس میں گیارہ سو سوار اور بارہ توپیں تھیں۔ یعنی ۱۸ رجمنٹ ہندوستانی رسل
ایک سو ست پونا کے بے قاعدہ سواروں کا۔ سندھ کے بے قاعدہ رسالہ بمبئی کا اونٹ کا توپ خانہ پونڈ کا
توپوں کا بمبئی کا ٹھوروں اور فخریوں کا توپ خانہ چھ پونڈ والی توپوں کا۔ ایک دستہ دراس کا سفرینا
پلٹن کا۔ ۲۲ رجمنٹ گوروں کی پلٹن اول رجمنٹ بمبئی کی ہندوستانی پلٹن ۱۵، ۱۶ و ۱۷ نمبر بمبئی کی ہندوستانی پلٹن ۱۸
۱۹ سندھ وزیرگمان کپتان کا فوے۔ ۲۰

یعنی حضور ملک منظمہ کی ۲۲ رجمنٹ کی لائیٹ کمپنی کے ساتھ اترے۔ اُنہوں نے اس خبر کی تصدیق کی جو جرنیل کو مقام ہند میں ملی تھی کہ اُن پر اگلے دن صبح کو حیدرآباد میں حملہ ہوا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو لنسی کو جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر شہر سے جنوب و مغرب تین میل واقع ہے۔ سواروں اور پیدلوں کے ایک بڑے گروہ نے گھیر لیا تھا۔ اور اُن کا مرفضہ امیروں میں سے ایک شخص شاہ داد خاں تھا۔ میجر ادٹرم کے گارد نے چار گھنٹہ تک بہادرانہ مقابلہ کیا اور اُس وقت گولہ بارود کے کم ہو جانے سے وہ دریا کی جانب ہٹ آئے۔ وہاں وہ پیلنٹ اور سیٹلائٹ نامی دفاعی جہازوں پر سوار ہوئے جو اُنھیں متحار لے آئے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

بلوچیوں کا اجتماع | میجر ادٹرم اس خبر کو لے کر آئے کہ بلوچی کثرت سے جمع ہیں اور اُنہوں نے شکار گاہوں میں قیام کیا ہے جو متحار اور حیدرآباد کے درمیان ہیں۔ یہ خیال کیا گیا تھا کہ ان جنگلات میں آگ لگا دینے سے دشمن میدان میں آئیں گے اور ایک جماعت دو سو سپاہیوں کی اُسی شب کو میجر ادٹرم اور دیگر افسران کے ہمراہ دو لاکھ جہازوں پر سوار ہوتی۔ تاکہ جہازیوں کے ساتھ اس جوہیز کی انجام دہی میں شرکت کرے۔ مگر ارادہ ناکام رہا۔ کیونکہ جنگلات کا ایک حصہ جلادیا گیا مگر جہاں ہار کو معرکہ آرائی ہوئی وہ اس قدر دھڑ سے دور تھا کہ اس کا ردائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ بلوچیوں نے شب کے وقت اپنی جگہ بدل دی تھی مگر یہ زیادہ اغلب ہے کہ ہم لوگوں نے اُن کے قیام گاہ کی

پار ایک شکار گاہ کے گرد گھوم کر جانے کے لئے بھیجا گیا جو مقابل کے کنارے پر تھی اور بقیہ آگے دیکھنے بھاگنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ دشمن آخرالذکر سمت میں ہے۔ چنانچہ جرنیل پھر آگے بڑھے حتیٰ کہ وہ ایک موضع میں پہنچے جہاں سے حیدر آباد کا راستہ دریا کے کنارے سے علیحدہ ہو گیا ہے۔

بلوچی کا کوٹ | اس وقت جرنیل کے داہنی جانب کو پھیلی ندی کا خشک پٹا تھا جس کا رخ تقریباً جنوبی تھا اور جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اُس کا دوسرا کنارہ ایک مٹی کی دیوار سے محدود تھا جو ایک گھنے شکار گاہ کی سرحد تھی اُن کے سامنے سلسلہ چھوٹے چھوٹے مواضعات مذکورہ بالا کا تھا جن کا نام فہر بلوچی کا کوٹ تھا۔ اس سے نصف میل اور آگے ایک اور وسیع محدود شکار گاہ پھیلی کے قریب کنارے سے زاویہ قائمہ کی شکل میں ایک میل تک تھی اور اُس کے بائیں کنارے پر چھائی ہوئی تھی۔

کیپٹن جیکب لفٹننٹ لیل کے دستوں کی قدمی | اس درمیان میں سندھی رسالہ کے ہدایت دہندگان کیپٹن جیکب و لفٹننٹ لیل آگے بڑھے اور بائیں جانب کو مڑتے گئے حتیٰ کہ وہ دشمن کی توپوں کے نصف میل یا کم دوری تک پہنچ گئے۔ یہاں وہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بعد کو اُن سے وہ دستہ آ کر شریک ہوا جو پھیلی کے دوسرے کنارے پر شکار گاہ کے تجسس کے لئے بھیجا گیا تھا اس حالت میں یہ بہادر پٹن کھڑی ہوئی دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھتی رہی۔ اور اُس کے نشانے کی زد میں رہی حتیٰ کہ انگریز فوج آخر کار آگے بڑھی۔

جرنیل پھر ایک ہزار گز یا اُس کے قریب ایک پگڈنڈی راستہ سے آگے بڑھے

۱۷۔ یہ راہیں محض پگڈنڈی راستے ہیں اور دریا کے پٹے کو بھی مثل اور راستوں کے استعمال کرتے ہیں۔ ۱۷

جوطہرا ان کے سامنے کی شکار گاہ کے بائیں جانب گزرا تھا۔ یہاں اپنے کو دشمن کے سامنے اور اُس کے توپوں کی زد سے دور پا کر انھوں نے اپنی فوج کے اصل حصے کی آمد کا انتظار کیا۔ یہ حصہ بہت پیچھے تھا کیونکہ توپوں کے آگے بڑھنے میں بہت دقت اتفاقات کے باعث پیش آئی جو راستہ کی خرابی سے پیدا ہوئی تھی۔ یہ دیر بہت تھی۔ اور اس سے دشمن کے مورچوں کی بخوبی جانچ کرنے کا موقع ملا۔

فورا ہمارے دسمہ و شکار گاہ کی دیوار توڑے دار بند و قہیوں سے ہراول فوج پر حملہ بھر گئی خاص کر اُس کے مشرقی یعنی جسے ہوئے سمت میں۔

یہاں سے لے کر دشمن کے داہنے جانب تک ایک دم غیر پیدا لوں کا تھا۔ جو دو نمایاں جھنڈوں کے گرد تھے اور ان کی مدد کے لئے سوار عقب میں تھے اور سامنے کئی توپیں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض جو بقیہ سے زیادہ آگے تھیں سندھی رسالہ پر باڑہ مار رہی تھیں اور اب اپنا وار جرنیل اور اُس کے ہراول فوج پر کرنا شروع کیا گو کہ فاصلہ بہت تھا۔ دشمن کے داہنی طرف باغ تھا جو ایک گاؤں کو پوشیدہ کئے ہوئے تھے۔

ایسا دیر دست مورچہ ہمارے دشمن کا تھا جس کی اب تک دشمن کا زبردست مورچہ آزمائش نہیں ہوتی تھی اور جس کو انگریز فوج کے آہستہ بڑھنے سے دیکھنے اور محسوس کرنے کا بہت دقت ملا۔ یہ بالعموم خیال کیا گیا تھا کہ تقریباً آٹھ ہزار پیدل اور تین ہزار سوار اس وقت جرنیل کے مقام سے نظر آ رہے تھے۔ یعنی اب تک اصل معرکے کی جگہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے۔ مگر اس مقام

نے دونوں توپ خانوں کی گولہ بارود کی گاڑیوں کے دھڑے ٹوٹ گئے اور اونٹ کے توپ خانے کی ایک گاڑی اُلٹ گئی۔ یہ سب یہ گولے پٹے ہوئے لوہے کے تھے اور پانچ یا چھ پونڈ وزن میں ہوتے تھے میر کا توپ خانہ ایک انگریز کی ماتحتی میں تھا۔

سے بلوچیوں کی پوری قوت ظاہر ہوتی تھی۔ کیونکہ دہاں سے نہ تو یہ نظر آتا تھا کہ اُس کے داہنے جانب ایک موضع درختوں اور نہروں اور احاطوں سے مستحکم اُس کے قبضے میں ہے نہ یہ معلوم ہوتا کہ اُس کے کل مورچے کے برابر اور اُس کے عقب میں پھیلی ندی کا پٹیا اپنے اولین پٹے کے ساتھ زاویہ قائمہ بنایا ہوا واقع ہے۔

آخر کار اصل فوج کے آنے سے جرنیل آگے بڑھنے کے قابل ہوئے۔ روانگی کی وہی ترتیب قائم رہی اور پگنڈی راستہ کی سمت کو اختیار کر کے جو دائیں جانب کو مڑ گیا تھا۔ فوج اُس وقت تک نہ روکی گئی جب تک کہ شکار گاہ کی دیوار سے تین میل کے فاصلے پر پہنچی۔ یہ دیوار جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بلوچیوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر ہمارے پہنچنے پر وہ لوگ دور سے چند فیر کر کے ہٹ گئے۔ اور چونکہ وہ آٹھ فٹ اونچے بغیر مددوں کے ہے اُس سے دشمن کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ گو کہ ہماری زد سے محفوظ رہا۔

انگریز فوج کی مورچہ بندی | فوج کا آگے کا حصہ جو سامنے بائیں جانب کو آیا دور کے پہلے درخت فوج کی جانب جو اُس سمت میں تقریباً راستہ کے ساتھ زاویہ قائمہ کی شکل میں تھا بھیج دیا گیا اور جب اُس نے کافی زمین سے لی تو اُسے پھر روک کر داہنے جانب کو موڑا۔ کل تو ہیں میجر لاسڈ کی ماتحت ہیں یعنی چار نو اور دو چھ پونڈ والی۔ چھ بیس اور دو بارہ پونڈ کی بڑے دھانے والی مع سفر مینا کی پلٹن کے پمیلوں کی دہنی جانب شکار گاہ کے جانب لگا دی گئیں۔ داہنے بازو کے عقب تو ہندوستانی رسالہ جس میں ساڑھے تین سو سوار تھے۔ بچت کے طور پر تھا۔ سندھی رسالہ جس میں پانچ سو سوار تھے۔ اُسی مقام پر تھا۔ جہاں وہ پہلے تھا۔۔۔۔۔ یعنی پمیلوں کی بائیں قطار کے تین سو گز آگے۔ اب وہ کالم کی شکل میں ایک خشک نالے کے اُتھے سبز پٹے کے قریب ہو گئے۔ جس کے

گود متفرق درخت تھے اور جو براہ راست موضع سید سلطان شاہ کے واسطے یا کرتے تک گیا تھا اور دشمن کے داہنی جانب کو چھپائے ہوئے تھا۔

داہنے جانب سے بائیں جانب تک پین پلٹنوں کی ترتیب حسب ذیل تھی۔ اولاً ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن اُس کے بعد ۲۵۔ اور ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹنیں اور آخر میں اول نمبر ہندوستانی پلٹن جن کی کل تعداد مع اُن کے گوروں کے جو فوج ہراول میں تھی۔ ساڑھے تیرہ سو تھی۔ پونہ کا رسالہ کپٹن ٹیٹ کی ماتحتی میں مع دو سو سپاہیوں اور دو چھ پونڈ والی توپوں کے بطور عقب کی فوج کی چھوڑ دیا گیا تھا اور شریک لڑائی نہیں ہوا۔

میدان جنگ کا نقشہ | انگریزی صف کے سامنے اس وقت ایک تنگ میدان تھا جس میں نیچے ریت کے اور چھوٹی چھوٹی بھاڑیاں تھیں اور سامنے پھیلی تک پھیلا ہوا تھا۔ جانب مشرق مذکورہ بالا اُتھلا سبز نالا شجرات اور گاؤں کا تھا اور اُن کے آگے ایک دشوار گزار نہر تھی۔ اور جانب مغرب شکار گاہ کی دیوار چلی گئی تھی جو شمال و مشرق سے یکایک گھوم کر وہاں سے چھ سو گز پھیلی تک جنوب و مشرق کی سمت گئی تھی۔ اس محدود فاصلے کا سامنا خط مستقیم میں شکار گاہ کی دیوار سے گاؤں تک سات سو گز تھا اور بہت میدان جنگ تھا۔ دشمن نے اُسے دیکھ کر تعجب کیا تھا۔ کیونکہ جہاں پھیلی کے کناروں سے اُسے ایک زبردست مورچے کا فائدہ حاصل تھا وہاں انگریزی توپ خانہ اور سواروں کو سبک کی ٹنگی سے بہت کچھ دشوار گزار تھا جو

۱۵ دراصل کوئے اُس ضلع کا نام ہے۔ ۱۶

۱۷ یہ نہر خشک تھی مگر اُس کے کنارے سے حال میں شاید صاف کرنے کے وقت کاٹی گئی تھی۔ ۱۸

اس بیان کے آخر میں معلوم ہوگا۔

انگریز سپاہ کی بم باری | جوں ہی ہماری صفیں بہ احتیاط آراستہ ہو چکیں اور گل چلے آگے بڑھادیے گئے تو وہیں دو سو گز اور آگے بڑھائی گئیں۔ اور ہماری پہلی باڑھ گولوں کی دشمن کی توپوں پر گیارہ بجے کے کچھ پہلے شروع ہوئی۔ ۱۲ نمبر گوروں کی پلٹن بائیں جانب توپ خانے کے تھی۔ اور بقیہ پلٹن عقب میں ہیں قسم کے فاصلے پر تھی۔ چونکہ ہماری توپیں بہت دور تھیں اور دشمن کی توپوں کو روک نہ سکتی تھیں۔ اس لئے وہ ڈھائی سو گز اور آگے بڑھائی گئی اور دشمن کی فائرنگ جو برابر جاری تھی مگر نقصان نہ کر سکتی تھی۔ اب ظاہر انگریزی توپوں کے تیز اور عمدہ نشانے کی زدوں کے سامنے کم ہونے لگی۔ اس وقت شکار گاہ کی دیوار میں ہمارے داہنے بازو کے قریب ایک سون نظر آیا اور ۳۳ رجمنٹ کی گرینڈ پر کمپنی کو کپتان یو کی، تھی میں دیوار کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ بات شکار گاہ میں داخل ہونے سے حاصل ہوئی۔ کیونکہ جنگل دیوار سے کچھ دور تک کھلا ہوا اور گھٹنا نہ تھا کیپٹن یو فوراً مار گیا اور کمپنی نے بھی نقصان اٹھایا۔ مگر اُس وقت ان بہادروں نے شکار گاہ کے کنارے کو صاف کیا۔

تیسری بار پھیلی سے تین کوس پرنوج رُکی اور جس وقت بعض بلوچوں کا حملہ | انگریزی توپیں شکار گاہ کی دیوار کو گراف کے گولوں سے صاف کر رہی تھیں اور دوسری دشمن کی توپوں کو روکے ہوئے تھیں اور آخر کار اُن کو خاموش کر دیا۔ پیدلوں کی صف جو گھٹتے ہوئے تیار ہو رہی تھی آخری بار بڑھنے کے لئے آمادہ تھی۔ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حضور ملکہ منظمہ کی ۲۲ نمبر کے گوروں کی پلٹن جو تنہا یوروپین پلٹن تھی۔ آگے بڑھی اور جس وقت بگل سنائی

دیئے۔ نہایت ترتیب سے چل رہی تھی۔ ایک سخت باڑہ بے شمار توڑے دار
بند وقوں کی صبر کے ساتھ برداشت کی گئی۔ اور کچھ دیر بعد
اُس کا جواب دیا گیا۔ پھیلی کے ڈھنواں کنارے کی پناہ میں بلوچی اپنی
بند وقوں کو زمین پر ٹیک کر بہ اطمینان نشا کرتے تھے۔ اپنے باری سے ۲۵ نمبر
ہندوستانی پلٹن سے مڈ بھڑ ہو گئی۔ اور اُس کے بعد ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن اور
گرینڈیرس سے بھی مقابلے کی نوبت آئی۔

اس جانب دشمن کا پایہ بہ نسبت دابے جانب کے اور بھی قوی تھا کیونکہ نالوں
اور گاؤں کی دیواروں سے اُس کی حفاظت ہوتی تھی۔ اس درمیان میں اُس
نے انگریز فوج کے بڑھنے پر توہین چھوڑ دی تھیں اور اُن میں سے بہت سی
ہمارے قبضہ میں آگئی تھیں۔ مگر جوں جوں فاصلہ کم ہوتا گیا۔ بلوچیوں میں جو زیادہ
دلیر اور نئی لڑائی کے لئے بے صبر ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے بند دقین علیحدہ
رکھیں۔ تلوار اور ڈوہاں ہاتھ میں لے کر وہ اپنی مخفی جگہوں سے نکلے اور ایک
سے زیادہ زبردست حملوں میں انگریزی فوج کو پیچھے ہٹا دیا۔

دو یا تین بار ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کو پسپا ہونا پڑا اور اُسے
میجر جیکس کا خاتمہ | ہی بار دلیرانہ طور پر اُن کے افسروں نے اُن کو مستعد کیا۔ اُس
پلٹن کے میجر جیکس نے گھوڑے پر سے اتر کر لڑائی میں اپنی جان دی۔ یہ افسر جس کی
نسبت افسوس ہوا۔ صرف دو حوہداروں کے ساتھ آگے بڑھا اور آخر کار دشمن
کی تلواروں سے مارا گیا۔ اول نمبر کی ہندوستانی پلٹن ۱۲ نمبر کی پلٹن کے ساتھ

۱۲۔ اُس کی کمان میجر ریڈ کے تعلق تھی۔

۱۳۔ اول نمبر کی ہندوستانی پلٹن میں مع لٹن کے دو سو آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ ۱۲

پسپا ہونے پر کچھ بے ترتیب ہو گئی اور اُس نے لڑائی میں کم شرکت کی۔ میجر ٹیڈیل ۲۵ رجمنٹ کا کمانیر جس وقت اپنے سپاہیوں کو دلاسا دے رہا تھا جو اپنے فوجیوں کے مقابلے میں بے طرح ہٹتی جاتی تھی۔ لفٹنٹ کرنیل پیفادر جو ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن کا کمانیر تھا۔ گولی کھا کر گرا اور میجر پول اُن کی جگہ کمانیر ہوا۔ اُس کے قوی دل یوروپین بھی بلوچیوں کے فوجیوں کے مقابلے میں اپنی جگہ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ بہ نسبت سپاہیوں کے اپنی حفاظت زیادہ ہوشیاری کے ساتھ نگاہوں سے کرتے تھے تاہم اُن کو اپنے فوجی قسمت دشمنوں کی تیز تلواروں سے منہ پھیرنا پڑتا تھا۔ جن میں سے بہترے بھنگ شاہ یا افیون سے جوش میں ہو رہے تھے۔

بلوچیوں کی دلیری لفٹنٹ ۱ مردل ٹنٹ کوارٹر ماسٹر جنرل کا گھوڑا جب اُن کی ران کے نیچے مارا گیا تو اُنھوں نے ایک بلوچی سردار کو مقابلہ کر کے مارا اور اُس کے غلانی قبضہ کی تلوار پر قبضہ کیا۔ پھر بھی ہمارے بہادر سپاہی اور انسر پسپا ہوتے گئے اور اب سرچارلس نیپئر نے جنگ کی روداد دیکھ کر اور اُس کے انجم کی نسبت مشکوک ہو کر اپنے گھوڑے کو ۲۲ نمبر کے گوروں کی پلٹن کی صف سے نکالا اور اپنی ٹوپی ہلا کر اُس بہادر پلٹن

۲۵ نمبر ہندوستانی پلٹن کے میجر جیکسن کے بھائی کپٹن جیکسن میجر ٹیڈیل کے مارے جانے پر ۲۵ رجمنٹ کا کمانیر ہوا۔
۱۰ بھنگ گانجہ کے تخم کا ایک جزدہ۔

۱۱ اشخاص ذیل مارے گئے۔ کپٹن میڈ ولفٹنٹ وڈو ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔ و صاحبان ذیل زخمی ہوئے۔ میجر ویلی اسٹنٹ ایٹن جنرل کپٹن کالزے لفٹنٹ ہارڈنگ ایٹن پیفادر ایٹن بوڈن ۲۲ نمبر گوروں کی پلٹن کے۔ ایٹن مین مایر ۱۲ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔ لفٹنٹ فیرکوٹ ماسٹر ولفٹنٹ بوڈن ۲۵ نمبر ہندوستانی پلٹن کے۔

کو آگے بڑھنے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے خطرے کا خیال نہ کر کے ۲۵ نمبر کی بند دستانی پلٹن کو آگے بڑھنے پر ہمت دلائی۔ اس وقت اس میں شک نہیں کہ جرنیل کی خواہش تھی کہ دشمن کو دریا کے پیٹے سے ایک زبردست حملہ کر کے نکال دیا جائے مگر اُن کے ارادے کی تکمیل نہ ہوئی۔

سنگین سے بجز اپنی حفاظت کے اور کیا کام کیا جاسکتا؟ اور یہ بات فوراً ظاہر ہو گئی کہ توڑے دار بندو قوں کی فائرنگ اور تیز تلواروں کی چمک کم ہونے لگی اور انگریزی بندو قوں کی لگاتار اور مہلک فائرنگ کے سامنے جو دریا کے کنارے کے قرب سے دائمی جاتی تھیں۔ ہر ایک زندہ شے صاف ہو جاتی تھی۔ ایک گھنٹے سے زیادہ عرصے تک یہ مہلک معرکہ قائم رہا اور آخر کار جب انگریز فوج دریا کے پیٹے کے اندر اُتری تو لاشوں کے پشتہ پر سے گزری۔ جس میں بہتر سے اب مر رہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے توشاؤں اور کپڑوں میں غالباً اُن کے شعل توڑوں سے آگ لگ گئی تھی اور اُن کی جھلسی ہوئی اور انیٹھی ہوئی لاشوں سے ایک خوفناک کیفیت نظر آتی تھی۔ بہت سے بلوچیوں کی لاشیں کنارے کے اوپر اپنے دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ پڑی ہوئی خاموش اپنی ہمت اور حمات کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ نہ کوئی امان کا طالب ہوتا تھا اور نہ امان دیا جاتا تھا۔ ہمارے سپاہی جو تنگ آ گئے تھے زنجیروں کو یا تو گولی مار دیتے تھے یا سنگین بھونک کر مار ڈالتے تھے اور وہ لوگ بھی نہ دبتے تھے اور آخری دم تک ہمارے سپاہیوں پر وار کرتے تھے۔

۱۔ دریائے پھلیلی کا پٹیا ایک غار ہے۔ جو ایک دریا پر اوزرین میں دریا کے بہاؤ سے ہو گیا ہے۔ یہاں جن کنادوں کا ذکر ہے وہ محض اُس غار کے کنارے ہیں۔ بلند کناد جس کا ذکر سرکاری کتاب میں ہے وہ ہمارے سامنے کی زمین کے ایک حصے تک تھا۔ کنارے کے نیچے دہرا زمین تھا۔ جو کشتیوں سے پشتہ ہوتا تھا۔ ۱۲

اس درمیان میں نہ تو توپیں اور نہ سوار غافل تھے اور نہ اُن کی دائیں جانب پر حملہ | امانت اُس معرکے کے تصفیہ کر لے میں غیر ضروری تھے۔ آخری جگہ

توپوں کی اس قدر تنگ تھی کہ اُن میں سے صرف چار کام میں آسکیں۔ کیپٹن ہٹ کی توپوں میں سے ایک کو سفر مینا کے لوگوں کی امداد سے جنھوں نے دیوار کے ایک حصے کو بھی توڑ ڈالا شکار گاہ کے رخ پر لگا دیا گیا جس نے وہاں بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا اور عقبہ تین نے پھیلی کو گراف اور مدور لوگوں کی لگاتار ہلک باڑیوں سے صاف کیا۔

روائی کی نین رستخیز کی حالت میں رسالے کو حکم دیا گیا تھا دائیں جانب پر حملہ | کہ دشمن کے داہنے بازو کو اور اول رحمت ہندوستانی پلٹن

نے عقب میں جا کر حملہ کیا تھا۔ مگر حکم کی غلط فہمی سے یہ پلٹن داہنے جانب کو مرکب کچھ دور تک قبل اس کے کہ اُس کے افسر اُسے مجتمع کر سکیں واپس آئی۔ اُسی وقت بے شمار بلوچی گاؤں کے مکالوں اور نالوں سے نکل پڑے۔ ۹ رسالے کے لشکر تھیل پیل نے جو درجہ دوم کے کمانیر تھے اب تک جنرل کا حکم آگے بڑھنے کا نہ پایا تھا مگر دشمن کی آمد کو روکنے کی ضرورت دیکھ کر نور کسی قدر جیسا کہ مجھے معلوم ہوا بہت کینپن مگر کے اصرار پر انھوں نے کسی قدر رکاوٹ کے ساتھ سواروں کو کارروائی کرنے کی اجازت دے دی۔

وہ وقت بے شک ناہم تھا جس وقت نوین رسالہ کا بلوچیوں کی شدید مدافعت | تیسرا دستہ اُس بہادر افسر کی ماتحتی میں آگے بڑھا اور ہمارے پیہلوں اور گاؤں کے درمیان گزر کر دشمن کو پھیلی کے پیٹے کے کنارے اور اُس کے اندر بھگا دیا۔ بلوچیوں کے ایک گروہ نے جو گاؤں کے عقب میں تھا سخت

مقابلہ کیا جس سے اس بہادر دستہ کو سخت نقصان پہنچی۔ کیپٹن مکمرٹھ نے چھ گولیاں کھائیں اور گھوڑے سے گرا مگر کپتان نمبریت نے اُن کی جگہ پر پہنچ کر دوسری جانب دشمن کو بھگا دیا۔ تیسرے دستہ کے عقب میں دوسرا دستہ کیپٹن گیرٹ کی ماتحتی میں گیا جس نے لفٹنٹ کرنیل ٹیل کے موقع پر حملہ کرنے میں اعانت کی۔ اور اول دستہ کیپٹن دیکس کے زیرِ کمان اول نمبر اور ۱۲ نمبر کی ہندوستانی پلٹوں کے پیچ سے ہو کر گذرا اور اُس نے پھیلی کو عبور کر کے مقابل کے کنارے دشمن کو بھگا دیا۔

بلوچیوں کی پسپائی | اس وقت پرپوت کپٹن کوکن اجیٹ مارا گیا اور افسر بلوچیوں کی پسپائی | زخمی ہوئے۔ لفٹنٹ کرنیل ٹیل نے تیسرے دستہ کے چند

آدمیوں کے ساتھ گاؤں کے احاطوں پر بہادرانہ حملہ کیا تھا بعد کو مدد سے دستہ سے امداد پا کر اُن کو کسی قدر صاف کر دیا۔ ان مقامات اور قرب و حوالہ کی خبریں اور باغات کی باڑھوں سے لڑیں۔ سال کا سخت نقصان ہوا۔ سندھی رسالہ ایک ناکام کوشش گاؤں کے گرد جانے کی کر کے جہاں اُس کو ایک عیق نہر نے جس میں دشمن جمع تھے روک لیا تھا۔ ہمارے پیدلوں اور گاؤں کے درمیان دریا میں اتر گیا اور بظلمت مستقیم دشمن کے خیمہ تک گیا۔

امیروں نے اُسے پہلے ہی سے چھوڑ دیا تھا اور حیدر آباد | امیروں نے اُسے پہلے ہی سے چھوڑ دیا تھا اور حیدر آباد اصرار کے خیمہ پر قبضہ | کو بھاگ گئے تھے مگر بہت سے بہادر لوگ وہاں اب بھی موجود تھے جنہوں نے اصرار کے ساتھ مقابلہ کیا اور بغیر اپنے تعاقب کنزیرگان کے

۱۰۔ یہ کہنا باعثِ مسرت ہے کہ یہ بہادر افسر زخموں سے شفیاب ہوا۔ ۱۲۔

۱۱۔ افسرانِ ذیل زخمی ہوئے۔ پرپوت کیپٹن اسمتھ۔ لفٹنٹ پلوڈن اور انیسائین فرمٹھ کورٹ ماسٹر و رسالہ۔ ۱۲۔

نقصان کے ہلاک نہ ہوئے۔ کہیں جیکب کا گھوڑا اُس کی سواری میں مارا گیا اور اُس نے لفٹنٹ فئز جرنل کو تعاقب کو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اُس نے کچھ دور تک تعاقب کیا مگر جب سواروں کے ایک گروہ کے پاس پہنچا جو جنگ میں شریک ہوئے تھے تو اُس افسر کو واپس آنا پڑا۔ سندھی رسالہ کو اُسی وقت اسباب کی حفاظت کے لئے بلا لیا گیا۔ اور ہنگامی رسالہ کا ایک دستہ امیروں کے خیمہ پر قابض رہا جو بعد کو جرنیل کے حکم سے جلا کر خالی چھوڑ دیا گیا۔

جنگ کا خاتمہ | جب انگریز فوج نے قریب ڈیڑھ بجے کے دریا کو عبور کیا تو اُس وقت لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ مگر گولیاں چلنا بند نہیں ہوئی تھیں۔ اور بہت سے دشمن اب تک ارد گرد منڈلا رہے تھے اور جب سرکاری توپیں پھیلی کے اندر اور گاؤں اور قریب و جوار کے احاطوں پر لگائی گئیں۔ اُس وقت باغی رفتہ رفتہ منتشر ہوئے۔ جرنیل نے اپنا خیمہ میدان جنگ میں قائم کیا۔ اسباب ایک نشیب زمین کے بچے میں تھا اور فوج ہتھیار لگائے ہوئے سوئی ہوئی تھی۔

توپ خانہ اور رسالہ کی کارگزاری | اس طور پر یہ دن معرکہ کا ختم ہوا۔ اس موقع پر جو دھیری بلوچیوں نے دکھائی وہ قابل تعریف تھی۔

- یوروپین لوگوں نے دلیرانہ اور بہ استقلال کام دیا اور اس میں شک نہیں کہ سرچارلس نیپیر کے عمدہ نمونے اُن کے ساتھ تازیانہ کا کام کیا۔ سپاہیوں کو اُن کے افسروں نے مستقل اور درست رکھا جن کا طرز ظاہر کرتا تھا کہ وہ اپنی جان فدا کرنے پر مستعد ہیں۔ اُن کے بغیر سپاہیوں کی حالت کئی بار پسپا ہونے کے بعد مشکل سے بطور خود درست ہوئی۔ توپ خانہ اور رسالہ نے اپنا فرض بخوبی ادا

لے تیس یا چالیس ہزار روپیہ خیمہ میں ملا۔ بیان کیا گیا ہے کہ امیر لاکھوں روپیہ لائے تھے۔ ۳۔

کیا مگر اُن کی کارروائی بوجہ تنگی میدان کے جہاں اُن سے خاص کر کام لیا گیا بہت کچھ رک کر ہوئی۔ مگر اس امر کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارے رسالے کا دشمن کے دہنے جانب بڑھنا غالباً اس سرے کے تصفیہ کے لئے بہت کچھ موثر ہوا۔

انگریز فوج کا نقصان | ہمارا نقصان اس لڑائی میں بمیال فوج کی قلیل تعداد کے جو شریک جنگ ہوئے تھے۔ سخت ہوا یعنی ہاسٹڈ آدمی مارے گئے اور ایک سو پورا نوے زخمی ہوئے جن میں سے اُنہیں افسر تھے ران میں چھ مارے گئے اور تیرہ زخمی ہوئے۔ دشمن کے چار سو سے زیادہ پھیلی دریا کے اندر لاشیں تھیں اور غالباً اسی قدر اور میدان کے دوسرے حصوں اور شکار گاہ میں تھیں جو توپوں اور رسالہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ چونکہ بجز چند استثناء کے امان کسی کو نہ دی گئی تھی۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ زخمیوں کی تعداد جو بھاگ گئے مردوں سے زیادہ تھی۔ بلوچیوں کے بیان ہے کہ اُن کا نقصان بہت زیادہ ہوا مگر اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔ اندازہ ہے کہ بلوچیوں کا نقصان انگریزوں سے چھ گنا ہوا ہوگا یہ تعجب انگیز کمی بیٹی اس وجہ سے ہے کہ اُن کا پایہ قوی تھا اور جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قوا عدلانی اور خاص کر اُس کے ایک نتیجہ یعنی تیز اور لگاتار بارشوں کے مارنے میں ان تھک تھے۔

۱۵۔ دونوں جانب گھوڑے بہت مارے گئے۔ دشمن کا رسالہ بہت نہیں لڑا مگر بہت سے بلوچی اپنے گھوڑوں پر سے لڑنے کے لئے اتر پڑے اور انہیں مدیا کے پیٹے کے اندر باندھ دیا۔ ۱۶

۱۷۔ یہ امر قابل بیان کے ہے کہ بلوچیوں نے امان کی امید نہ رکھ کر اپنی حفاظت دم اخیر تک کی جس سے اُن کی جان بچا تا تقریباً ناممکن تھا۔ ۱۸

دشمن کی کل توہیں جن کی تعداد پندرہ تھی اور عہدے و سامان
 حیدر آباد پر قبضہ | حرب و خیمہ و خرگاہ اور کچھ خزانہ ہمارے ہاتھ آیا اور اس
 وقت کا نتیجہ جنگ کا نہایت اہم ہوا۔ دو سرے دو دلوں کے اندر چھ امیر بطور
 قیدی کے حاضر ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد حیدر آباد پر قبضہ کیا گیا اور
 جنوبی سندھ انگریزی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔



سے حیدر آباد پر ۲۱ کو میجر اورٹم کے چلے جانے کے بعد قبضہ ہوا۔ بیان کیا گیا تھا کہ قلعہ میں مرکزی
 خزانہ دھنڈور تھا۔ اگر ایسا واقعی تھا تو اس کا ایک بڑا حصہ اس دیر کے باعث بھاگ گیا ہوگا جو کچھ
 ہاتھ لگا وہ اس رتھ کا جو تھائی تھا۔ ۱۰

ضمیمہ نمبر ۶

میر نصیر خاں والی حیدر آباد کی داستان۔

شجرہ نسب | جس میں ایک شجرہ اُن کے خاندان کا ہے اور سلسلہ بلا شکرت حضرت علی علیہ السلام خلیفہ چہارم و نویں بناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم ہے۔

ہم لوگ امیران سندھ بلوچی ہیں یعنی اُس قبیلے سے نہیں ہیں جو ایران میں کچھ بلوچیوں کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ہماری اصلیت عربی ہے اور ہماری مثل امیر حمزہ بن ہاشم بن عبد مناف سے ہے گو کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ امیر حمزہ حضرت علیؑ کے بیٹے تھے۔

جب اسلام کی توسیع کے لئے حجاز کی فوج اور ابن یوسف نے عمان عزیمت سندھ کی جانب کی اور راستہ میں کچھ اور کمران کے علاقوں کو فتح کیا تو ہمارے مورث تو مفتوحہ سوں پر قابض رہے اور بقیہ مملہ آور فوج سندھ کی جانب بڑھتی گئی۔ اُن کی بے شمار اولاد بلوچی کہلاتے گئی۔ کچھ عرصے کے بعد اُن میں سے بعض ڈیرہ اسماعیل خاں و ڈیرہ غازی خاں میں چلے گئے اور اپنی بود و باش پہاڑ کی چوٹی پر اختیار کی۔ اس وقت میاں شاہ محمد کلہوڑا نے جو حضرت عباسؑ ابن ہاشم کی اولاد میں ہونے کے باعث عباسی کہلاتے تھے سندھ میں کاشتکاری شروع کی جو اُس وقت میں دہلی کے چغتائی بادشاہوں کی حکومت میں تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کی اولاد اُس زمین کی جس کی وہ پہلے کاشت کرتی تھی مالک ہو گئی۔ وہ لوگ اعتقاد کے شیوہ تھے اور سید

سے اصل سے ستر جیسے کور کورن نے امیر کی درخواست پر ترجمہ کیا۔ ۱۲

میراں شاہ جون پوری کے مرید تھے۔

کلبوڑا میں قیام | ہمارے پردادا میر شاہ داد خاں اکبر اپنے چچا میر صوبہ دار خاں اکبر سے نا اتفاقی کر کے چلے گئے اور کلبوڑا لوگوں کی ملازمت اختیار کی جن کا مذہب بھی انہوں نے قبول کر لیا۔ چونکہ وہ بلوچیوں کے ایک سردار تھے اُن میں سے بہت سے لوگ سندھ میں اُن کے پاس گئے جہاں اُن کے چچا قبیلے کے ساتھ اُن کے شریک ہوئے۔ یہ زمانہ بلوچیوں کے اُس ملک میں اول قیام کا تھا۔

میر صوبہ دار خاں نے خدا کی عبادت کے لحاظ سے ناکت خدائی مناسب سمجھ کر شادی نہ کی۔ اُن کی خیا فی اور دین داری بہت زیادہ تھی اُن کے بھتیجے میر شاہ داد خاں جن کا ذکر ہو چکا ہے اُن کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے۔

نادر شاہ کے حملہ تک (۱۷۳۹ء) سندھ کا صوبہ دار کوئی امیر دربار دہلی کا ہوتا تھا۔ مگر اُس کے قتل کے بعد (۱۷۳۹ء) میاں نور محمد کلبوڑا اُس صوبے کے صوبے دار ہوئے اور احمد شاہ کے پاس خراج بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ صوبے دار قضا کر گئے تو اُن کے بیٹے محمد مراد اُن کی جگہ مستند پر بیٹھے۔

میر شاہ داد خاں اکبر کی اولاد | اُس وقت میر شاہ داد خاں اکبر نے تسنا کی۔ اُن کے چار فرزند تھے یعنی میر جنید امیر چاکر د میر بہرام ایک بیوی سے اور میر فیروز دوسری بیوی سے۔ پہلا بیٹا جسے نادر شاہ بطور ضامنوں کے نور محمد کلبوڑا کے فرزندوں کے ساتھ لے گیا تھا۔ مشہد میں قضا کر گیا۔ شاہ داد کے تمام فرزندوں میں میر بہرام خاں نہایت قلعندہ اور نیک تھے۔ چنانچہ وہ بلوچیوں کے سردار بجائے اپنے باپ کے ہوتے۔

قلعہ حیدر آباد کی تعمیر | صوبہ دار محمد مراد کی زیادتیوں سے کلبوڑا خاندان کے امرا نے قلعہ حیدر آباد کی تعمیر ناراض ہو کر بہرام خاں سے اُس کے نکال دینے کی سازش

کی اور اُسے قید کر کے اُس کے بھائی میاں عطار خاں کو تخت پر بٹھایا۔ اپنے انتخاب میں دھوکا کھا کر انھوں نے اُسے بھی تخت سے اتار کر قید کر دیا۔ اور تاج میاں غلام شاہ کلہوڑا کے تیسرے فرزند کے سر پر رکھا۔ اُس سے اُن کی امیریاں پامال نہ ہوئیں کیونکہ اُس نے کل ملک کو تابع کیا اور حیدر آباد کا قلعہ بنایا۔ اُس کی وفات پر (قریب ۱۱۷۷ھ) اُن کے فرزند اکبر میر محمد سرفراز اُن کے جانشین ہوئے۔

فرزند محمد خاں کی تخت نشینی | بلوچیوں کے سردار میر بہرام خاں کے دو فرزند تھے میر بکھر خاں اور میر صوبہ دار خاں۔ میر بکھر خاں کی غیبت میں جو اُس کی ناراضگی سے حج کو چلے گئے تھے۔ محمد سرفراز نے اُن کے بھائی اور اسپ کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ بہرام خاں اولو العزم تھا اور سرفراز خاں کو اُس کے رسوخ اور دباؤ کا خوف تھا۔ اس امر کی خبر پا کر کلہوڑا امرار نے میر فتح خاں کے ساتھ سازش کر کے قاتل کو قید کر دیا اور ندام شاہ کے دوسرے فرزند محمد خاں کو تخت نشین کیا۔ مگر لکھمی کے راجہ نے جو ایک زبردست کلہوڑا امیر تھا اُسے تخت سے اتار کر قید کر دیا۔ اور عصائے سلطنت محمد خاں معزول کے چوتھے فرزند کے حوالے کیا۔

میر بکھر خاں کی حج سے واپسی | اس نازک وقت میں میر بکھر خاں حج سے مسقط و گواور و کچھ و مکران ہو کر واپس آئے اور قلات میں پہنچ کر نصیر خاں بھوی کے پاس گئے اور اپنے باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لئے فوج کے طلب گار ہوئے۔ جب اس سے انکار کیا گیا تو وہ سیدھے سندھ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر بہت سے بلوچی اُن کے شریک ہوئے۔ جو غلام بنی کو برا سمجھتے تھے کیونکہ انھیں لکھمی کے راجہ نے تخت نشین کیا تھا۔ آخر کار ایک محرم ہوا جس میں غلام بنی مارا گیا۔ مگر میر بکھر کو جنھوں نے لڑائی میں فتح حاصل کی تھی یہ بات ظاہر تھی کہ گو محمد سرفراز نے اُن کے بھائی اور باپ کو شرارت سے قتل کر ڈالا تھا اُن کے سوا اور کوئی شخص کلہوڑا

خاندان کا قابل حکومت نہ تھا۔ اس کے سوا وہ لوگ بچپن میں ساتھ کیلے تھے اور ابتدائے عمر سے آپس میں اتحاد رکھتے تھے۔

عبدالبنی کی تخت نشینی | اگلے وقتوں کی باتوں کے خیال اور اپنے ملک کی محبت سے میر بجرنے خاص خاص امیروں کو تعینات کیا کہ وہ محمد سرفراز کے قید خانے میں جاتیں اور اُن کو وہاں سے رہا کر کے حشمت و شوکت کے ساتھ ایک ہاتھی پر لائیں تاکہ تاج اُن کو حوالے کیا جائے۔ مگر ان فیاضانہ ارادوں کو انہیں دینے کا وقت جاتا رہا۔ کیونکہ غلام بنی کے بھائی عبدالبنی نے جو کلہوڑا کے پانچویں بیٹے تھے میر بجرنے کے ارادے کا حال سن کر تمام شاہی قیدیوں یعنی محمد مراد میاں عطار خاں و محمد سرفراز کو مع اُس کے فرزند میاں نور محمد کے قتل کر ڈالا۔ اس ظالمانہ حرکت کے بعد میر بجرنے نے چاہنا چار عبدالبنی کو برائے نام تخت نشین کیا مگر عنایت حکومت اپنے ہاتھوں میں رکھی۔

میر بجرخاں کا قتل | ان واقعات کے بعد ہی عبدالبنی جو اپنے اعزاء کے خون سے ہٹا چکا تھا اپنے ظلم کے ایک مظلوم اور تجویر کر رہا تھا۔ اُس نے سیفر کے طور پر ایک قاصد راجہ جودھ پور کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر وہ بجرخاں کی ہلاکت میں مدد دیں تو امر کوٹ کا قلعہ حوالے کر دیا جائے گا۔ راجہ نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور بارہ راجپوت اس غرض سے روانہ کئے۔ ان لوگوں نے میر بجرنے کے دربار میں ایلچیوں کی صورت میں پہنچ کر کہلا بھیجا کہ راجہ جودھ پور نے اُن سے چند عمدہ پیغامات کہلا بھیجے ہیں جو وہ علمدہ اور خاص اُن سے کہنا چاہتے ہیں۔ میر بجرخاں کو ہر چند کہ راجپوتوں کے خونی ارادے سے دالی جیسلمر اور دوسرے لوگوں نے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا تاہم انہوں نے اُن لوگوں کو اس خوف سے اپنے روبرو بلایا کہ دوسرا طرز اختیار کرنے سے ان کی جواں مردی پر حرف آئے گا۔ اس حماقت کی سزا ملی۔ کیونکہ قاتلوں نے دایہ

اتحاد کا وعدہ کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس قتل کے بعد عبدالبنی کلہوڑا امیر بجر کے بیٹے میر عبداللہ اور میر صوبہ دار کے بیٹے میر فتح خاں کے پاس گیا اور اُس فعل کی شرکت سے اپنی اس قدر صفائی کی کہ اُن کو بطور بہانوں کے ابھار کر شاہی محل میں لے آیا۔

مگر اُس کا ارادہ یہ تھا کہ جوں ہی موقع ملے اُن لوگوں کو کلہوڑا خاندان کا خاتمہ کر ڈالے۔ میر فتح علی خاں اور میر جا کر کے فرزند میر سہراب خاں نے اُن بد منصوبوں کے ارادے معلوم کر کے دو مردوں کو اس خطرے سے آگاہ کیا مگر جب اُن لوگوں نے اس دوستانہ اور موقع کی احتیاط پر خیال نہ کیا تو میر فتح علی اور میر سہراب دو پہر کو دھوپ میں میر عبداللہ میر فتح خاں اور مرزا کو تن بہ تقدیر چھوڑ کر واپس آئے۔ اُن کی پیشین گوئی اُن تینوں کے قتل سے پوری ہوئی۔ جب یہ ماجرا معلوم ہوا تو میر فتح علی خاں اور میر سہراب خاں نے ایک فوج جمع کی۔ اور کئی سخت لڑائیوں کے بعد اُس علاقے بے درماں عبدالبنی کو ملک سے نکالا۔ اس طور پر سندھ کے کلہوڑا خاندان کا خاتمہ ہوا۔

اُس وقت میر فتح علی خاں اور سہراب خاں نے شاہی میر فتح علی خاں کی امارت اختیار کرتے ہوئے اور دہلی کے شاہ تیمور کو نذرانہ اور خراج بھیجا جس نے اُس کے صلے میں میر فتح علی خاں کو بادشاہ کا خطاب دیا۔ وہ اٹھارہ سال تک حکمران رہے اور اپنے بیٹے میر صوبہ دار کو نوزدین کا بچہ چھوڑ کر مرے۔

میر فتح علی خاں کے تین بھائی تھے میر غلام علی خاں کرم علی خاں اور مراد علی خاں۔ یہ لوگ اپنے بھائی کی حیات میں اُس کے خاص محرم راز اور مشیر کار تھے۔

ان کی وفات پر (مسلماً) اُن کے بھائی میر غلام علی خاں تخت نشین ہوئے۔ محمود دلیق داؤد پوتے نے میر سہراب خاں کے ساتھ کچھ بد سلوکی کی جس پر انھوں نے میر غلام علی سے

مدد چاہی اور انھوں نے میر سہراب کی مدد کر کے محمد صدیق کو گودادر کے قلعہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا مگر اُس کی اطاعت کرنے پر مہر غلام علی فاتح نے اُسے اُس ملک کا بادشاہ کر دیا اور پندرہ ہزار روپیہ سالانہ خراج اُس سے مقرر فرمایا۔ مگر انھوں نے سبزل کا قلعہ اپنے قبضہ میں رکھا اور محمد صدیق کو صلح نامہ بکلف کرنے پر مجبور کر کے اُس کے بیٹے بھاول خاں کو بطور ضمانت لیا مگر اس کے ایک سال کے بعد اُس کے لڑکے کو بے اعزاز اُس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ وہ دس سال تک فرماں روا رہا اور ۱۲۸۲ء میں ایک فرزند میر میر محمد سیزدہ سالہ چھوڑ کر مرا۔

مراد علی خاں کی تخت نشینی | اپنے بھائی کے مرنے پر میر مراد علی خاں جانشین ہوئے۔ ہر چند کہ میر کرم علی خاں اپنے بھائی میر مراد علی سے بڑے تھے مگر انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو تخت حوالے کیا جو ان کی نہایت عزت اور محبت کرتے تھے۔ میر کرم علی خاں اس کے بعد اُن تیس سال تک زندہ رہے اور ان کی وفات پر ان کے بھائی تنہا مالک تخت کے تھے۔ یہ ہمارے باپ تھے جنھوں نے اپنے کو خود مختار قرار دیا اور کبھی کسی کو خراج نہ دیا۔ انھوں نے تمام سندھ سبزل اور شکہ رپور اپنی عمل داری میں شامل کیا۔ وہ ہمیشہ اپنے بھائی میر کرم علی خاں کے لئے منعموم رہتے تھے اور دل کے قریب جو ان کے ایک درد تھا اُسے لوگ اٹنی غم سے منسوب کرتے ہیں۔ سات برس اور اچھی طرح بادشاہت کر کے وہ مجھ کو اور میرے بھائی میر نور محمد خاں کو مشترک فرماں روا اقلیم سندھ کا چھوڑ کر مرے۔

ضمیمہ نمبر

سندھ کے جدید حالات کی داستان

معاہدہ مابین مراد علی خاں اور لارڈ ولیم بنٹنگ | ہمارے تحت نشین ہونے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کرنیل ہنری پانچر نے ہماری تصدیق کے لئے وہ صلح نامہ بھیجا جو ہمارے والد مرحوم مراد علی خاں اور لارڈ ولیم بنٹنگ گورنر جنرل میں ہو چکا تھا۔ کیونکہ متوفی امیر کے فرزند ہونے کی حیثیت سے ہم لوگ بھی صلح نامہ مذکور کے شرائط میں شامل تھے۔ اس بات کا یہاں بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس صلح نامہ سے ہمارے والد نے انگریز تاجروں اور کمپنی کی عمل داری کے سوداگروں کو تجارت کی غرض سے اپنی عمل داری میں بے روک ٹوک آنے کی اجازت دی۔ مگر یہ امر واضح ہے کہ اس اجازت کے دینے میں میں نے خاص کر اپنے باپ کو آمادہ کیا تھا۔ کیونکہ جب کرنیل ہنری پانچر حیدر آباد میں گورنر جنرل کی جانب سے میرے والد کی منظوری تجویز مذکور کی نسبت حاصل کرنے کو آئے تو وہ اس کی نسبت بہت کچھ پس و پیش کرتے تھے اور اگر میں نے زور نہ ڈالا ہوتا تو ہرگز منظور نہ کرتے۔

دریا سندھ سے گزرنے کی اجازت پر اصرار | یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ایک یہی موقع نہ تھا جس میں میں نے اپنا زور اپنے باپ پر انگریز گورنمنٹ کی جانب سے ڈالا تھا کیونکہ اس صلح نامہ کے قبل جب سر ایلیگزینڈر بئرنس نے لاہور جاتے وقت میرے والد کو بار بار خوش نما دریا سے سندھ سے گزرنے کی نسبت لکھا تھا اُس وقت بھی میری کوشش اور ترغیب وہی سے اُنھوں نے اس درخواست کو منظور کیا تھا۔ افسوس کہ جس وقت میں اس قدر کوشش انگریز گورنمنٹ کے کام میں کر رہا تھا مجھے یہ خیال نہ تھا کہ انگریز گورنمنٹ مجھے اُس کا صلہ

اُس طور پر دے گی جیسا کہ اُس نے اُس وقت سے کیا ہے۔ غیر۔

دوستی کی تجدید | چند روز بعد صلح نامہ مذکورہ بالا کے ہمارے پاس تصدیق کے لئے روانہ کرنے کے کرنیل ہنری پانچر خود ہم لوگوں سے ہمارے والد کے قضا کر جانے کی تعزیت کے لئے ملنے کو آئے۔ اُس کے بعد وہ کچھ گئے اور ہمیں پاس ایک خط لازڈ آکلیٹڈ کا مہری روانہ کیا۔ اس خط کا مضمون تھا کہ چونکہ گورنر جنرل ہم لوگوں کو بطور دوستوں کے اور انگریز گورنمنٹ کا بھی خواہ تصور کرتے ہیں وہ کسی حیلہ سے ہمارے ملک یا گورنمنٹ پر نگاہ بند نہ کریں گے اس خط کے ملنے سے دراصل ہم کو کچھ اطمینان ہوا۔ ہمارے جی میں کوئی گمان فاسد اپنے ملک کی حفاظت کا نہ رہا۔ مگر یہ نہ جانتے تھے کہ کاتب تقدیر نے ہمارے خط پیشانی پر کیا لکھا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے ایک جلسہ کیا اور باہم غور کیا کہ آیا اپنے دربار میں ایک وکیل انگریزوں کا بلا کر رکھنا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ ہم نے کرنیل ہنری پانچر کو اس بارے میں لکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہر چند کہ کوئی ضرورت ہمارے دربار میں وکیل کی نہیں ہے مگر چونکہ ہم نے درخواست کی ہے تو وہ گورنر جنرل کو ہماری خواہش سے مطلع کریں گے۔ اور ہمارے پاس اس کا جواب بغرض اطلاع دی بھیج دیں گے۔

کابل کی مہم | اس کے تھوڑے ہی دن بعد کرنیل مذکور نے پھر ملاقات کی درخواست کی۔ ہم کو اس درخواست سے نہایت مسرت ہوئی۔ ایسی ملاقات میں کرنیل موصوف نے درخواست کی کہ ہم انگریز فوج کو اپنی عمل داری سے خشکی دہری کی راہ کابل کی مہم پر جانے کی اجازت دیں جب یہ درخواست انگریز گورنمنٹ کی لوگوں کو معلوم ہوئی تو متسام امیروں اور بلوچیوں نے بالاتفاق اس سے انکار کیا اور کہا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی درخواستوں کے منظور کرنے سے ہم لوگ بعد کو کیسے سخت مشکل میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مگر چونکہ ہم لوگوں کی نیت بُری نہ تھی اور دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ہم نے اور ہمارے بھائی نے کرنیل ہنری پائنجبر کی درخواست کو بے تکلف منظور کرنے کا فیصلہ کیا اور بڑی مشکل اور ترغیب سے بلوچیوں کو اس پر راضی کیا۔ چنانچہ اجازت مطلوبہ دی گئی۔ لیکن ہم لوگوں نے کرنیل پائنجبر کو اُن باتوں سے مطلع کر دیا۔ جو اُن کی خواہشوں کے منظور کرنے سے قبل پیش آئی تھیں۔ اس کے بعد کرنیل پائنجبر حیدرآباد سے چلے گئے اور دریا کے کنارے خیمہ زن ہو کر انگریز فوج کو بمبئی کی بندرگاہ سے براستہ سندھ کا بل جانے کا حکم دیا۔

اہل سندھ کی مشکلات کا آغاز | واقعی ہم لوگوں کو اس اجازت کے دینے کے لئے بہت دکھ پہنچے پڑے کیونکہ ہمارے اہل وطن کو مشارک یہ بالکل خلاف تھا۔ لیکن ہم نے اس امید سے ایسا کیا کہ اگر ہمارے ملک پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو ہم لوگوں کو انگریزوں سے مدد ملے گی۔ مگر تجربے سے جو ہم نے خیال کیا تھا اس کے خلاف ہوا۔ جب انگریز فوج مقام باری غارہ میں پہنچی تو ہم سے کہا گیا کہ فوج کے سامان رسد اور اونٹ اور جہازوں کے لئے جہلانے کی لکڑی دیا کریں۔ جس طرح میں نے اس خواہش کی تعمیل کی اس کا بیان کرنا بے کار ہے۔ ایسے موقعوں پر جیسے میں نے انگریزوں کی خدمت کی آج تک ہندوستان کے کسی دوسرے فرماں روا نے نہ کی ہوگی۔

انگریز فوج کا خرچہ اور اکیس لاکھ روپے کا مطالبہ | جب انگریز فوج مقام جھارک میں حیدرآباد سے چودہ کوس پر تھی سر جان کین نے خلاف معاہدہ اور صلح نامہ جات کے فوج کا خرچہ اور اکیس لاکھ روپے سالانہ طلب کیا۔ اس مطالبہ کو بھی ہم نے پورا کیا۔ انگریز گورنمنٹ کا یہ معینہ قاعدہ ہے کہ ہندوستانی دالیان ملک سے صلح نامہ کرنے میں عبارت مثلاً بعد مندرجہ لکھتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے

کہ وہ صلح نامہ کی میعاد کو اپنی حد آسائش تک محدود رکھتے ہیں۔ چنانچہ مجھ کو اس کا سخت تجربہ ہوا۔

ایک صلح نامہ کے بعد دوسرا صلح نامہ | اس کے بعد ایک نیا صلح نامہ میرے پاس دستخط کے لئے بھیجا گیا۔ جس میں چوبیس شرائط تھیں۔ اور اسے بھی میں نے منظور کیا مگر میرے دستخط کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سرچارلس نیپیر اپنی فوج لے کر سندھ میں داخل ہوئے اور ایک اور صلح نامہ میری منظوری کے لئے بھیجا۔ چونکہ اس کے تحقیر آمیز شرائط کو منظور کرنا دراصل اپنے زوال کا باعث ہونا تھا ہم نے ایک وکیل سکھر میں جرنیل موصوف کے پاس صورت حال کو اصل پیرایے میں ظاہر کرنے کے لئے بھیجا مگر انھوں نے وکیل سے صاف کہہ دیا کہ وہ باتیں کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ لارڈ ایلنبرا کے حکم کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم لوگ فوراً صلح نامے کو منظور نہ کریں گے تو وہ آتش غضب کو فوراً مشتعل کریں گے۔

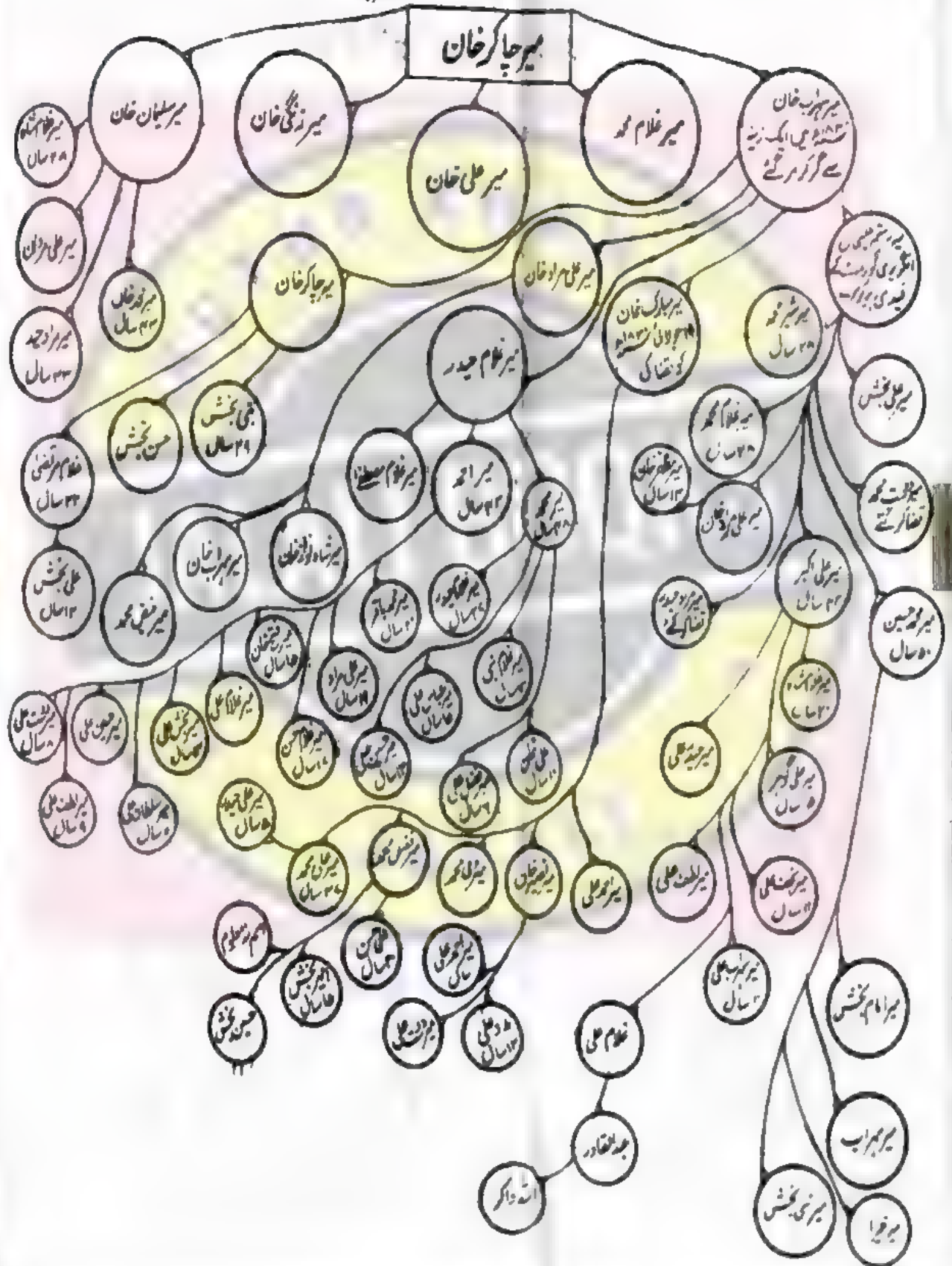
پھر وہ دریا کو عبور کر کے لاہور ہی میں قیمہ زن ہوئے۔ رئیس خیرپور ظلم و استبداد | اور میر رستم خاں رئیس خیرپور سے اس جگہ کے عالی کرینے کے لئے کہا وہ دوسرے دن اس پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس وقت انھوں نے اپنے کو امیر کے خاص مکان پر سپاہیوں کے حملہ کرنے کی ذمہ داری سے بری کیا۔ یہ بیچارہ بکیں اور ضعیف جو نہ جانتا تھا کہ کیا نتیجہ ہوگا اس دھمکی سے خوف میں آکر خیرپور سے باجی ہرنر اور وہاں سے کوہٹلا کو چلا گیا۔ اس کی نسبت صرف یہی جرم بیان کیا گیا ہے کہ ایک خط انگریز فوج کی ڈاک سے چوری ہو گیا تھا اور یہ شبہ کیا گیا کہ خیرپور کے کسی بد معاش نے چوری کیا۔

۱۲ بعد کو ثابت ہوا کہ یہ فعل علی مراد نے میر رستم کی تحریک کے لئے کیا تھا۔

خاندان امیران حیدرآباد

[illegible]

خاندان امیران خیرپور



میرِ رستم کی معزولی | اس پر سرچارلس نیپیر نے میرِ رستم خاں سے چور کی گرفتاری اور
 حوالگی چاہی۔ مگر چونکہ میرِ رستم علمِ غیب سے واقف نہ تھا۔ اس
 لئے وہ چور کا پتہ نہ لگا سکا۔ پس جرنیل موصوف نے اُسے حکومت کے ناقابلِ قرار
 دے کر فرماںِ روائی سے خارج کر دیا۔ میرِ رستم خاں کی التجائیں اور التماسیں کچھ کام نہ آئیں
 میجر جرنیل موصوف نے اس کی کچھ بھی سماعت نہ کی اور بطور تسلی کے حیدر آباد جانے کی
 ہدایت کی۔ جہاں انھوں نے خود پہنچ کر اُن کے مقدمے کا تصفیہ کرنے کا وعدہ کیا۔

نئے صلح نامے کی تصدیق | ہم لوگوں نے جرنیل موصوف کو آدھ فساد دیکھ کر میجر ادٹرم
 کو اس کی اطلاع کی۔ وہ فوراً خیر پور سے حیدر آباد میں آئے
 اور ہم کو بذریعہ خط کے مطلع کیا کہ جب تک ہم سرچارلس نیپیر کے بھیجے ہوئے صلح نامے
 کی تصدیق نہ کریں گے۔ ہماری سماعت نہ ہوگی۔ ہم نے میجر موصوف کے کہنے کے مطابق
 کیا۔ ہر فردی مشتمل کو وہ ہم لوگوں سے ملنے آئے اور ہمارے کل حالات سن کر اسی
 شب کو ایک یوروپین کو ہمارے پاس بھیجنے کو کہا جسے ایک میز اوٹ پر چارلس نیپیر
 کے پاس ہم کو بھیجنا تھا تاکہ فوج جو آرہی تھی رک جائے۔ ہم نے ان کے کہنے کے مطابق
 کیا۔ مگر افروردی کو جو شتر سوار اس یوروپین کے ساتھ گئے تھے۔ واپس آئے اور
 انھوں نے بیان کیا کہ سرچارلس نیپیر نے اُس کے پہنچنے ہی خیمہ اُکھاڑا اور حیدر آباد
 کو روانہ ہوئے۔

ہم نے یہ خبر میجر ادٹرم کو دی جو فوراً ہمارے قلعہ میں آئے اور ہم سے بکلف کہا کہ
 سرچارلس کا ارادہ کچھ بھی فساد کا نہیں ہے۔ بشرطیکہ ہم صلح نامے پر مہر کر دیں اور جب
 میں نے مہر کر کے حوالے کیا تو انھوں نے کہا کہ اب اطمینان رکھیے۔ میں صلح نامے کو
 مع اپنے ایک خط کے سرچارلس کے پاس روانہ کروں گا اور مجھے یقینِ وثیق ہے کہ
 وہ اسے پا کر فوراً اپنی فوج کو ہٹالیں گے۔ اس وقت انھوں نے ایک خط مع صلح نامے

کے دیا جسے میں نے فوراً ایک شتر سوار کے ہاتھ سر چارلس کے پاس بھیج دیا۔ مہارکو وہ شتر سوار واپس آیا اور بیان کیا کہ اس خط کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے یہ خبر فوراً میجر اوٹرم کو دی۔ لیکن انہوں نے اس کا کچھ زیادہ خیال نہ کیا۔ اس پر کل جماعت بلوچیوں کی ہرافروختہ ہو گئی۔

اکیس لاکھ روپے کی دایگی | میرے بے اُن لوگوں نے اور انگریز فوج کو اپنے ملک سے کابل کی عزیمت پر جانے دیا تھا میری ہی خاطر ہے اُن لوگوں نے اکیس لاکھ روپیہ فوراً اور تین لاکھ اور سالانہ دینا منظور کیا تھا اور بالآخر جب انگریزوں نے ایک صلح نامے کی خلاف ورزی کر کے دوسرے اور اُس کے بعد تیسرے کو رو کیا تو اُن لوگوں نے میری ہی خاطر سے خاموشی اختیار کی تھی۔ لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ باوجود ان سب ہایتوں اور خاطر داریوں کے جو انگریزوں کی کی گئیں وہ لوگ محنت پر آمادہ ہیں تو اُن کی تربت برداشت جاتی رہی اور مغلوب الغیظ ہو کر انہوں نے میرے احکام کا کچھ خیال نہ کیا۔

حیات خاں کی گرفتاری | جب اُن لوگوں نے سنا کہ سر چارلس نیپئر نے بلا وجہ دیتوں کو گرفتار کر لیا۔ اُنہوں نے میجر اوٹرم سے انتقام لینا چاہا۔ جوں ہی مجھے اس کی اطلاع ہوئی میں نے جہاں خان اور حاجی غلام محمد کو حکم دیا کہ بروہہ چیدہ مسلح لوگوں کو ساتھ لے کر سبجہ اوٹرم کو اُن کے مقام پر بکفایت پہنچائیں۔ اور اگر بلوچی جو ہرافروختہ ہو رہے تھے اُن پر حملہ کریں تو اُن کی حفاظت کریں۔ اس طو پر وہ بے خلش اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ حالانکہ جا بجا بلوچیوں کے گروہ انتقام کی نیت سے پوشیدہ ہو رہے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو میں نے میجر اوٹرم کی حفاظت کے لئے منتخب کیا تھا وہ رعب و ہب کے لوگ تھے۔ بالآخر جب بلوچیوں نے ریڈیٹنسی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا میں نے عین وقت پر میجر موصوف کو مطلع کیا اور میں خوش ہوں

کہ وہ محض اُن تدابیر سے محفوظ رہے جو میں نے بطور حفظ ماتقدم کے کی تھیں۔ اسی سے ظاہر ہے کہ میرے خیالات انگریزوں کی نسبت کیا تھے۔

جب ۱۴ مارچ کو شتر سوار نے واپس آ کر بیان کیا کہ میجر جنرل بلا **حیدر آباد کی فوج کشی** خیال ممانعت حیدر آباد پر چڑھتے آتے ہیں اور مخالفت پر آمادہ

ہیں تو بلوچی جو پانچ یا چھ ہزار تعداد میں تھے حیدر آباد سے بغرض مقابلہ روانہ ہوئے۔ میں نے یہ سن کر اُن کا تعجب کیا اور اُن سے کہا کہ اُنھوں نے ناحق ایک دوست کے مقابل منی لفت اختیار کی ہے۔ میں خود بقصد جنگ نہیں گیا تھا۔ اگر میرا یہ خیال ہوتا تو میں نے ابتدا ہی میں ظاہر کیا ہوتا نہ یہ کہ آخری وقت کا منتظر رہتا۔ خود اسی امر سے میری صفائی ہوتی ہے کہ دو دن اور ایک رات تک سمجھانے کے بعد میں نے بلوچوں کو انھار منی لفت سے باز رکھا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ جو کچھ میں نے اب تک کہا تھا سب کچھ اُنھوں نے منظر کیا مگر وہ اب اپنی جگہ سے اُس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک انگریز فوج آئے بڑھتی رہے گی۔ آخر کار وہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ میں ایک کیمل جرنیل کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کروں کہ ہم لوگ اب تک انگریزوں کے دوست ہیں۔

تیسرے دن کی صبح کو جنرل کی فوج نے ہم پر گونہ انداز میں شروع کی اور بلوچوں نے بے بھی مایوس ہو کر جو ب دیوہی جانی زبان بڑوں مارے گئے۔ اور بقیہ منتشر ہو گئے۔ میں ابلہ میدان جنگ میں اٹھارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گیا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ سب بھاگ گئے اور انگریز ظلم پر آمادہ ہیں میں حیدر آباد واپس چلا آیا۔

یہ کیفیت جو پیدا ہوئی اُس سے مجھ کو نہایت صدمہ ہوا۔ **میر نصیر الدین کی خود سپردگی** میرے نوگ خود مجھ پر طعن کرنے لگے۔ کہ اگر ابتدا میں میں نے انگریزوں کو ملک میں نہ آنے دیا ہوتا تو آج اُس پر اس طرح ظلم نہ ہوتا۔ اگر میری

خواہش لڑنے کی ہوتی تو صاف ظاہر ہے کہ میں نے حیدر آباد کو چھوڑ دیا ہوتا اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہوتا۔ جہاں سے میں نے مخالفانہ کارروائی شروع کی ہوتی۔ مگر چونکہ میرا ایسا ارادہ نہ تھا میں دوسرے دن خود انگریزی خیمہ میں چلا گیا اور میجر جنرل کو اپنی تلوار دے کر کہا کہ: آپ نے مخالفت کیوں شروع کی جس حالت میں کہ میں ہمیشہ آپ کے حسبِ دلالت کوشش کرنے پر آمادہ تھا۔ جنرل نے مجھے میری تلوار واپس کر دی اور مسکرا کر کہا کہ: آپ پریشان نہ ہوں پچیس دن کے اندر میں آپ کے معاملات کا تصفیہ کر دوں گا۔ اور اس کے بعد کہا کہ: آپ اپنی ہمراہی فوج کو رخصت کر دیجئے اور میرے رستم خاں کو بلا لیجئے کیونکہ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔

امرائے سندھ کی گرفتاری جب میں نے فوج کو رخصت کر دیا اور میرے رستم خاں آئے تو وہ اور ہم اور میر شاہ داد خاں جو میرے ساتھ تھا قید

کر دیئے گئے۔ سرچارلس نے اُس وقت میجر ریڈ اور دوسرے انگریز افسروں کو قلعہ دیکھنے کے بہانے اندر بلا لیا۔ علقہ جو اسے سنیں گے وہ متعجب ہوں گے اور انگشتِ حیرت و ندانِ غم سے کانیں گے۔ اُس وقت یہ حالت تھی جس وقت ہم لوگ گرفتار ہوئے۔ دیکھنے کے چیلے سے اُن لوگوں نے قلعہ کو دے لیا اور لوٹ و غارت گری اس درجہ تک کی کہ سپہیوں کی نفل سے بیرے اور جواہرات مثل ریت کے ریزوں کے گرتے تھے۔

قلعہ حیدر آباد پر قبضہ قلعہ میں انگریزوں کے تین دن کے داخل ہونے کے بعد میر محمد خان قید کر دیئے گئے اور دوسرے دن میر صوبہ دار خاں قلعہ سے

باہر نکالے گئے اور قید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد میر قمع علی خاں اور میر محمد علی خاں میر صوبہ دار خاں کے بیٹے اور میر حسن علی خاں و میر عباس علی خاں میرے اپنے بیٹے بھی قلعہ سے اُس مقام پر لائے گئے جہاں میں تھا۔ خاص کر میرے لڑکے ایسے بے سرو سامان آئے کہ نہ تو اُن کی پٹیاں تھیں اور نہ تلواریں۔ اور جن گھوڑوں پر وہ سنبھری تھیں

آئے تھے وہ لے لے گئے۔ اور ہر چند کہ اُن لوگوں نے اُن کی واپسی کے لئے نہایت اظہارِ تردد کیا مگر وہ واپس نہ لے۔ خالص سونا اور اشیائے قیمتی بند کر کے بھٹی بھیج دیئے گئے۔ چند روز کے بعد میر حسین علی خاں مع میر محمد خاں اور میر یار محمد خاں کے بھٹی بھیج دیئے گئے۔ لوٹ کی مالیت اٹھارہ کروڑ روپے کے قریب تھی۔

اِس سب کے مصائبِ آلام اپنے مصائب کا بیان کرنا بیکار ہے۔ ہمارے پورے تو شکلیں چادر ہیں اور اشیاء پوشیدہ فی سب لے لی گئیں۔ ہماری کتا میں تک جو ہم نے دل بہلانے کو رکھی تھیں، انگریزوں نے ہم سے لے لیں۔ جو کچھ ہماری قسمت میں لکھا تھا وہ آگے آیا۔ میں نہ لارڈ ایلنبرا کی شکایت کرتا ہوں نہ مرطاس نیپہ کی نہ کسی اور انگریزی حاکم کی۔ کیونکہ یہ میری تقدیر میں تھا۔ میری قسمت میں لکھا تھا کہ جن کے ساتھ میں دوستی کروں گا وہ میرے دشمن ہو جائیں گے۔ خدا کا شکر ہے۔ میں اس داستانِ کرب و انت دے سکتا ہوں مگر یہ بیکار ہے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ اولاً ہم لوگ بطور قیدی کے بھٹی روانہ کئے گئے اُس کے بعد سالور جہاں سے میر شاہ داد خاں سورت روانہ کئے گئے۔ وہاں ایک سال بسر کرنے کے بعد ہم لوگ کلکتہ میں لائے گئے۔

یہ امر سوائے تعجب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ بجز گورنر بھٹی کے اس سرکار سے کوئی ہماری نسبت و ریافت کرنے کو نہ آیا کہ ہم کون ہیں اور ہم نے کیا تصور کیا ہے جس کی یہ سزا ہم کو ملی۔

ضمیمہ نمبر

(۱) سندھ ہجری کے بالوے سال میں مطابق مسلمانوں کے خلفاء بغداد کے مذہب اسلام کے جوش حمیت اور بخیال انتقام اُس توہین کے جو سندھ کے بہت پرستوں نے یعنی ہندو جنہیں مسلمان مصنف ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، کی تھی ایک فوج بمقام اُس بادشاہت کے اُسی راستہ سے روانہ کی جو مقدونیہ کے بہادر نے ہر وقت واپسی باہل ایک ہزار سال قبل منتخب کیا تھا (ماخوذ از سفرنامہ بلوچستان و سندھ مصنف پانچہر)

(۲) خاندان کلہوڑا پیمبر آفرانوں کے چچا حضرت عباس کی شاہی نسل سے ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا مگر سندھ میں اُس کی عظمت ایک شخص آدم شاہ تانی باشندہ بلوچستان سے ہوئی جس نے اپنی دینی واری اور طاعت گزاری اور ایک مشہور مسلمان واعظ کے شاگرد بشیعہ اور قائم مقام ہونے سے چند ہجری صدی عیسوی میں بہت رسوخ حاصل کیا اور جس کی اولاد اپنے مورث کی طرح دین دار ہونے کے باعث اُس کے مذہبی اختیارات پر قابض ہوئے اور ششہ نامک بطور ولی کے تصور کئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ اُس وقت انھوں نے اورنگ زیب سے خطاب اور جاگیر حاصل کیا۔ جب اس طور پر دنیاوی عہدے کے ساتھ دینی وقعت کا شمول ہو گیا تو اُس خاندان کا رعب و داب بہت جلد بڑھ گیا۔ اور چند سال میں اُن کی عظمت کو اُس وقت عروج کامل ہوا جب ایک فرمان شہنشاہ دہلی کے دستخط و مهر سے جاری ہوا جس سے اُن کے خاندان کا اصل شخص سندھ کا صوبہ مقرر ہوا۔

(ماخوذ از تحریر ڈاکٹر جے برنس کے ایچ صفحہ ۳۱ موموہ (۱) وزٹ ٹوری کورٹ آف

(۳) جو اُس قوم کے لئے فخر تصور کئے جاتے ہیں۔

(۴) جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو قاہرا میاں نور محمد ٹھٹھہ کے صوبے کے صوبے دار مقرر ہو چکے تھے اور مغل بادشاہ محمد شاہ نے ان کو تسلیم کر لیا تھا۔ نادر شاہ نے بھی اپنی فتوحات کے بعد انھیں سندھ کی حکومت میں قائم رکھا اور شاہ قلی کا خطاب دے کر ان کے حسن برتاؤ کے لئے ان کے تینوں بیٹے جن کا امیر کی داستان میں ذکر ہے یعنی مراد یار خاں، عطار خاں اور غلام شاہ خاں کو بطور ضامن کے لے گیا۔ دیکھو تحریرات پانچبرو پوسٹنس۔ اس جملہ کی تصریح کے طور پر امیر نے بیان کیا کہ نادر شاہ کے انتقام پر میاں نور محمد نے ملک پر بطور خود قبضہ کر لیا کہ افغانوں کو خراج دیتے رہے۔

(۵) مراد یاب خاں۔ سوال۔ کیا یار خاں سے مراد ہے جسے نادر شاہ بطور ضامن کے لے گیا تھا۔

(۶) پوسٹنس کی تحریر کے مطابق مراد یاب خاں کا جانشین غلام شاہ خاں ہوا جو اپنے بھائی عطار خاں کے معزول کئے جانے کے بعد بالآخر پھر بادشاہ ہوا اور اپنا اختیار قائم کیا۔

(۷) یہ اس لئے مشہور ہے کہ اُس نے سنگ دلی سے کچھ کے راجپوتوں کو ایذا پہنچائی۔ ڈاکٹر جے برنس نے اپنی تصنیف کے صفحہ ۱۲ میں یوں لکھا ہے: "اپنی عمل داری میں ایک صوبہ اور شامل کرنے کی جانب سے مایوس ہو کر اور ایک قوم کی سخت دلیری سے ہو اپنی آزادی کے لئے لڑتی تھی غصے میں آکر اُس نے ایک ایسی تدبیر سے جو صرف ایشیائی لوگوں کو معلوم ہے اُس قوم سے ایک نئے قسم کا اور سخت انتقام لینا چاہا جس کے خواب نتائج آئندہ زمانے کے لئے اُس کے خشم و غضب کے یادگار رہیں گے ابن غرض سے اُس نے حکم دیا کہ دریائے سندھ کی مشرقی شاخ کے آر پار اپنی عمل داری میں

ایک بند بنادیا جائے اور اُس دریا کا پانی بالکل کچھ سے ہٹا لینے کی غرض سے نہریں کھدوا دیں اور اس سخت ناراضگی کی کارروائی سے اُس کی یہ خواہش ظاہر ہوئی کہ اُس کا دشمن اپنے نصف محاصل سے محروم ہو گیا۔ نہروں خاندانوں کی امیدیں پامال ہوئیں اور ایک عمدہ ضلع پلوں کی پیداوار کا بالکل ویران ہو گیا۔ واقعی یہ نقصان ایسا ہوا جس کا دفعیہ نہ ہو سکا کیونکہ سیلاب کے جانے سے وہ قطعہ ایک کھارادلہل ہو گیا ہے اور اُس وقت سے وہ ریاست زوال میں آگئی ہے۔

(۸) صوبہ وار خاں۔

(۹) کیپٹن پوسٹنس کی داستان میں بیان ہے کہ میاں محمد خان کے نالایق ثابت ہونے پر اُسے معزول کر کے غلام شاہ کے ایک برادر زاوے کو تخت نشین کیا۔ مگر اس انتخاب میں بھی نقص پانچ غلام بنی خاں شہداء میں صند پر بٹھائے گئے۔ (۱۰) دو قاتل۔ دیکھو تعصیف ہرنش و پوسٹنس۔

(۱۱) اور میرزہ رام خاں کا پوتا۔

(۱۲) یہ اُس بیان سے مختلف ہے جو کیپٹن پوسٹنس اور ڈاکٹر ہرنش کی داستانوں میں ہے جس میں لکھا ہے کہ بحر خاں کے قتل ہونے پر تالپور قبیلے واسے بالکل بانٹی ہو گئے۔ عبدالنبی بھاگ گیا۔ پھر افغان بادشاہ کی مدد سے اپنے تخت پر آیا اور عبداللہ خاں کو قتل کیا اور آخری بار بھاگا۔ اُس نے اپنی زندگی بُرے حالوں بسر کی یعنی - افلاس اور دولت میں بلا وطن ہو کر۔

(۱۳) "یا انتقام کی غرض سے یا تقدیری امر کے باعث اُس نے ناحق بے جا طور پر میر عبداللہ خان تالپور کو بعد اُس کی اطاعت قبول کرنے کے قتل کر ڈالا۔"

(۱۴) کیپٹن پوسٹنس کی روایت کے مطابق فتح علی خاں کے برادر زادہ میر مہراب اور

سے یاد اصل مشرکورد کی روایت کے مطابق - جس نے وہیں موجودہ صدی کے ابتدا میں دیہی کا نذات یا زبانی

فتح خاں کے بیٹے مہر تارا نے فتح علی کی حکومت سے منحرف ہو کر موہری اور شاہ بند مقامات میں سکونت اختیار کی جہاں سے تیمور شاہ کو خراج دے کر وہ خود مختار ہو گئے اور اس طور پر ملک کو تین جداگانہ بادشاہوں میں تقسیم کر دیا۔ لفظنت پانچبر لکھتے ہیں کہ فتح علی خاں نے اپنے خاندان کی مختلف شاخوں کو بڑے بڑے قطعات زمین دے دیئے جن میں سے میر سہراب اور میر تارا کو زیادہ حصہ ملا۔ جب اس امر کی بابت امیر سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے آخری بیان کی صحت کی تصدیق کی۔ شاہ بندر کی جاگیر میر تارا کو عطا ہوئی تھی۔ اول الذکر کی عمل داری کا صدر مقام فیروپور ہے۔

(۱۵) تیمور شاہ نے سندھ کی کامل حکومت پر نام زد کیا۔ ماخوذ از تحریر لفظنت پانچبر۔
کابل کے بادشاہ نے مذکورہ ایک سند کے اس کی حکومت کو بحال رکھا۔ از تحریر کیپٹن پوسٹنس
(۱۶) اس کمی کو بہت سی دلچسپ باتوں سے کیپٹن پوسٹنس کی مکمل و مفصل تاریخ میں پورا کیا ہے۔

(۱۷) اپنے بادشاہ ہونے پر اس شہزادے نے فیاضانہ طور پر اپنے منصب عالی کے کاموں میں اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں میر غلام علی خاں کریم علی خاں و میر زاد علی خاں کو شریک کرنے کا ارادہ کیا اور چاروں نے بنام بناد امیران سندھ کی سلطنت کرنے کا اتفاق کر لیا۔ جس وقت تک وہ چاروں زندہ رہے تو جس قدر قوی اور کمال محبت وہ ایک دوسرے کی نظر کرتے تھے اُس سے اُن کا معزز خطاب چار یار کا ہو گیا۔

(۱۸) میر غلام علی جب شہزادہ میں ہرن کا شکار کر رہے تھے تو ایک بہرنی کے حملے سے ہلاک ہوئے۔ ماخوذ از تحریر پانچبر۔

(۱۹) ہرچند کہ میر فتح خاں اپنا کل ملک و بجز اُن حصوں کے جو میر سہراب اور میر تارا کے

تھے جن میں خیرپور اور شمالی اضلاع تھے، اپنے تینوں بھائیوں کو چھوڑ کر مرے جو بعد کو امیران سندھ کہلاتے تھے مگر قدامت کا ضرور لحاظ کیا جاتا ہے۔ ترکہ بقدر نصف بڑے کے لئے (یعنی غلام علی) اور ایک ملک چوتھائی بقیہ دونوں کے لئے تھا۔ اصل امیر کے کچھ زائد اختیارات تھے۔

(۳) یہ موجودہ امیران سندھ جو اب بلوچی وحشی نہیں رہے اپنے مورثوں سے ایک بڑی نسبت میں جو تالپور خاندان میں تھے اور جس کے باعث وہ خاندان عرصہ تک ذی اختیار اور قائم رہا ناقابل موازنہ ہیں۔ یعنی اتحاد رکھنا ورنہ میر نصیر خاں کے تحمل کی وجہ باوجود قوی تحریعوں کے کیا کہی جاسکتی ہے۔ یہ امیر جو اس وقت پنجنگی سن کو پہنچ گئے ہیں اب تک سرحد عزیز۔ فیاض۔ ذہین اور خوش مزاج ہیں۔ وہ یورپیوں لوگوں کی صحبت کے بہت شائق ہیں اور بہت کچھ اختیار نیک و بد رکھتے ہیں مگر ان کی کل قوت اور اختیار اس بارے میں صرف کیا جاتا ہے کہ حکومت مشترکہ کی تائید ہو اور حال میں ایک افسر نے جو سرحد پر کام کرتے ہیں دونوں بھائیوں کی نسبت مجھ سے بیان کیا ہے کہ ایک دوسرے سے نہایت محبت رکھتے ہیں میر محمد خاں اور صوبہ دار خاں بلوچ اپنے طرز درویش کے کم مشہور ہیں مگر یہ دونوں کے اختیار میں ہے بالخصوص آخر الذکر کے جس کی ایک قوی بلوچی جماعت ملک میں موبہ رہی ہے کہ اپنی حرص کو زور دے اور چونکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے اُس سے اُس کی تائید ہوتی ہے جس کا اظہار اس تصنیف میں کیا گیا ہے۔

ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ء اپریل ۱۸۷۹ء دیا چہ معزز۔

ضمیمہ نمبر ۹

میر محمد خان

غلام علی کا بیٹا میر محمد خان خاص امیروں کے رتبہ سے دوسرے درجے پر ہے
اُس کا سین تیس سال کا ہے اور وجہ شخص ہے گو کہ شرگانی لب کے باعث کسی
قدر بد صورت ہو گیا ہے اُس کو اپنے باپ سے بہت کچھ دولت اور پولٹیکل رسوخ
سندھ میں وراثتاً ملا۔ کچھ دنوں تک وہ اپنے چچا کے ساتھ بیٹھتا رہا۔ اور ان کی
طرح اُس کی سلامی حیدرآباد کے پشتہ سے جب کبھی وہ باہر جاتا تھا ہوتی تھی۔
چونکہ وہ سلیم الطبع اور حرص سے مبرا ہے وہ ظاہراً بلا افسوس اپنے تمام سامان
شان و شوکت سے مع اپنی جائیداد کے عمدہ حصہ کے جس سے اُس کو علی مراد اور اُس
کے خاص ملازمین نے مختلف حیلوں سے محروم کر دیا ہے۔ بوجہ ناقابلیت نگرانی یا
اپنے معذرت کے انتظام کرنے کے دست بردار ہو گیا۔ وہ ایک عجیب غریب نیک
مزاج شخص نمائش اور نظہرداری سے لاپرواہ ہے جسے اُس کے مقرب ملازمین
منازعت پہنہ کرتے ہیں اور ان میں سے بہت سے اُس کی ملازمت میں بہت کچھ کما
رکھا ہے۔ میر محمد خان کے اہل و عیال نہیں ہیں۔

ماخوذ از تحریک ڈاکٹر برنس۔ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۵۔

ضمیمہ نمبر ۱۰

میر محمد نصیر خان

میر محمد نصیر خاں میر مراد علی کے دوسرے بیٹے ہیں اور سندھ کے شاہی خاندان میں یہ زیادہ ہر دل عزیز اور لوگوں کو مخاطب کرنے والے شخص ہیں۔ اُن کا سن پچیس سال کا ہے۔ بسم و جیہ گو کہ کسی قدر فربہ ہے۔ طرز و روش سے نہایت ہی شان و شوکت اور چہرے سے امارت نمایاں ہے اور ذرا بھی باپ یا بھائی کی مشابہت سے اُس میں خرابی نہیں آئی تھی۔ خوش قسمتی سے جس قدر صورت میں فرق ہے اُسی قدر سیرت میں بھی ہے۔ میر نصیر خاں اُسی قدر فیاض ہیں جس قدر وہ کمبوس ہیں اور جو کچھ نقد اُن کو ملا تھا وہ فیاضانہ طور پر خرچ کر ڈالا۔ یہ صفت خواہ بری ہو یا بھلی ایسی ہے جس کی ہمیشہ بالعموم تعریف خاص کرایشیائی ملکوں میں ہوتی رہی ہے۔ صفحہ ۴۰۔

وہ چند تصانیف کے مصنف بھی ہیں جو دیوان جعفری کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر وہ واقعی انھیں کی تصنیف ہیں تو وہ قابل تعریف ہیں۔

میر نصیر خاں نے ہمیشہ انگریز گورنمنٹ کی نسبت عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔ وہ ہمارے ہندوستانی ایجنٹ متعینہ حیدر آباد کے ساتھ ہمیشہ اخلاق پیش آئے۔ اور وہاں میرت زمانہ قیام میں وہ میرے ساتھ بھی بہ نسبت اوروں کے زیادہ توجہ سے پیش آتے تھے۔ وہ مردانہ ورزشوں کے باعث فوج میں ہر دل عزیز ہیں اور اس خاندان کے ہونہار لوگوں میں وہ شہرت و عروج حاصل کریں گے جو کسی نہ کسی کو بالآخر حاصل ہوگا۔ وہ کوئی قوی ارادہ یا ذی حوصلہ شخص نہیں معلوم ہوتے مگر یہ کہنا ناممکن ہے کہ اگر کوئی عمدہ میدان اُن کو اپنے حوصلے کے موافق ملے تو اُن کی طبیعت پر کیا اثر پیدا ہوگا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ عوام کی رائے بالکل اُن کے موافق حال ہے۔ منہ صفحہ ۴۰۔

ضمیمہ نمبر ۱۱

میر صوبہ دار خاں

میر صوبہ دار خان جیسا کہ امیر کی داستان میں بیان ہو چکا ہے، فتح علی خاں یعنی اُس رئیس کے بیٹے ہیں جس کے باعث تالپور خاندان کو عروج حاصل ہوا اور اپنے باپ کے مرنے کے چند ہی گھنٹے پیشتر پیدا ہوئے تھے جنہوں نے مرنے سے قبل اپنے بھائیوں سے اپنے شیر خوار بچے کے خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ کئی سال تک وہ میر کرم علی خاں کے متنبی فرزند کے طور پر تھے۔ کیپٹن پوسٹنس نے اُن کو ایک منکسر مزاج شخص لکھا ہے۔ اُن کی موجودہ شکل و صورت صغریٰ سے ہی۔ بتلائے مرض مرگی ہو کر اس وقت ضعیف ہو رہے ہیں بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر باوجودیکہ اُن کی جانب سے تغافل کیا گیا اور ڈاکٹر برنس کے جانے کے چند روز تک خاص امیروں و مراد علی و کرم علی کے تابعین کے زمرے میں رہا کئے۔ انہوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک کامیاب بغاوت سے اپنے کو اُن کے مساوی درجے پر کر دیا۔ وہ ریگستان میں اسلام کوٹ کے قلعے کو بھاگ کر گئے اور وہاں پانچ یا چھ دن کے بعد دوسرے سازش کرنے والوں سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جن کی تعداد پندرہ نہر تھی جا کر شریک ہوئے۔ اور وہ حیدر آباد پر حملہ آور ہوئے۔ خاص خاص امیر اس عزیمت کی جرأت سے گھبرا گئے اور انہوں نے قاتلانہ طور پر بذریعہ مصالحت کے معاملے کو طے کیا اور صوبہ دار خاں کو ایک حصہ ملک کا اور حکومت میں شرکت کرنے کا اختیار دیا۔ اُن کے عروج سے خاندان کے اور خاص خاص لوگ نہایت خوش ہوئے۔

مختصر کیفیت تاریخ سندھ کی جہان مک تحریر ہے

(ماخوذ از تصنیف کیپٹن پوسٹنس موسومہ "ذاتی تجربات سندھ")

- برہمنوں کی حکومت مسلمانوں کے فتح کرنے کے وقت تک رہی۔
 خاندان بنی امیہ کے خلیفہ کا قبضہ ہوا۔
 ان سے محمود غزنوی نے فتح کیا۔
 سمرہ فرقہ ذی اختیار ہوا۔
 سوامہ فرقہ نے سمرہ فرقہ کو زک دی۔
 شاہ بیگ درغوں نے فتح کیا۔
 بہایوں بادشاہ نے اس ملک سے خراج لیا۔
 فرقہ ترخان ذی اختیار ہوا۔
 اکبر شاہ نے دہلی میں شامل کیا۔
 لار محمد کلہوڑا صوبہ دار ہوا۔
 نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کیا۔
 افغان بادشاہت کا مطیع ہوا۔
 کلد خانہ کو تالپور خاندان نے زک دی۔
 انگریزوں نے فتح کیا۔

اس طور پر گیارہ خاندان ٹھیک اتنی ہی صدیوں میں تبدیل ہوئے۔

